شرائط جمعہ اوراس کے مسائل

شہر کی تعریف:

سوال: ادائے نماز جمعہ کے لیے شہر ہونا شرط ہے تو شہر کی تعریف کیا ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

شہر کی تعریف میں اختلاف ہے۔

(۱) جس جگہ ہر پیشہ کے آدمی موجود ہوں اوراسی پیشہ سے اپنی گذراوقات کرتے رہیں، کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، وہ شہر ہے۔

برجندی مضمرات میں بیان کرتے ہیں:

"قال بعضهم: هو أن يعيش كل محترف بتحرفه إلٰى من غير أن يحتاج إلٰى حرفة أخرىٰ" إنتهىٰ.

ابوالمکارم اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

"وقال بعضهم: هو من يعيش فيه كل صانع بصنعه" إنتهىٰ.

(۲) شہر وہ جگہ کہلاتی ہے کہ وہاں ہر دن ایک بچہ پیدا ہوتا ہوا اور ایک آدمی مرجاتا ہو۔

(۳) شہر وہ جگہ ہے کہ جس کی آبادی کا شمار مشکل ہو۔

برجندی بیان کرتے ہیں:

"وفي كنز العباد: وقال بعضهم: هو أن يولد فيه كل يوم ولد ويموت إنسان، وقال بعضهم: هو أن لايعرف أهله إلّا كلفة ومشقة" إنتهىٰ.

(۴) جس کی آبادی دس ہزار انسانوں پر مشتمل ہو۔ (شرح ابی المکارم)(۱)

(۵) شہر وہ آبادی ہے کہ اس میں قاضی اور مفتی ہوں اور احکام نافذ کرسکتے ہوں، شرح ابی المکارم میں ہے:

"وقال قاضي خان: لايكون الموضع مصراً إلا أن يكون فيه مفتٍ وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام" إنتهىٰ. (۲)

---

(۱)

(۲) الفتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ: ۱/۱۷٤، انیس

(۶) بلخی کا مسلک مختار ہے کہ بڑی سے بڑی مسجد میں اگر پوری آبادی نہ آسکے تو وہ شہر ہوگا۔ (کذا فی الہدایۃ) (۱)

(۷) بحر العلوم مولانا عبد العلی ارکان میں فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا نظام الدین کے نزدیک شہر وہ آبادی ہے کہ جہاں انسان کی تمام ضروریات مہیا ہوں؛ یعنی کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی اشیا کی بیع وفروخت ہوتی ہو اور بقدر ضرورت ہر قسم کے اہلِ صنعت وحرفت بھی موجود ہوں۔ (۲)

چوں کہ شہر کی تعریف میں اختلاف کثیر ہے، اگر کسی آبادی کے شہر ہونے میں شبہ ہو تو احتیاط کا تقاضہ ہے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت اس نیت کے ساتھ پڑھے:

''نويت أن أصلي آخر الظهر الذي أدركت وقته ولم يسقط بعد عنّي''.

اور ہر ایک رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی پڑھے۔ صغیری میں ہے:

وعن الإختلاف في المصر قالوا: في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة ينبغي أن يصلي أربع ركعات بنية آخر الظهر ادركت وقته ولم يسقط بعد عني، إنتهى.

اور دوسری جگہ ہے:

ينبغي أن يقرأ السورة مع الفاتحة في الأربع التي بنية آخر الظهر وقع فرضاً فالسورة لاتضر وإن كان نفلاً فقرأة السورة واجبة، إنتهى ملخصاً وهكذا في الهندية. (۳)

عیدین اور جمعہ کا حکم بالکل یکساں ہے؛ کیوں کہ دونوں میں مصر اور شہر کا ہونا شرط ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئی اردو: ۲۲۲-۲۲۳)

مصر کی صحیح تعریف کیا ہے:

سوال: عندالاحناف وجوب جمعہ کے لیے مصر تو یقیناً شرط ہے؛ لیکن چوں کہ تعریف مصر میں اختلاف عظیم ہے، لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ تعریف معتبر ومفتی بہ کون سی ہے اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ مدلل بیان فرماویں۔

وہ قریہ جس کی آبادی ۱۲۰۰ ر یقیناً ہے اور پانچ مساجد بھی ہیں اور تمام حوائج اہل قریہ بھی دستیاب ہوتی ہیں اور صاحب ہدایہ کی تعریف ہذا ''**وعنه أنهم اذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم**'' (۴) کا بعینہ مصداق ہے اور

---

(۱) وفي رواية عن الإمام أبي يوسف المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عدداً لا يسع أكبر مساجده إياهم، في الهداية هو إخيار البلخي وبه أفتىٰ إكثر المشائخ لما رؤا فساد أهل الزمان. (رسائل الأركان، شرائط الجمعة، ص: ۱۱٤، المطبع اليوسفي، انيس)

(۲) وكان مطلع الأسرار أبي قدس سره يفتي بأن المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاماً والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً لاأدري أكان هذا من إجتهاده قدس سره أو وجد رواية. (رسائل الأركان، شرائط الجمعة، ص: ۱۱٤، المطبع اليوسفي، انيس)

(۳) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱٤٥، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱٤۸، مكتبة رشيدية سهارنپور، انيس

صاحب شرح وقایہ کی عبارت ہذا ''ولا یسع اکبر مساجده أهله مصرية'' بھی انطباق ہے۔علاوہ بریں چوں کہ قریہ مذکور میں شریف اہل علم آباد ہیں، ان کی وجہ سے گردونواح کے اہل دیہات برائے شرکت جمعہ جمع ہوتے ہیں اور خوب مجمع ہوجاتا ہے، لہٰذا بیان فرمائیے کہ قریہ مذکورہ میں بنا بر تعریف صاحب ہدایہ وشرح وقایہ جمعہ جائز ہے، یا نہ؟ ناجائز ہونے کی صورت میں دلیل اعراض عن التعریفین وماخذ قول مفتی بہ تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں؟

الجواب

مصر کی یہ تعریف ''وهو ما لايسع أكبر مساجد أهل المكلفين بها'' منقوضہ ہے۔صحیح یہ ہے کہ عرفاً وہ بستی شہر، یا قصبہ کہلائی جانے کی مستحق ہو اور قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ کے ہو اور ضروریات مردماں وہاں ملتی ہوں، وہ بھی بحکم مصر ہے۔شامی میں ہے:

''وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، الخ. (شامی)(۱)

وفي باب العيدين من الدرالمختار عن القنية: صلاة العيد في القرىٰ تكره وتحريماً أي أنه اشتغال بما لايصح؛ لأن المصر شرط الصحة. (۲)

شامی میں ہے:

''ومثله الجمعة، الخ''. (۳)

پس معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہے، حالاں کہ تعریف ''ما لا يسع أكبر مساجده، الخ'' بہت سے قریوں پر صادق آتی ہے؛ اس لیے شامی نے اس تعریف کے ذیل میں نقل فرمایا ہے:

''قوله: ما لا يسع هٰذا يصدق علىٰ كثير من القرى، الخ''.

اور اس تعریف پر یہ بھی نقض کیا گیا ہے کہ حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہوئی جاتی ہیں؛ کیوں کہ وہاں مالایسع صادق نہیں آتا؛ بلکہ ان مساجد میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ وسعت ہے، كذا في شرح المنيه، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۵۹/۵-۱۶۰)

(۱) ردالمختار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العيدين: ۱۶۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) رد المحتار، باب العيدين، مطلب في الفأل والطيرة: ۱۶۷/۲، دار الفكر بيروت، ظفير

(۴) والفصل في ذٰلک أن مكة والمدينة مصر أن تقام بهما الجمعة من زمنه عليه الصلاة والسلام إلىٰ اليوم فكل موضع كان مثل أحدهما فهو مصر... حتىٰ التعريف الذى اختاره جماعة من المتاخرين كصاحب المختار، والوقاية وغيرهما: وهو ما لو اجتمع في أكبر مساجده لايسعهم فانه منقوض مهما إذ كل مسجد بهما يسع أهله وزيادة، الخ. (غنية المستملى، فصل في صلاة الجمعة، في بحث شرط الأداء، ص: ۴۷۳-۴۷۴، انيس)

جمعہ کے واسطے مصر کی شرط:

سوال: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾(۱) اور حدیث"**عن طارق بن شهاب عن النبى صلى الله عليه وسلم الجمعة حق واجب علىٰ كل مسلم فى جماعة إلاعلىٰ أربعة:عبد مملوك أوامرأة أوصبى أومريض**"(۲)دوسری حدیث:"**عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:من كان يؤمن بالله واليوم الآخرفعليه الجمعة يوم الجمعة إلامريض أومسافر أوامرأة أوصبى أومملوك**"(۳)موافق مطلب آیت کریمہ اور ہر دو حدیث کے سوائے ان کے جن کو شارع نے استثنا کیا ہے۔نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے، یا فقط شہر والوں پر؟

الجواب

جس طرح احادیث مذکورۂ سوال بعض کے استثنا کی دلیل ہیں ،اسی طرح اہل قریٰ کے استثنا کی دوسری شرعی دلیل بھی موجود ہے، پس وہ بھی مستثنیٰ ہوئی؛اس لیے صرف اہل مصر پر فرض رہی۔تحقیق اس کی مشبع ومبسوط وکافی ''رسالہ اوثقی العریٰ'' میں اور تدقیق اس کی ''رسالہ احسن القریٰ'' میں موجود ہے۔

۶ رمحرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ،ص:۲۷)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴/۶۷۴)

سوال: گزشتہ خط میں اس مضمون کو لکھا تھا کہ کہاں پر جمعہ وعیدین درست ہے اور کہاں پر نہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ تقریبا چار ہزار کی کل مردم شماری ہو؛ یعنی چھوٹے بڑے کافر مسلمان سب ملا کر اور بازار بھی ہو، وہاں جمعہ وعیدین درست ہے اور جہاں یہ شرطیں نہ ہوں درست نہیں، اب عرض کرتا ہوں کہ آپ اس مضمون کو کون کون سی کتاب سے فرماتے ہیں بتلا دیجیے''الدرالمختار وتنویرالابصار والبحرالرائق کی یہ تحریر کہ''(**المصر هو ومالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها**)**وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء**''.(۴)

"**عن أبى يوسف: أنه إذا اجتمعوا فى أكبر مساجدهم الصلوات الخمس لم يسعهم وعليه الفتوىٰ لأكثر الفقهاء**" کیوں معتبر نہیں؟

الجواب

میرا ماٰخذ علامہ شامی کی نقل ہے خود امام صاحب سے:''**هوبلدة كبيرة فيها سكك وأسواق**''.(۵)

(۱) سورة الجمعة:۹
(۲) سنن أبى داؤد،باب الجمعة للملوك والمرأة،رقم الحديث:۱۰۶۷،انيس
(۳) سنن الدارقطنى،باب من تجب عليه الجمعة:۳/۲،رقم الحديث:۱۰۷۶،انيس
(۴) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس
(۵) عن أبى حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه.(رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲،دار الفكربيروت،انيس)

اور بلدہ ایک امر عرفی ہے،خود امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جس میں تجدید شرعی نہ ہو رائے مبتلی بہ پر اس کا مدار ہوتا ہے اور جس طرح آب کثیر میں دہ در دہ انتظام کے لیے مقرر کیا گیا،اس طرح یہاں انتظام کے لیے حکمائے تمدن یعنی حکام وقت کی عرف واصطلاح کا اعتبار ہوگا اور وہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو قصبہ کہتے ہیں اور قصبہ بتصریح فقہاء حکم مصر میں ہے اور یہ تعریف ''هو ما لا يسمع،الخ'' حد تام نہیں،رسم ناقص ہے،اس وقت یہ حالت امصار کی تھی۔فقط

۱۰/شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۳۶) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۷۴-۶۷۵) ☆

☆ **تعریف قریہ کبیرہ:**

سوال: ایک بڑی ضروری بات قابل گزارش ہے،جس سے سخت تشویش رہتی ہے کہ احقر کا مکان ایک موضع میں ہے،جس کو عرفاً دیہات ہی کہتے ہیں،گو اس کی آبادی تین چار ہزار کی ہے،احقر کو معلوم تحقیقاً یہی تھا کہ جس کو قصبہ،یا شہر کہتے ہوں،اسی میں جمعہ فرض ہے،اسی بنا پر اس دفعہ مکان گیا تو جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوا،لوگ چوں کہ مانتے ہیں؛اس لیے زیادہ الجھتے نہیں،البتہ دریافت کیا،ان کو نرمی سے سمجھا دیا اور کہہ دیا کہ میں آپ لوگوں کو منع نہیں کرتا۔ہاں مجھے خود معذور سمجھیں؛مگر درمختار میں قریہ کبیرہ کو بھی داخل حکم قصبہ،یا شہر لکھا ہے،اب سخت تردد ہے کہ صغیرہ کبیرہ کا معیار کیا ہے؟نیز قریہ خواہ کبیرہ ہو،یا صغیرہ،اس کو نص مصر جامع کے ہوتے ہوئے کیسے حکم دیا گیا؟اب مشکل یہ ہوئی کہ احقر اپنے مکان پر کیا کرے،تمام ہندو مسلمان مل کر کم از کم تین ہزار سے زیادہ ہوں گے،نیز دوکان بھی پچیس تیس گھر موجود ہیں،ہر قسم کی ضروری چیزیں ملتی ہیں،البتہ کوئی تھانہ وغیرہ نہیں ہے،احقر کو سخت پریشانی ہے کہ خدا جانے کیا فرض ہے؟جمعہ چھوڑتے ہوئے پڑھتے ہوئے دونوں میں مشکل معلوم ہوتی ہے،براہ شفقت جناب ہی اس کے متعلق دو چار حرف لکھئے تو تشفی ہو جاتی؟

الجواب

میں قریہ کبیرہ کے معنی قصبہ کے سمجھتا ہوں،قرینہ اس کا یہ ہے کہ فقہاء قریہ کبیرہ کی صفت میں ''التي فيها أسواق'' بڑھاتے ہیں،گویا یہ تفسیر ہے اور یہ شان قصبہ کی ہوتی ہے اور عرف میں مصر قصبہ کو بھی کہتے ہیں۔

(تتمہ خامسہ:۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۷۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع کی آبادی تخمیناً چار ہزار (۴۰۰۰) کی ہے، ضرورت کی ساری چیزیں حتی کہ دوائیں بھی مل جاتی ہیں،ڈاکخانہ ہے،سرکاری مدرسہ ہے،پہلے تحصیلداری بھی تھی،اب اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی،ہفتہ میں دو مرتبہ بازار بھی لگتا ہے،بازار میں اس بارہ دکانیں ایسی ہیں،جو مستقل طور سے روزمرہ کھلی رہتی ہیں،جن میں سے مسلسل پانچ چھ ایک طرف ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف درمیان میں دس بارہ قدم کا فاصلہ ہے اور یہ دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں،سابق یعنی شاہی زمانہ میں یہاں قلعہ بھی تھا،جس کے آثار اب تک کثرت سے موجود ہیں،باوجود نمازیوں کی قلت کے ہر جمعہ میں کم وبیش سو آدمی ہو جاتے ہیں اور رمضان شریف میں اس سے زیادہ،قاضی وملا کے خاندان کے لوگ بھی ہیں،ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں کوئی بڑی جگہ تھی،لہٰذا یہاں جمعہ جائز ہے،یا نہیں؟

الجواب

اس کی موجودہ حالت مقتضی ہے جواز جمعہ کو،آبادی بھی چھوٹے قصبات کی سی ہے اور حوائج ضروریہ کی مستقل دوکانیں بھی ہیں،جو عرف میں بازار کہلاتا ہے اور تحقیق شرط مصر کا مدار عرف ہی پر ہے،علی الاصح اور اس سے قطع نظر کر کے بھی جب آثار وقرائن قویہ سے اس کی حالت ماضیہ مصر جیسی تھی تو بعض آثار مصریہ کا باقی رہنا بھی (جیسا کہ چار ہزار کی آبادی مصریۃ کا اثر اعظم ہے) صحت جمعہ کے لیے کافی ہے،**دليله ما في شرح السير الكبير** (۸۱/۳): **فلا تصير دار السلام إلا بانقطاع يد أهل الحرب عنها من كل وجه وهٰذا لأن ما كان ثابتا فإنه يبقى ببقاء بعض آثاره ولا يرتفع إلا باعتراض معنى هو مثله أو فوقه،اه.قلت:وشمل هذا الكلي الجزئي المتكلم فيه**،البتہ چوں کہ ایسے امور میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے؛اس لیے فاعلین وتارکین اس اختلاف کو حد معارضہ وتشویش تک نہ پہنچا دیں۔

۱۷/محرم ۱۳۵۳ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۷۳)

سوال: در بابۂ مصر وشہر فقہائے تعریفات فرمودہ اند ومرجع ہر یک کثرت مردمان معلوم نماید؛ لیکن تعداد کثرت معلوم نگر دد فلا جرم در اداء جمعہ اختلافات دفع نگر دد تعداد کثرت تعیین فرمودہ دہند یا دلائل فقہاء پس ہر جاء موافق فرمودہ کثرت یافتہ شود جمعہ قائم کردہ شود واگر نہ ترک کردہ شود اگر عرفا واصطلاحا ہر جارا کہ شہر گویند آں را اختیار کردہ شود در بعض وہ چناں کثرت مردمان است کہ ہم برابر قصبہ کبیرہ گردد؛ لیکن نامش دونہادہ اند الغرض تعیین کثرت از دلیل فقہاء لازم وضروری امر است ۔فقط (۱)

الجواب

عددے معین دریں باب از نظرم نگزشتہ وکتب ہم نزدم اندک است، لہذا قول فیصل نتوانم گفت آرے نظر پر عرف واصطلاح حکما وحکام تمدن ایں ملک کے آبادی چہار ہزار مردم را قصبہ می شمارند مع نظر بر قول فقہاء التی فیھا اسواق در تعریف قریہ کبیرہ کہ صالح اقامت جمعہ است معمول خود در فتویٰ چنیں کردہ ام کہ ہر جا کہ ہر دو شرط یافتہ شود اجازت اقامت جمعہ مید ہم وزیادہ ازیں تحقیق نیست ۔(۲)

۱۷؍شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ:۲۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۶۹-۶۷۰)

جمعہ کہاں جائز ہے، مصر کی تعریف کیا ہے اور سرہند میں جمعہ کا کیا حکم ہے:

سوال: مذہب حنفیہ کے نزدیک جمعہ کہاں پر جائز ہے؟ مصر کس کو کہتے ہیں اور کیا شرائط ہیں؟ مجدد الف ثانیؒ جہاں پر مدفون ہیں، وہاں پر جمعہ پڑھا ہے، آیا جمعہ وہاں پر جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مذہب حنفیہ کا جو تمام کتب فقہ حنفیہ میں مذکور یہ ہے کہ جمعہ کے ادا ہونے اور واجب ہونے کے لیے مصر شرط ہے اور مصر کہتے ہیں شہر کو اور قصبہ اور بڑا قریہ بھی حکم شہر میں ہے۔(کذا فی الشامی)

(۱) خلاصۂ سوال: مصر کی حضرات فقہاء نے کئی تعریفیں کی ہیں، جن کا حاصل ''کثرت آبادی'' معلوم ہوتا ہے؛ لیکن کثرت کی تعداد معلوم نہیں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اداء جمعہ میں جو اختلاف ہو رہا ہے، وہ ختم نہیں ہوتا۔ آپ دلائل فقہیہ سے کثرت کی تحدید وتعیین فرمادیں؛ تاکہ جہاں جناب کی تعیین کے مطابق کثرت ہو، وہاں جمعہ قائم کر دیا جاوے، ورنہ ترک کر دیا جاوے۔ اگر عرف واصطلاح کا لحاظ کیا جاوے کہ لوگ جسے شہر کہیں (وہی شہر ہو تو) بعض دیہاتوں میں لوگوں کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ وہ بڑے قصبہ کے برابر ہوتے ہیں؛ لیکن نام ان کا بھی دیہات ہی ہوتا ہے۔ الغرض کثرت کی تعیین دلیل فقہی سے کرنا لازم وضروری ہے۔ سعید

(۲) ترجمۂ جواب: اس سلسلہ میں معین عدد میری نظر سے نہیں گزرا ہے اور میرے پاس کتابیں بھی کم ہیں، لہذا قول فیصل نہیں کہہ سکتا۔ ہاں عرف اور اس ملک کے حکما وحکام تمدن کی اصطلاح کے پیش نظر کہ وہ چار ہزار کی آبادی کو قصبہ شمار کرتے ہیں اور فقہا کے ارشاد: ''التی فیھا اسواق'' جو اس قریہ کبیرہ کی تعریف میں کہا گیا ہے، جہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینے میں اپنا معمول یہ کر لیا ہے کہ جہاں جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں، وہاں اقامت جمعہ کی اجازت دے دیتا ہوں اور اس سے زیادہ تحقیق نہیں ہے۔ سعید

پس خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹے قریہ میں جمعہ نہیں ہوتا، وہاں ظہر باجماعت پڑھنی چاہیے اور بڑے قریہ اور قصبہ اور شہر، یا متعلقات شہر میں جمعہ پڑھنا چاہیے، وہاں احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے۔

جس جگہ مزار حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ کا ہے، وہ متعلق شہر سرہند کے ہے، لہذا وہاں جمعہ درست ہے۔ اگر گاؤں چھوٹا ہو اور دکانیں وغیرہ وہاں نہ ہوں تو جمعہ نہ پڑھنا چاہیے اور اگر دوکانیں بازار وہاں موجود ہیں تو جمعہ پڑھنا چاہیے۔

مکرر آں کہ اگر حضرت مجدد صاحبؒ نے بالتصریح وبالتخصیص موضع مذکور میں جمعہ جائز فرمایا ہے تو وہاں جمعہ پڑھنا چاہیے؛ کیوں کہ ضرور ہے کہ اس وقت وہان شرائط جمعہ پائی گئی ہوں گی۔ اب جمعہ چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷۹/۵)

مصر کی مفتی بہ تعریف کیا ہے اور ہندوستان میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: جمعہ اور عیدین کی نماز گاؤں میں جائز ہے، یا نہیں؟ اور مصر کی تعریف کون سی مفتیٰ بہ ہے اور مسلمان قاضی، یا والی کی شرط کے متعلق کیا فتوی ہے؟ اور بلادِ ہند میں جمعہ واجب ہے، یا نہیں؟ جس بستی میں آٹھ ہزار گھر ہوں، وہ گاؤں ہے، یا شہر؟ برتقدیر جواز جمعہ احتیاط الظہر کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

الجواب

گاؤں اگر بڑا ہو، مثل قصبہ کے اور اس میں بازار اور دوکانیں ہوں تو اس میں عندالحنفیہ جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے اور فرض ہے اور اگر چھوٹا ہے تو اس میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں ہے، کمافی ردالمحتار، باب الجمعة:

”وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق ... وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة“ الخ. (۱)

اور مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، جو کہ کتب فقہ میں مذکور ہے، اس کا فیصلہ بھی شامی کی عبارت مذکورہ سے ہو گیا ہے کہ قصبہ اور بڑا قریہ شرعاً مصر ہے اور چھوٹا گاؤں مصر نہیں ہے۔ زیادہ تفصیل مصر کے بارے میں کتب فقہ میں ملاحظہ فرماویں اور شامی میں یہ تصریح ہے کہ وہ بلاد جن میں کفار کا تسلط ہے، ان میں جمعہ صحیح ہے اور امام مسلمین کا نہ ہونا باعث عدم جواز جمعہ نہیں ہے؛ بلکہ مسلمان اپنا امام مقرر کرلیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں، کذافی الشامی. (۲)

اور جس بستی میں آٹھ ہزار گھر ہیں، یا آٹھ سات ہزار آدمی آباد ہیں، وہ قصبہ اور شہر ہے اور وہاں بلا شبہ نماز جمعہ ادا ہوتی ہے، احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) فلو الولاة کفاراً یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیاً مسلماً اهـ. (ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فی جواز استنابة الخطیب: ۱۴۴/۲، ظفیر)

مصر کی جو تعریف شرح وقایہ وغیرہ میں نقل کی گئی ہے: ''أنهم اذا اجتمعوا فی أکبر مساجد هم لم یسعهم'' یا ''مالا یسع فی أکبر مساجده أهل مصر'' یہ صحیح نہیں ہے، علامہ شامی نے صراحت کی ہے: ''قوله: (مالایسع،الخ) هٰذا یصدق علٰی کثیر من القریٰ''. (۱) یعنی اگر اس تعریف کو صحیح مان لیا جائے تو بہت سے چھوٹے دیہاتوں اور گاؤں پر بھی یہ تعریف صادق آئے گی، حالاں کہ ان میں جمعہ درست نہیں ہے، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تعریف کی بنیاد پر حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ وہاں ''مالایسع'' (جس میں سارا شہر نہ سما سکے) صادق نہیں آتا؛ اس لیے کہ ان مسجدوں میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ گنجائش ہے، چناں چہ شرح المنیہ میں ''حتٰی التعریف الذی اختاره جماعة من المتأخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما: وهو ما لو اجتمع أهله فی أکبر مساجده لایسعهم فإنه منقوض بهما إذ مسجد کل منهما یسع أهله وزیادة. (۲) اس لیے متاخرین کی تعریف صحیح نہیں کہی جاسکتی، تعریف ایسی جامع ہو جو ہر طرح درست رہے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۶۶/۵-۱۶۷)

جواب سوالات متعلق اختلافات در تعریف مصر:

سوال: ایک شرذمہ قلیلہ اور فرقۂ شاذۃ کا دعویٰ یہ ہے کہ عمل داری نصاریٰ میں جیسے بھارت کے ہندوستان و بنگالہ میں خواہ عرفی شہر ہو، یا قصبہ وقریہ کبیرہ، کہیں جمعہ کی نماز صحیح نہیں اور پڑھنے والے مخطی اور مغالطہ میں ہیں اور ان کا مستدل یہ ہے کہ صحت جمعہ کے لیے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف ظاہر روایۃ میں یہ ہے: ''المصر کل موضع له أمیر وقاض،آه''. جس سے صاف ہوجاتا ہے کہ امیر وقاضی کے بغیر مصر نہیں ہوسکتا، خواہ کتنی بڑی آبادی ہو، چناں چہ قاضی خاں کی عبارت ہمارے دعوے کو صاف طور سے واضح کردیتی ہے؛ کیوں کہ قاضی خان میں حصر کے ساتھ لکھا گیا: ''ولا یکون الموضع مصراً فی ظاهر الروایة إلا أن یکون فیه مفتٍ وقاض،آه''. (۴) اور نیز مالابدمنہ کی عبارت بھی اس مدعا پر صاف دلیل ہے، حیث قال: ''یکے مصر یعنی شہر یکے درآن امیر وقاضی باشد'' اور اکبر مساجد والا قول اولاً اس کا مصداق مکہ معظمہ بھی نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے کہ وہاں کے سب مصلی حرم شریف میں سما جاتے

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) غنیة المستملی، فصل فی الجمعة فی بحث شرط الأداء، ص: ۴۷۴، انیس

(۳) صاحب درمختار نے متاخرین کی تعریف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وظاهر المذهب أنه کل موضع له أمیر وقاض یقدر علٰی إقامة الحدود، کما حررناه فیما علقنا علٰی الملتقی. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲ - ۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس)

وفی الرد: (قوله: ظاهر المذهب، الخ) قال فی شرح المنیة: والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم الحدود، الخ. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۴) فتاویٰ قاضی خان، باب صلاة الجمعة: ۱۷۴/۱، انیس

ہیں، علاوہ بریں اکبر مساجد کی کوئی تعیین نہیں، سو بعض چھوٹی بستی باعتبار صغر مسجد مصر کہلا سکتی ہے اور بعض بڑی بستی بھی کبر مسجد کی تقدیر پر گاؤں کہلائے گی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ظاہر روایت کے مقابلے اس کی کوئی ہستی ہی نہیں؛ کیوں کہ بنا بر قواعد فقہیہ ظاہر روایت ہمیشہ مطلقا ماخوذ بہا ہوتی ہے اور اس کی مخالف جانب مرجوح اور عمل بالمرجوح خرق الاجماع ہے اور نیز اکبر مساجد کے قول پر جن فقیہوں نے فتویٰ دیا، ان میں سے ایک تن بھی اصحاب ترجیح اور ارباب تصحیح میں سے نہیں ہے، لہذا ساقط عن الاعتبار ہے اور صاحب ہدایہ جو اصحاب ترجیح میں انہوں نے بھی ظاہر روایت والے قول ہی کو ترجیح دی حیث قال: ''والأول إختيار الكرخي والثاني إختيار البلخي''؛ اس لیے کہ نقل اقوال میں ماہو المذکور اولا ان کا مختار ہوتا ہے، چناں چہ ان کے مصطلحات سے واقف کار بخوبی واقف ہیں اور مختار کرخی، مختار بلخی سے یوں بھی بدرجہا مختار ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ بینہما تفاوت فی المراتب بسیار ہے اور بلاد کفار میں جمعہ پڑھنے کی جو صورت معراج الدرایہ میں بیان کی گئی ہے، اس میں بھی شرط یہ ہے کہ مسلمان والی مسلم کا التماس کر کے والی مسلم مقرر کریں اور پھر بتراضی مسلمین ایک قاضی بھی معین ہو اور ہمارے دیار میں یہ بھی نہیں۔ بہر حال شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ میں جواز جمعہ کی بابت اذن حاکم ضروری ٹھہرا اور نیز جمعہ کی صحت کے لیے سلطان ایک جداگانہ مستقل شرط ہے، یہ بھی نہیں۔ علاوہ بریں اذن عام جو ایک تیسری شرط ہے، صحت جمعہ کے لیے اس کا وجود بھی متعلقات سلطان میں سے تھا، واذ لیس فلیس، لہذا بھارت میں جمعہ قائم کرنا شروط ثلاثہ کے خلاف پر کمر باندھنا ہے؛ بلکہ فقہ حنفیہ کی سخت مخالفت کرنی ہے۔ پس بحسب فقہ حنفیہ عمل داری نصاریٰ میں جو کہ اکثر کی رائے کے بموجب دار الحرب ہے، جواز جمعہ کی صحیح دلیلیں بیان فرما کر تعین کے شبہات کے کافی وشافی جواب عنایت فرماویں؟

الجواب

فی البناية شرح الهداية للعيني (۹۸۳/۱): (قوله: والمصر الجامع، الخ) قد اختلفوا فيه فعن أبي حنيفة هو ما يجتمع فيه مرافق أهله دنيا ودينا وعن أبي يوسف كل موضع فيه أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود فهو مصر تجب علىٰ أهله الجمعة وهٰكذا روى الحسن عن أبي حنيفة في كتاب صلاته، وفيه أيضاً: قال سفيان الثوري: المصر الجامع ما يعده الناس مصراً عند ذكر الأمصار المطلقة كبخارى وسمرقند، وقال الكرخي: المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام وهو اختيار الزمخشري وعن أبي عبد اللّٰه البلخي أنه قال: أحسن ما سمعت إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعوا فيه فهو مصر جامع وعن أبي حنيفة هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق ويرجع الناس إليه في ما وقعت لهم من الحوادث، آه. (۱)

وفي الهداية في علة اشتراط السلطان: لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقدم

(۱) البناية في شرح الهداية، باب الجمعة: ۵۱/۳-۵۲، دار الفكر بيروت، انيس

والتقديم وقد تقع فى غيره فلابد منه تتميما لأمرها.(۱)

وفى ردالمحتار عن التحفة بعد نقل تعريف أبى حنيفة و هٰذا هو الأصح اهـ الا أن صاحب الهدايه ترک ذکرالسکک والرساتيق؛لأن الغالب أن الأمير والقاضى الذى شأنه القدرة علىٰ تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لايكون إلا فى بلد كذلك،آه.(۲)

وفى الدرالمختار:(ونصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر أما مع عدمهم فيجوز) للضرورة ... السابع (الإذن العام)من الامام.

وفى ردالمحتار:(قوله:من الامام) قيد به بالنظر إلى المثال الآتى وإلا فالمراد الإذن من مقيمها،لما فى البرجندى من أنه لو أغلق جماعة باب الجامع وصلوا فيه الجمعة لاتجوز اسمٰعيل،آه.(۳)

مجموعۂ روایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے :

(اول) مصر کی تعریف ائمہ سے مختلف عبارات میں منقول ہے اور اصل کلام ائمہ میں عدم تعارض ہے؛إلا أن يتعذر ،پس اس کی صورت یہی ہے کہ ان سب تعریفات کو معنوں واحد کے عنوانات کہا جاوے،جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جو عرفاً شہر کہا جاوے، وہ شہر ہے اور وجود قضاۃ وغیرہ سب امارات ہیں،بس اس بناپر ہندوستان میں صدہا امصار ہیں اور قصبات بھی امصار میں داخل ہیں؛ کیوں کہ عوام اپنے محاورات میں ان کو بھی شہر کہتے ہیں،محاورہ میں فرق کرنا یہ عادت خواص کی ہے۔

(دوم) سلطان کا اشتراط معلل ہے قطع تنازع کے ساتھ،پس اگر عامۂ مسلمین مل کر کسی پر اتفاق کرلیں،گو وہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے،البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کرلینا کافی نہیں۔

(سوم) اذن عام میں امام شرط نہیں،پس ہندوستان میں بہت سے مواقع میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں؛اس لیے بلا شبہ جمعہ صحیح ہے،یہ تو رفع ہے سلب کلی کا جو کہتے ہیں کہ جمعہ کہیں جائز نہیں،باقی رفع سلب کلی سے تحقیق ایجاب کلی کا لازم نہیں کہ ہر جگہ جمعہ کو صحیح کہیں؛ بلکہ صرف ایجاب جزئی لازم ہے کہ جہاں یہ شرائط مع دیگر شرائط کے پائے جاویں گے،وہاں جمعہ صحیح ہے والا فلا (ورنہ نہیں)۔

۱۱؍رجب المرجب ۱۳۵۲ھ (النور،ص:۸،جمادی الاخریٰ ۵۳ھ) (امدادالفتاویٰ جدید:۱؍۶۹۶-۶۹۹)

تعریف مصر میں رفع اختلاف کے متعلق ایک سوال کا جواب:

سوال: جناب کی اکثر تصانیف سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر کی تعریف میں جو اقوال منقول ہیں،وہ تحدید حقیقی کے

(۱) الهداية،باب صلاة الجمعة: ۸۲/۱،دارإحياء التراث العربى بيروت،انيس

(۲) رد المحتار،باب الجمعة: ۶/۳،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۳) الدر المختار مع رد المحتار،باب الجمعة: ۱۴/۳-۲۵،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

لیے نہیں؛ بلکہ رسم ناقص ہیں اوراحسن القریٰ،ص:۶۳ و ۲۰۷ میں اس کے خلاف مصرح ہے، نیز اگر درحقیقت یہ رسوم ہوئیں تو فقہا کے بعض تعریفوں کو مزیف اور بعض کو صحیح ومرجح قرار دینے کا کیا مطلب ہوگا؟ مثلا علامہ حلبی کبیری، ص:۵۰۷ پر ''مالا یسع أکبر مساجده،الخ'' کو غیر صحیح فرماتے ہیں،لعدم صدقہ علی الحرمین،اگر رسم مراد ہوتی تو اس تعلیل کی کیا توجیح؟ طحطاوی،ص:۲۳۹ میں اس تعریف کو غیر صحیح کہا ہے، درمختار وشرح وقایہ میں اسی تعریف کو مفتی بہ ٹھہرایا ہے،لظهور التوانی اورشامی میں اس کی تائید میں چند اقوال نقل کئے ہیں،ہدایہ میں امام صاحب سے مصر کی تعریف ''فیه سکک وأسواق ووالٍ،الخ'' منقول ہے اوریہی ظاہر المذہب ہے،کبیری،ص:۵۰۷ میں اسی کو ترجیح ہے اورظاہرالروایۃ کہا ہے اورشامی،ص:۵۳ میں بھی ظاہرالروایۃ کو ترجیح دی ہے۔نیز اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ تعریف ''مالا یسع،الخ'' اکثر قری پر بھی صادق آجاتی ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں تعریفوں کا مآل ایک نہیں، ورنہ اس تعریف کے صدق کی تخصیص چہ معنی؟

(۲) والی جس قریہ میں چلا جائے، وہ مصر ہوجاتا ہے،کما ہو مصرح فی الفقہ، یہ قریہ کس تعریف کے بموجب مصر کہلائے گی؟

(۳) اگر سب تعریفیں عرفی ہیں تو موجودہ عرف میں مصر کی جامع مانع تعریف کیا ہوگی؟ بعض اطراف میں تو چھوٹی چھوٹی بستیوں کو بھی شہر کہتے ہیں،ان کا عرف معتبر ہوگا، یا نہیں؟ ایسی تحدید فرمائیں کہ محل تجمیع وتقید عند الاختلاف صاحب مختار ہوجائے؟

الجواب

مولانا دام مجدہم کا مطلب اس سے یہ ہے کہ جمعہ کی حد حقیقی موافق اصطلاح میزانیین مراد فقہا نہیں؛ بلکہ وہ جو کچھ بیان فرمارہے ہیں، رسوم ہیں۔جن کا مبنی یہ ہے کہ وہ اس موضع میں جمعہ کی اجازت دینا چاہتے ہیں، جو کہ اور مدینہ کی اس حالت کے موافق ہو،جس حالت پر یہ دونوں بلدان مکرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اورظاہر ہے کہ اس معیار کو حد حقیقی کے ساتھ بیان کرنا دشوار ہے؛ کیوں کہ اختلاف امصار سے اس معیار کا مصداق مختلف ہوتا رہتا ہے۔دوسرے یہ مفہوم بھی فی نفسہ کلی نہیں،جس کو حد کلی سے بیان کردیا جائے؛ بلکہ جزئی ہے،اورمفہوم جزئی کو جب کلی کیا جائے گا تو لامحالہ وہ رسم ہی ہوگی؛ لیکن رسم سے رسم فقہی مراد ہے، نہ کہ رسم عرفی محض۔پس اب مولانا کے ارشاد اور احسن القری کی عبارت میں کوئی تخالف نہیں۔

قال الحلبی فی شرح المنية: والفصل فی ذلک أن مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه صلى الله عليه وسلم إلى اليوم لكل موضع كان مثل أحد هما فهو مصر،فكل تفسير لا يصدق علٰى أحدهما فهو غير معتبر،آه.(ص:۵۱۱)(۱)

(۱) الحلبی الكبير،فصل فی الجمعة،ص:٤٧٣،انيس

اور فقہاء کا بعض رسوم کو مزیف کرنا اسی پر مبنی ہے کہ بعض اس معیار میں جامع اور مانع ہیں اور بعض نہیں۔

یہ قریہ بموجب تعریف منقول از امام ابو حنیفہ مصر ہو جائے گا؛(۱) کیوں کہ جب وہاں والی ہوگا تو اس کا عملہ ومحکمہ وعدالت وفوج بھی ساتھ ہوگا، جس سے اسواق ورساتیق کا تحقیق خود بخود ہو جائے گا اور ان کا تحقق نہ بھی ہوگا تو یقیناً اس وقت امصار کبیرہ قریبہ اس قریہ کے تابع ہو جائیں گے، جہاں والی موجود ہے کہ اوامر ونواہی میں اہل امصار اس قریہ کی طرف رجوع کریں گے اور جب چند قریٰ کی تبعیت سے مصر مصر ہو جاتا ہے تو امصار کی تبعیت سے قریہ مصر کیوں نہ ہوگا، اس صورت میں اس گاؤں کو اقرب مصر الیہا کا جز و اعظم اور اس مصر کو اس کے تابع ماننے کی وجہ سے مصر کہا جائے گا اور نزول والی فی القریہ کے وقت اقرب مصر کا اس قریہ کا تابع ہو جانا مشاہدہ ہے، بشرطیکہ والی من حیث الولایہ نزول کرلے کہ یہی مراد فقہا ہے، خفیہ گشت وجاسوسی کے طور پر نزول کرے۔

یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ فقہا کا یہ مطلب نہیں کہ مصریت وقرویت کا مدار محض عرف عام وراوئے اہل عرف پر ہے؛ بلکہ اس کے لیے ان کے نزدیک معیار شرعی ضروری ہے، جس کو وہ مختلف عبارات سے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اختلاف زمان سے اس معیار کا مصداق مختلف ہو جاتا ہے۔

پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اصل معیار مصر تو مکہ ومدینہ کی حالت موجودہ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس معیار کی احسن تفسیر وہ ہے، جو امام صاحب سے خود منقول ہے اور آج کل اس تعریف کا مصداق ہندوستان میں ہمارے نزدیک ہر وہ موضع ہے، جس کی آبادی قریب چار ہزار کے ہو، یا اس سے زیادہ اور وہاں ایسا بازار موجود ہو، جس میں تیس چالیس دوکانیں متصل یک جا ہوں (کہ بازار اسی کا نام ہے، متفرق دکانوں کو جن میں فصل کثیر ہو، بازار نہیں کہا جاتا) اور اس بازار میں ضروریات روزمرہ دستیاب ہوتی ہوں کہ پارچہ کی دکان بھی ہو، جوتہ کی بھی، عطار کی بھی، دودھ، گھی، غلہ وغیرہ کی بھی اور وہاں ڈاکٹر، یا حکیم بھی ہو، معمار ومستری بھی ہو اور وہاں ڈاک خانہ بھی ہو اور پولیس کا تھانہ، یا چوکی بھی ہو اور اس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں، جس میں یہ شرائط موجود ہوں، وہاں جمعہ صحیح ہوگا، ورنہ نہیں.

قلت: أقمت البولیس مقام الوالی لرجوع الناس إلیه فی الحوادث. واللہ اعلم

۸؍رمضان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲؍۷۷۳)

تعریف مصر:

سوال: آج کل کے زمانہ میں کس قسم کی جگہ شرعاً شہر کہلائے گی؟

---

(۱) **عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ورساتیق وفیها والٍ یقدر علی الانصاف،الخ.** (حلبی کبیری، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجمعة، ص: ٤٧٤، انیس

الجواب

جہاں تین چار ہزار کی آبادی ہواور بازار متصل ہو، جس میں ضروریات روزمرہ شب دستیاب ہوتی ہوں اوراس آبادی کے متعلق اس کے توابع میں کچھ دیہات بھی ہوں۔

۱۰/شوال ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۳۸۴/۲)

گاؤں اور قصبہ کی تعریف:

سوال: حنفیہ کے نزدیک ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یانہیں؟ جس کی تعریف حسب ذیل ہے: آبادی ۱۹۴۸ ہے، جس میں مسلمان مختلف قومیں آباد ہیں: شیخ، مغل، پٹھان، زمیندار راجپوت نومسلم، لوہار، بڑھئی، نائی، دھوبی، قصائی، تیلی، منہیار، درزی، تیرگر، ڈوم، خرادی، نداف، جولاہا، سقہ، عطار، پنساری، بزاز وغیرہ وغیرہ، وسط گاؤں میں مسلسل دوطرفہ تقریباً چالیس دکانیں، ایک ڈاکخانہ ہے، ایک ہی مسجد ہے مع حوض نہایت عالیشان ہے، پہلے سے جمعہ ہوتا آیا ہے، اب اختلاف ہوا ہے۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں اورشہروقصبات میں صحیح ہے، قصبہ کی تعریف ہمارے عرف میں یہ ہے کہ جہاں آبادی چار ہزار کے قریب، یااس سے زیادہ ہواور ایسا بازار موجود ہو، جس میں دکانیں چالیس پچاس متصل ہوں اور بازارروزانہ لگتا ہواوراس بازار میں ضروریات روزمرہ کی ملتی ہوں، مثلا جوتہ کی دوکان بھی ہواور کپڑے کی بھی، عطار کی بھی ہو، بزاز کی بھی، غلہ کی بھی اور دودھ گھی کی بھی اور وہاں ڈاکٹر، یاحکیم بھی ہوں، معمارومستری بھی ہوں وغیرہ وغیرہ اوروہاں ڈاکخانہ بھی ہواور پولیس کا تھانہ، یاچوکی بھی ہواوراس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں۔ پس جس بستی میں یہ شرط موجود ہوں گے، وہاں جمعہ صحیح ہوگا، ورنہ نہ ہوگا۔

قال فی رد المحتار: عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علٰی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهٰذا هو الأصح، آه.(۱)

قلت: أقمت البولیس وقیامه مقام الوالی لرجوع الناس الیه فی الحوادث والرساتیق المحلات والقریٰ التابعة لها.

وقال فی غنیة المستملی: والفصل فی ذلک أن مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه علیه الصلاة والسلام إلی الیوم فکل موضع کان مثل أحد هما فهو مصر فکل تفسیر لایصدق علٰی أحدهما فهو غیر معتبر، ثم صح الروایة التی ذکرناها عن الإمام، وقال قاضی خان: والاعتماد علٰی

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

ماروی عن أبی حنیفة کل موضع بلغت أبنیته أبنیة منٰی وفیه مفتی وقاض فهو مصر جامع، وعن محمد أن کل موضع مصره الامام فهو مصر حتٰی أنه لو بعث إلٰی قریة نائبا لإقامة الحدود والقیاس تصیر مصراً فإذا عزله تلحق بالقری ووجه ذلک ماصح أنه کان لعثمان عبداً أسوداً أمیراً علی الربذة یصلی خلفه أبو وعشرة من الصحابة الجمعة وغیرها،ذکره ابن حزم فی المحلی،آه.(ص:۵۱۱-۵۱۲)

الامام اذا منع أهل المصر أن یجمعوا لم یجمعوا کما أن له یمصر موضعاً کان له أن ینهاهم، قال الفقیه أبو جعفر:هٰذا إذا نها هم مجتهداً لسبب من الأسباب وأراد أن یخرج ذلک الموضع من أن یکون مصراً أما إذا نهاهم متعنتا وإضراراً بهم فلهم أن یجمعوا علٰی رجل یصلی بهم الجمعة وأو أن إماما مصر مصراً ثم نفر الناس عنه لخوف عدو وما أشبه ذلک تم عادوا إلیه فإنهم لایجتمعون إلا باذن مستأنف من الإمام.(۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مصر مصر ہونے کے بعد جب تک کہ امام اس کو مصریت سے نہ نکالے،مصر باقی رہتا ہے؛مگر یہ کہ اس کے کل باشندے وہاں سے بھاگ جائیں تو ازسرنو اذن امام کی ضرورت ہے اور جہاں امام نہ ہو، وہاں عامۃ الناس بجائے امام کے ہیں، پس جو بستی ایک دفعہ قصبہ ہو چکی اور وہاں جمعہ قائم ہو چکا تو جب تک وہاں پر آثار قصبہ کے مثلا بازار اور عمارات کی ہیئت باقی ہوگی،وہ قصبہ رہے گا، جب تک کہ عرف عام اس کو قصبہ ہونے سے نہ نکالے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قصبہ ہونے کے لیے ابنیہ وعمارات کی خاص ہیئت کو بھی دخل ہے۔واللہ اعلم

۲۶/ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام:۲/۳۷۱)

مصر کی تعریف:

سوال: قریہ کبیرہ کی کیا تحدید ہے کہ وہاں صلوٰۃ جمعہ واجب ہے؟ قریہ صغیرہ وکبیرہ نہایت اشتباہ ہے،تشفی بخشئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مصر کی علامت ہر زمانہ میں مختلف ہوئی ہے، آج کل علامات یہ ہیں کہ تین چار ہزار کی آبادی ہو، بازار ہو، جس میں سب ضروریات ملتی ہوں اور وہ بازار مستقل ہو، ہفتہ وار لگنا کافی نہیں اور ڈاک خانہ وغیرہ ہو۔

۸/ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام:۲/۳۷۳)

جمعہ کے بارے میں چند سوالات کے جوابات:

سوال(۱) مصر ازروئے شریعت کسے کہتے ہیں، جس میں جمعہ کا جواز اور صحت ہو؟ اور دیہات میں جمعہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

(۲) ”أن القریة الکبیرة فی حکم المصر“ قریہ کبیرہ کسے کہتے ہیں، جو مصر کا حکم رکھتا ہو؟

(۱) خلاصة الفتاویٰ،الفصل الثالث و العشرون فی صلاة الجمعة: ۱/۱۰۸،اشرفی بک دپو دیوبند،انیس

(۳) " **لاجمعة إلا فی مصر جامع**" کا کیا مطلب ہے؟اور"**أن القرية الكبيرة**" کے مقابلے میں اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

(۴) " **مالایسع الناس أکبر مساجده**" کا کیا مطلب ہے؟ مساجد صیغہ منتہی الجموع کا ہے،اگرایک ہی مسجد ہوتو اس پر مصداق ہوگا، یانہیں؟

(المستفتی:۹۳۹،سلیمان کریم (پالن پور)،۲۸/صفر۱۳۵۵ھ،مطابق ۲۰/مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

حنفیہ کے اصول کے بموجب دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں،(۱)مصر ہونا جواز جمعہ کے لیےشرط ہے؛(۲) لیکن مصر کی تعریفیں مختلف اور متعدد منقول ہیں،اس مسئلے میں زیادہ سختی کا موقع نہیں ہےاوراس زمانے کےمصالح عامہ مہمہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے تو بہتر ہے،بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو،اس کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہوتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۴۲/۳)

مصر کی تعریف میں امام ابوحنیفہؒ کا قول متروک اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ:

سوال: ایک گاؤں جس کی کل آبادی دوسوپچھتر گھر اور بارہ سواسی آدمیوں پر مشتمل ہے، نیز چند دکانیں بھی موجود ہیں،جن سے معمولی نمک مرچ وغیرہ کی ضرورتوں کا انصرام ہوجاتا ہےوبس،کیااس گاؤں میں بخوائے اصول مقررہ مذہب حنفی جمعہ پڑھنا جائز ہے،یانہیں؟اورکیااتنی آبادی پرتفسیر مصر حسب اصول فقہاءحنفیہ(کثرہم اللہ تعالیٰ)صادق آتی ہے، یانہیں؟اوراتنی آبادی میں اگر جمعہ کی نماز ادا کی جائے تو ظہر ساقط ہوجائے گی،یاذمہ باقی رہے گی؟مصر یاقریۂ کبیرہ کی وہ تعریف مع مذہب حنفی کے اصول مقررہ کے موافق جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک مسلم ہوتحریر فرمائی جائے؟صورت مسئولہ بالا میں محض امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب درکار ہے۔امت کے کسی دوسرے محقق کی تحقیق کی بنا پر رخصت اور گنجائش مقصود نہیں۔علم فقہ کے مشہور معتبر متن قدوری میں ہے:"**لاتصح الجمعة إلا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولاتجوز فی القریٰ**". (۳)یعنی جمعہ کی نماز مصر جامع میں،یامصلی مصر میں درست ہےاورگاؤں میں درست نہیں ہوتی ،کیامذہب حنفیہ کےاصول مقررہ کے موافق صحیح ہےاورہم مقلدین مذہب حنفیہ کواس پرعمل کرنالازم ہے،یانہیں؟

(المستفتی:۲۷۰۷،شبیراحمد صاحب نوح (گوڑ گانوں)۲۰/صفر۱۳۶۱ھ،۹/مارچ۱۹۴۲ء)

---

(۱) فی ما ذکرنا اشارة الیٰ أنه لاتجوزفی الصغيرة التی ليس فيها قاض منبروخطيب،کمافی المضمرات.(رد الحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،دار الفکربيروت،انيس)

(۲) ويشترط لصحتها سبعة اشياء :الاول المصر،الخ.(الدر المختار، باب الجمعة:۱۳۷/۲،ط:سعيد)

(۳) مختصر القدوری،کتاب الصلاة،باب الجمعة،ص:۱۲۰،قديمی، انيس

الجواب

یہ صحیح ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی؛ لیکن مصر کی تعریف میں جو تدریجی تنزل فقہاومشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ پہلے ظاہر روایت کی بنا پر مصر کی تعریف یہ تھی کہ مصر وہ مقام ہے کہ جہاں امیر اسلام ہو اور حدود شرعیہ کی تنفیذ اور احکام اسلام کا اجرا ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر اس تعریف کا اعتبار کیا جائے تو آج دہلی، لاہور اور ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی جمعہ جائز نہیں؛ کیوں کہ اس تعریف کے بموجب کوئی شہر مصر نہیں؛ اس لیے فقہاء کرام نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری تعریف ''**ما لایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها**'' (۱) کو معتبر اور معمول اور مفتی بہ بنالیا، اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے، ''**وهذا یصدق علیٰ کثیر من القریٰ**''. (۲) پس اگر مسئول عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلفین بالجمعہ نہ سما سکیں تو اس میں مذہب حنفی مفتی بہ کے موافق نماز جمعہ جائز ہے، (۳) اور امام ابوحنیفہ کے قول اور ان سے جو تعریف مصر مروی ہے، اس کے موافق تو دہلی ولاہور میں بھی جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۱/۳-۲۵۲)

مصر کی تعریف ''مالا یسع أکبر مساجده'' بھی معتبر ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ: ۹/جون ۱۹۳۶ء)

سوال: مصر کی مختلف تعریفوں میں سے کیا یہ بھی صحیح ہے کہ جس جگہ کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلّف نہ سما سکیں تو وہ شہر ہے؟

الجواب

ہاں یہ تعریف بھی ''**مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها**'' (۴) بہت سے فقہائے عظام کے نزدیک معتبر اور مفتیٰ بہ ہے اس لئے اس کے موافق عمل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۸/۳)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، انیس

(۳) المصر هو مالا یسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها) وعلیه الفتویٰ أکثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه کل موضع له أمیر و قاض یقدر علیٰ اقامة الحدود. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، ط: سعید)

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۵) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعید

قریۂ کبیرہ نماز جمعہ کا جوازاور مصالح عامۂ اسلامیہ کا خیال:

سوال: یہاں جمعہ کی نماز کی وجہ سے دو پارٹیاں قائم ہوچکی ہیں اور آپس میں جنگ وجدال رہتا ہے اور ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو جماعتیں ہوتی ہیں۔تارکین جمعہ کے استدلالات حسب ذیل ہیں:

اول یہ کہ قریہ کبیرہ حقیقت میں گاؤں ہے اوران کے زیادہ تر استدلالات وہ ہیں،جن کو العدل گوجرانولہ سے مولوی میرک شاہ کشمیری سے نقل کا ہے۔اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ قریہ کبیرہ سے ہمیشہ قصبات ہی مراد ہوتے ہیں اور مصر سے ضلع مراد ہوتا ہے،قریہ کبیرہ سے فقہا کی مراد وہ قصبہ ہوتا ہے،جس پر مصر کی تعریف صادق آتی ہو اور جو درحقیقت ایک چھوٹا سا شہر ہی ہوتا ہے۔دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بڑے گاؤں میں جمعہ کی تمام شرائط بھی بالفرض موجود ہوں؛ تاہم جب تک وہ گاؤں ہے،اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا،انتہیٰ وغیر ذلک طویل۔

فریق ثانی اپنے استدلال میں فتاویٰ اکابر امت پیش کرتے ہیں اوران کا یہ بھی استدلال ہے کہ قریہ کبیرہ ظاہر ہے کہ مافوق القریۃ الصغیرۃ ومادون المصر ہو اور اگر مادون المصر نہ ہو تو وہ عین مصر ہے،فہوالمراد،لہٰذا قصبات کو القریۃ الکبیرۃ میں داخل کرنا اور مصر سے خارج کرنا صریح غلطی ہے؛اس لیے کہ عرف عام میں سب ڈویژن کو قصبہ کہا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سب ڈویژن کو عرف عام میں شہر اور مصر کہا جاتا ہے،لہٰذا تمہارا استدلال عجیب ہے کہ کہیں تو عرف عام کو لیتے ہو اور کہیں من گھڑت تقریر کرتے ہو۔

علاوہ ازیں مجوزین کے مدنظر اصلاح بین المسلمین ہے؛ تاکہ جہاں تک ہوسکے،آپس میں تشتت وافتراق تضلیل وتفسیق نہ ہو۔

"والجماعة الثانية فی وقت واحد وفی المسجد الواحد علیٰ سبیل الدوام و الاستمرار وغیر ذلک کثیراً من المفسدات".

اور العدل کا اتنی بڑی جماعت کو جو تمام ہندوستان میں بلا استثنا ہوتی ہے،اس کو تارک صلوٰۃ بنا کر **عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر"** (الحدیث)(۱) کا مستحق قرار دینا یہ سب ظاہر ہے کہ أشد ہیں **"الجمعة فی القرية الكبيرة"** سے **"الفتنة أشد من القتل".**

(المستفتی:۹۳۴،مولوی محمد اسماعیل (کٹک) ۲۷/صفر ۱۳۵۵ھ،م ۱۹/مئی ۱۹۳۶ء)

---

(۱) الترغیب والترهیب، کتاب الصلاة،الترغیب فی الأذان وماجاء فی فضله: ۱/۱۵۲،انیس
(۲)
(۳)

الجواب

قریہ کبیرہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے، مثلاً: ''مالایسع أکبر مساجدہ أهله المکلفین بها''. اس میں اقامت جمعہ جائز ہے اوراگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے، جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کے لیے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کرلینا جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۰-۲۴۱)

مصر کی صحیح اور معتبر تعریف:

سوال: جمعہ کے لیے جو مصر کی شرط ہے فقہانے تو مصر کی مختلف تعریفیں کی ہیں، مصر کی معتبر اور محقق تعریف تحریر فرمائیں؟ مصر کی تعریف مقرر ہونے کے بعد یہ چیز بھی قابل دریافت ہے کہ مصر کے رہنے والے سب کے سب، یا اکثر لوگ مسلمان ہوں، یا مثلاً: ایک شہر ایسا ہے کہ سب کے سب رہنے والے کفار ہیں، مسلمان کے دس پندرہ گھر ہیں، کیا یہ لوگ بھی وہاں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

(المستفتی:۷۵۰، مولوی سراج الدین (ضلع ملتان) ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ، م۱۲/فروری ۱۹۳۶ء)

الجواب

فی حد ذاتہ تحقق مصریت کے لیے تمام آبادی کا مسلمان ہونا، یا اکثر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، البتہ ظاہر روایت کی تعریف کی بنا پر وہاں حکومت اسلامیہ قائم ہونی شرط ہے۔ شرطیت مصر میں فقہانے بہت تنزل کرلیا ہے، حتی کہ ''مالایسع أکبر مساجدہ أهله المکلفین بها'' تک اتر آئے اوراس تعریف پر خالص کافر حکومت کے شہر، مثلا لندن وغیرہ بھی مصر میں داخل ہوجاتے ہیں، نیز بہت سے دیہات بھی مصر میں شامل ہوجاتے ہیں۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۳۹-۲۴۰)

جواب سوال متعلق اختلافات در تعریف مصر:

سوال: ایک چھوٹا گاؤں ہے، جس کو ہر شخص گاؤں کہتا ہے کوئی بھی شہر، یا قصبہ کہتا ہے، اس میں تین مسجدیں ہیں اوراگر وہاں کے رہنے والے وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سماسکیں تو وہاں جمعہ قائم کرنا بحسب روایت ذیل کے صحیح ہوگا، یا نہیں؟ درمختار میں ہے: ''المصر وهو مالایسع أکبر مساجد أهله، الخ '' یاعلاوہ اس تعریف کے کوئی اور قید بھی ہے تو بیان فرمادیں؟

(۱-۲) المصر وهو ما لا یسع أکبر مساجدہ أهله المکلفین بها) وعلیه فتویٰ أکثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه کل موضع له أمیر وقاض یقدر علیٰ اقامة الحدود.(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة:۲/۱۳۷-۱۳۸، دار الفکر بیروت، سعید)

(۳)

تتمہ سوال قول البدیع،ص:۱۳۰،س:۶ میں ہے کہ یہ اختلاف عنوان ہے، نہ مضمون اور علامہ شامی نے تحت قول درمختار یہ لکھا ہے: ’’قوله مالایسع،الخ‘‘هذا يصدق علىٰ كثيرمن قرىٰ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعریفیں ان اکثر قریٰ پر صادق نہیں آتیں تو اگر مابین اس تعریف اور دوسری تعریفوں کے تباین نہیں ہے تو عموم وخصوص ضروری ہے،اس سے ثابت ہوا کہ یہ اختلاف معنوں میں بھی ہے، نہ فقط عنوان اس کا تصفیہ فرمادیں؟

الجواب

ان تعریفات میں احتمال دونوں ہیں:اختلاف عنوان واختلاف معنوں تو شامی، یا طحطاوی کا اختلاف معنوں سمجھنا دوسروں پر حجت نہیں؛ کیوں کہ یہ ایک توجیہ ہے فتویٰ اور حکم نہیں ہے، وہ تطبیق کے قائل نہ ہوں گے،ہم تطبیق کے قائل ہیں۔رہا یہ کہ عدم قول بالتطبیق کے بعد ان کا فتویٰ کیا ہے؟ یہ الگ بات ہے اور بعد التی اوالتی۔خلاصہ یہ ہے کہ احقر کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ مصر کی تعریف فقہائے حنفیہ میں مختلف نہیں ہے،سو اگر کسی مصنف ومحشی کے نزدیک مختلف فیہ ہوتو ہم کو کیا مضر ہوا،ہم اس مختلف فیہ میں بدلیل ایک کو ترجیح دیں گے۔

۱۳/ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ:۲۷) (امدادالفتاویٰ جدید:۶۹۱/۱-۶۹۲)

جمعہ کہاں جائز ہے:

سوال: دس پانچ آدمی مل کر دس بارہ کوس کے فاصلہ پر کسی کام کو گئے اور اس عرصہ میں جمعہ کا دن آ گیا،وہاں پر ان کو جمعہ پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز جمعہ کے وجوب وادا کے لیے مصر، یا فناء مصر شرط ہے؛ یعنی شہر، یا قصبہ، یا بڑے قریہ میں جمعہ ہوسکتا ہے، چھوٹے گاؤں اور جنگل میں جہاں کچھ آبادی نہ ہو، جمعہ نہیں ہوتا،البتہ وہ جنگل قریب شہر، یا قصبہ سے ہو کہ وہ فناء مصر میں داخل ہو،اس میں جمعہ ہوسکتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۱/۵)

(۱) ويشترط لصحتها...(المصر)...(أوفناء ه).(الدرالمختار)

(تقع(الجمعة)فرضاًفي القصبات و القرىٰ الكبيرةالتي فيها أسواق... وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب.(ردالمحتار، باب الجمعة:۱۳۷/۱-۱۳۸،دارالفكر بيروت،انيس)

☆ طریق احتیاط بوقت وقوع فتنہ از ترک جمعہ از قریہ:

سوال: یہاں مبتدعین کا از حد زور ہے، چناں چہ شدت بدعت کی یہ حالت ہے کہ ہر کام میں ایک نئی ہی صورت پیدا کر رکھی ہے، میرے رفع سبابہ سے بھی بہت کچھ ناک بھول چڑھاتے ہیں، چوں کہ یہ ایک گاؤں ہے؛اس لیے یہاں جمعہ جائز نہیں اور یہ لوگ پڑھتے ہیں، میں نہیں پڑھتا؛اس لیے انہوں نے مجھے غیر مقلد قرار دیا ہے، ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ منافرت اور مخالفت نازک صورت اختیار کرلے، دعا فرمادیں کہ خداوند کریم اس فرقہ کے مکائد سے مامون رکھیں، نیز مجھے جمعہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ==

حکم خواندن جمعہ حنفیہ را در قریٰ باختیار مذہب شافعیہ:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ در بعض دیار بہ ہر قریہ نماز جمعہ می گزارند خواہ درو شمار مردماں ومکانان کثیر باشد یا نہ؟ وگروہے از علمائے احناف می گویند کہ گرچہ بمذہب ما در قریٰ جمعہ روا نیست؛ مگر ما یاں دریں مسئلہ بر مسلک ائمہ دیگراں عمل می نمائیم قول اوشاں چہ چگونہ است واگر کسے از احناف در قریٰ صلوٰۃ جمعہ ادا کند پس از ذمہ اش نماز ظہر او ساقط خواہد شد یا نے؟ جوابے صافی مدلل تحریر فرمایند۔(۱)

الجواب

عدم صحت جمعہ در قریٰ عند الاحناف ظاہر است وآنانکہ بر برمذہب شافعیہ می گزارند وظاہر است کہ ایشاں سائر فرائض صلوٰۃ کہ نزد شافعیہ ثابت اند بعمل نمی آرند مثل قرأۃ خلف الامام وہمچنیں رعایت عدد مصلیین کہ عند الشافعیہ معتبر ست بجا نمی آرند، پس جمعہ ایناں نہ عند الحنفیہ درست شد لعدم قول الحنفیہ بالجمعۃ فی القریٰ ونہ عند الشافعیہ درست باشد لعدم شرائط صحۃ الصلوٰۃ وایں تلفیق می گویند کہ فقہاء آں را باطل گفتہ، فافہم۔(۲)

۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ:۱۶)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۸۸-۶۸۹)

تحقیق عدم صحت قیاس جواز جمعہ در قریٰ باجتماع مسلمانان بر امامے بر جمعہ در قریٰ بحکم سلطان:

سوال: امداد الفتاویٰ جلد اول میں جو مسئلہ در بارہ جواز جمعہ فی القریٰ بامر سلطان مذکور ہے، اس میں مجھ کو اشکال ہوا ہے۔ عبارت امداد الفتاویٰ یہ ہے: در ملک افغانستان ایں قاعدہ است کہ بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بتحریک بعض عالم در قریٰ جمعہ قائم می کنند وبرائے چار پنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ را

==

الجواب

اگر فتنہ ناقابل تحمل کا احتمال قوی ہو، مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لیجئے، پھر منفرد اظہر پڑھ لیجئے۔

(تتمہ خامسہ:۴۶)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۸۷-۶۸۸)

(۱) ترجمۂ سوال: بعض علاقوں میں ہر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، خواہ وہاں لوگوں کی اور مکانات کی کثرت ہو، یا نہ ہو؟ علماء احناف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اگرچہ ہمارے مذہب میں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن ہم اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں، ان حضرات کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی حنفی گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہوگی، یا نہیں؟ (س)

(۲) ترجمۂ جواب: دیہاتوں میں احناف کے نزدیک جمعہ کا صحیح نہ ہونا ظاہر وباہر ہے اور جو لوگ مذہب شافعیؒ کے پیش نظر پڑھتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ لوگ نماز کے وہ تمام فرائض جو امام شافعیؒ کے نزدیک ثابت ہیں بجا نہیں لائے، جیسے قرأت خلف الامام اور نماز جمعہ کی صحت کے لیے نمازیوں کی جو تعداد ان کے یہاں معتبر ہے، اس کی رعایت بھی نہیں کرتے تو ان کا جمعہ نہ احناف کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ اس لیے کہ احناف گاؤں میں جمعہ کے قائل ہی نہیں ہیں اور نہ شافعیہ کے نزدیک درست ہوتا ہے؛ کیوں کہ ان کے یہاں جو صحت کے شرائط ہیں، وہ نہیں پائے جاتے اور اس کا نام تلفیق ہے، جسے فقہا باطل کہتے ہیں۔ فافہم (س)

از اشتراط مصر مغنی می پندارند، دریں علاقہ اگر کدام یکجا جمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کند گا ہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد درصورت مذکورہ دورکعت جمعہ ازظہر خلف می شود یانہ، درتاخیر ازاں بعذ روحیلہ آثم خواہد شد ، یانہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

قال الشامی: قال أبو القاسم: هٰذا بلاخلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ... لو صلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذا اذا لم یتصل به حکم فإن فی فتویٰ الدیناری إذا بنیٰ مسجد فی الرستاق یأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً .(۱)

پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است ،لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط است۔

قال الشامی: لایبقیٰ إلی الیوم إلا إذا أذن بعد موت السلطان الآذِن بذلک إلا أذن به أیضاً سلطان زماننا نصره الله تعالیٰ .(۲) واللہ اعلم

اشکال اس میں مجھ کو یہ ہے کہ جب از روئے فقہ بڑے شہروں میں بھی اذن بادشاہ جمعہ کے لیے شرط ہے تو اگر وہاں بادشاہ کسی عناد وغیرہ کے سبب اذن جمعہ کا نہ دیوے، یا بادشاہ غیر مسلم ہو تو مسلمین آپس میں اتفاق کر کے ایک کو امام بنا کر جمعہ ادا کر لیویں۔ پس صورت مذکورہ امداد الفتاویٰ سے لازم آتا ہے کہ فقط بادشاہ کا امر برائے جمعہ ضروری ہے، شہر ہو یا نہ ہو، لہٰذا جب شہر میں بغیر اذن بادشاہ کے بھی اتفاق قوم سے جمعہ ہو جاتا ہے تو گاؤں میں بھی بغیر اذن بادشاہ کے، (کیوں کہ اس وقت خصوص مسلم بادشاہ نہیں ہے) اگر قوم اتفاق کر کے جمعہ پڑھ لیں تو اس میں جواز کی گنجائش ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ فقہ میں اتفاق قوم کو اذن بادشاہ کے قائم مقام کیا گیا تو جیسا اذن بادشاہ سے صورت مذکورہ میں گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے، ایسا ہی اب اس زمانہ میں اتفاق قوم سے گاؤں میں جمعہ ہونا چاہیے، بس یہی اشکال ہے، جواب تحریر فرما کر اشکال دفع فرمادیں۔ فقط

الجواب ـــــــــــــــ عن الاشکال

اقامت جمعہ فی القریٰ باذن السلطان کا مبنی یہ مسئلہ ہے کہ فصل مجتہد فیہ؛ یعنی مسائل مختلف فیہا کے ساتھ جب امر سلطان، یا قضائے قاضی ملاقی ہوتا ہے تو پھر مامور کو اس مسئلہ میں اپنے مجتہد کی تقلید ترک کر دینا واجب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر میں جماعت مسلمین قائم مقام سلطان کے نہیں، چناں چہ اگر جماعۃ مسلمین کسی مسئلہ میں ترک تقلید کا امر کریں، وہاں ترک تقلید جائز نہیں اور نیابت جماعت کی مناب سلطان کے صرف امور انتظامیہ میں ہے، سو چوں کہ جمعہ کے لیے وجود سلطان کا مقصوداً شرط نہیں، صرف رفع نزاع فی التقدیم والتقدم ہے، چناں چہ ہدایہ میں مصرح ہے اور یہ امر انتظامی ہے اس میں جماعت قائم مقام امام کے ہو جاوے گی، پس ایک امر کا قیاس دوسرے پر مع الفارق ہے۔

۳۰؍رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ: ۶۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۹-۶۹۰)

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی جواز استنابة الخطیب: ۱٤۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

رفع شبہ عدم نفاذ حکم سلطان درادائے جمعہ بقریہ وقتے کہ آں سلطان حنفی باشد:

سوال: جب سلطان اور والی مقلد امام ابوحنیفہ ہوں تو ان کو اپنے امام کے مذہب کے خلاف کسی مبنی پر اذان اقامت جمعہ فی القریٰ کی گنجائش ہوگی، **كما في الدر المختار: وأماالمقلد فلا ينفذ قضاء ه بخلاف مذهبه أصلاً كما في القنية قلت ولاسيما في زماننا.** (۱) اور اگر خلاف مذہب امامؒ کے، یا شافعی مذہب وغیرہ ہونے کی وجہ سے اذن اقامت جمعہ فی القریٰ دیں تو مقلد حنفیہ کے لیے بھی یہی اذن صحت جمعہ فی القریٰ کافی ہوگا، یا نہ؟

الجواب

یہ الگ بات ہے کہ خود سلطان وغیرہ کے لیے یہ فعل کس حالت میں کیسا ہے؟ اس حکم کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ اگر سلطان ایسا کرے تو اس کا اثر کیا ہوگا؟ سو اثر اس کا صحت جمعہ ہے اور اس اثر کو قبول کرنا خود اتباع ہے مذہب حنفی کا، گو وہ سلطان کا مذہب کے موافق کسی خاص حالت میں نہ ہو اور درمختار کی عبارت اس کے معارض نہیں؛ کیوں کہ مراد اس سے وہ مقلد ہے، جس کو سلطان نے تولیت کے وقت قضاء بخلاف مذہبہ سے منع کر دیا صراحۃ یا دلالۃ، ورنہ اگر سلطان اس کا اذن دے دے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور سلطان پر چوں کہ کوئی والی نہیں ہوتا، اس کا اذن مطلقا نافذ ہے۔

۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ: ۲۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۶۹۱/۱)

شرط بودن در جواز جمعہ بقریہ آنکہ دراں قریہ نزد مجتہدآخر جمعہ صحیح باشد:

سوال: وہ کون سے قریٰ ہیں، جن میں اذن سے صحت جمعہ ہوتی ہے علی العموم، خواہ دس بارہ گھر ہی ہوں، یا ان کی کوئی تخصیص ہے؟

الجواب

صرف ایک تخصیص ہے؛ یعنی وہ قریہ ایسا ہو، جہاں کسی نہ کسی مجتہد کے نزدیک جمعہ صحیح ہوتا ہو اور یہ امر مذاہب اربعہ کی کتب دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ مبنی اس فرع کا یہ اصل ہے: **"الحكم إذا لاقٰى فصلا مجتهداً فيه نفذ".**

۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ: ۳۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۶۹۱/۱)

جس کی مسجد میں وہاں کے باشندے سما نہ سکے، وہاں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جن مقاموں پر اسلامی آبادی کو اتنی وسعت ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں سب مسلمان سما نہ سکیں، (عام اس سے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد دوسرے مقاموں کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد ہو اور اس مقام پر لفظ گاؤں ہی کیوں نہ اطلاق کیا جاتا ہو) ایسے مقام کو بقول اَصح

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، في المقدمة: ۷۵/۱ـ۷٦، دار الفكر بيروت، انيس

"المصر مالایسع أکبر مساجد أهله" کے مصر شرعی کہا جاوے گا اور جمعہ وہاں درست ہوگا، یا نہیں؟ فنا مصر کی تعریف اور اس کی مسافت کیا ہے اور مصر اور فناء مصر کے خارج کے باشندوں پر جمعہ واجب ہے، یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

(من مخلص الرحمٰن موضع حافظ پور ڈاکخانہ منہروی ضلع ڈھاکہ)

حامداً و مصلیاً: مصر کی تعریف میں جو اقوال مذکور ہیں، ان میں سے کوئی حد مصر نہیں، جو اس شان کی ہو کہ "**کل ما صدق علیه الحد صدق علیه (الحدود) وبالعکس أی کل ماصدق علیه (المحدود) صدق علیه الحد**" بلکہ وہ سب تعریفیں رسوم ہیں؛ کیوں کہ حد کا تعدد محال ہے اور رسوم کا جائز۔ مصر کی تفسیر میں جو فقہا نے مختلف تعریفیں بیان فرمائی ہیں، اس میں بغور ملاحظہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اختلافات اختلاف عنوان ہے نہ اختلاف معنوں؛ یعنی الفاظ کا بیان جداجدا ہے اور مصداق سب کا ایک ہے، سب لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے جو علامات کہ بصری پائی جاتی تھیں، بیان کردی ہیں، زمانہ اول میں امصار میں اکثر اوقات حدود اور قصاص ہوتا تھا اور فیصل خصومات کے لیے قاضی ہوتا تھا، دیہات میں یہ امور نہ تھے، جیسے آج کل کچہری فوجداری منصفی وغیرہ دیہاتوں میں نہیں ہوتی ہے؛ اس لیے اگلے لوگوں نے یہی علامات بیان کیں، پھر جب زمانہ میں تغیر ہوا تو وہ علامات زائل ہوگئیں اور مختلف تعریفیں لوگوں نے کیں؛ بلکہ ایک نہ ایک شخص سے کئی کئی تعریفیں فقہ کی کتابوں میں مروی ہیں اور یہ تعریف **المصر مالا یسع أکبر مساجد ہ أهله** بھی اسی بناء صحیح ہے جب کہ اس کو رسم ناقص اور علامت کہا جاوے اور اگر حد کہا جاوے تو اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مکہ اور مدینہ مصر نہ رہے اور ان دونوں جگہ میں جمعہ درست نہ ہو؛ کیوں کہ موسم حج میں تمام دنیا کے حجاج جمع ہوتے ہیں، پھر بھی مسجد خالی رہتی ہے تو لایسع کہاں ہوا؛ بلکہ یسع صادق آگیا اور جو تعریف مکہ مدینہ پر صادق نہ آوے، وہ صحیح نہیں، جیسا کہ کبیری میں ہے:

"**اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافاً کثیراً والفصل فی ذلک أن مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمع من زمنه علیه الصلاة والسلام إلی الیوم فکل موضع کان مثل أحدهما فهو مصر وکل تفسیر لایصدق علٰی أحدهما فهو غیر معتبر حتٰی التعریف الذی اختاره جماعة من المتأخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهوما لو اجتمع أهله فی أکبر مساجده لایسعهم، فإنه منقوض بهما إذ مسجد کل منهما یسع أهله زیادة و لم یعلم أن مکة والمدینة کانت فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم أو الصحابة أکبر مما هی الآن ولا أن مسجدهما کان أصغر مما هو الآن فلایعتبر هٰذا التعریف**".

اس سے بعد فرماتے ہیں:

"**والحد الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیر وقاض ینفذ الأحکام ویقیم**

الحدود وتزييف صدر الشريعة له عند اعتذاره عن صاحب الوقاية حيث اختار الحد المتقدم ذكره لظهور التوانى فى أحكام الشرع سيما فى إقامة الحدود فى الأمصار مزيف". (۱)

اور جو اس تعریف میں اقامت حدود کی قید لگائی ہے، ان کی مراد قدرت اقامت حدود ہے، نہ کہ اجراء حدود بالفعل، کما فی الشامی: "بأن المراد القدرة على إقامة الحدو". وہاں تعریف مذکور؛ یعنی "المصر مالايسع، الخ" کی صحت کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جب اس کو رسم ناقص اور علامات مصر کہا جاوے؛ کیوں کہ مصر میں اکثر متعدد مساجد ہوا کرتی ہیں اور ایک اکبر مساجد بھی ایسی ہوتی ہے، وہاں کے لوگ اس میں سمانہ سکیں، یہ علامات وعوارض سے ہیں نہ کہ حقیقت مصر؛ تاکہ لازم آوے کہ ان کے ارتفاع سے وہ بلاد مصر نہ رہے؛ بلکہ مصر اور قریہ ہونے کا مدار عرف پر ہے کہ عرف میں جو آبادی بڑی ہو، اس قدر کہ لوگ اسے شہر، یا قصبہ کہتے ہوں اور وہ بڑا قریہ جو مشابہ قصبہ کے ہوا اور وہاں بازار اور دکانیں اور مسلمان کثرت سے ہوں اور اس شان کی ہو کہ اطلاق کے وقت اگر چہ فلاں گاؤں، یا باز ار سے موسوم کرتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی اس کو شہر کہہ دے تو اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کوئی اس کو رد اور تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آبادی کے علاوہ جہاں بازار اور دوکانیں ہوں اور خرید وفروخت کے لیے کہیں باہر دوسری جگہ نہ جانا پڑتا ہو، ایسی آبادی کو قریہ کبیرہ اور مصر شرعی کہتے ہیں، عرف بھی اس کے مصر ہونے کا انکار نہیں کرتا ہے، ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے، کما فی الشامی: "وتقع فرضاً فى القصبات والقرىٰ التى فيها أسواق" اور جو گاؤں اس شان کا نہ ہو، اس پر لفظ شہر اطلاق کرنے سے ہر خواص وعام رد کرتے ہوں اور وہ قائل اگر اس پر اصرار کرے تو کذاب اشرار ومجنون فیدوای کہہ کر دفع کرتا ہو ایسی آبادی کو عرفاً وشرعاً گاؤں کہتے ہیں، ایسے گاؤں میں اگر اکبر مساجد ہو تو اتفاقی امر ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ازروئے مذہب حنفیہ نماز جمعہ اور عیدین ایسے گاؤں میں ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، کما فی القنية: "صلاة العيد فى القرىٰ تكره تحريما" اور شامی میں ہے: "(قوله: صلاة العيد، الخ): ومثله الجمعة"، یعنی عیدین کی طرح نماز جمعہ بھی مکروہ تحریمی ہے، فناء مصر کی تعریف یہ ہے جس موضع سے مصر کے باشندوں کے مصالح واغراض متعلق ہوں، کسی مقدار اور مسافت کی تحدید نہیں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لايوجد ذلك فى كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره. بيانه أن التقدير بغلوة أو ميل لايصح فى مثل مصر لأن القرافة الترب التى تلى باب النصر يزيد كل منهما علىٰ فرسخ من كل جانب، نعم هو ممكن لمثل بولاق فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علىٰ ماصدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر فقد نص الأئمة علىٰ أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمى وغير ذلك". (۲)

---

(۱) الحلبى الكبير، فصل فى جماعة الجمعة، ص: ۵۵۰، انيس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب فى صحة الجمعة بمسجد المرجة والصالحية: ۱۳۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس

مصراورفناءمصر کے باہر کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں، جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے:

"ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعى نحو القلع بنجار الاجمعة علىٰ أهل ذلك الموضع وان كان النداء يبلغهم والغلوة والميل والأميال ليس بشئى هٰكذا روى الفقيه أبو جعفر عن أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ وهواختيار شمس الأئمة الحلوانى". (۱) واللّٰه أعلم وعلمه أتم

تصحيح الجواب ــــــــــــــ من صاحب الفتاوىٰ

نعم التحقيق ونعم التطبيق فى الجزء الأول يعنى فى ما يتعلق بتعريف المصر وأما الجزء الثانى أى وجوب الجمعة أوعدم وجوبها علىٰ أهل الفناء فمختلف فيه ونقل هٰذا الاختلاف ومع تصحيح بعضها فى ردالمحتار (۱/ ۸۵۲)، ولم يحضرنى إلى الآن التنقيح فيه لكن يلتقص بالقلب وجوبها عليهم. واللہ اعلم

۱۲/ شوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ: ۹۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۹۳-۶۹۶)

شرائط جمعہ کیا ہیں:

سوال: شرائط نماز جمعہ کیا ہیں؟ کیا ایسے گاؤں میں جہاں پچاس ساٹھ گھر مسلمان آباد ہوں اور مسجد قریب قریب بھر جاتی ہو۔ نماز جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۰۱۹، ایم عمر صاحب انصاری مقام باگھاڈاک خانہ تھاوی ضلع سارن، ۳/ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ، ۲۴/ جون ۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

جس مسجد میں قدیم الایام سے جمعہ ہوتا ہواور وہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں، وہاں جمعہ قائم رکھنا جائز ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۴۳)

لاجمعة ولاتشريق، الخ سے کیا مراد ہے؟ نفی وجوب، یا نفی استحباب:

سوال: "لاجمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع" اس نفی سے کیا نفی وجوب مراد ہے، یا نفی استحباب؟ اگر نفی وجوب ہے تو کس قانون سے؟

(المستفتی: ۹۵۷، مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴/ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، م ۲۶/ ۱۹۳۶ء)

(۱) فتاوىٰ قاضى خان، كتاب الصلوٰة، باب الجمعة: ۱/ ۱۷۴، انيس

(۲) وعبارة القهستانى: "تقع فرضاً فى القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، ط: سعيد)

الجواب

”لا جمعة و لا تشريق،الخ“ حنفیہ نے اس میں ”لا“ سے نفی صحت مراد لی ہے؛ مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۲/۳)

حکم نماز جمعہ بر کاشتکاران بادیہ نشیمن:

سوال: جو لوگ جنگل میں کھیت وغیرہ پر رہتے ہیں اور بعض کے وہاں سے آنے میں نقصان مال کا خوف ہے اور بعض کے آنے میں کچھ نقصان بھی نہیں تو ان میں سے ترک جمعہ سے کون فریق گنہگار اور کون نہیں؟ اور جب کہ اذان جمعہ کی آواز بعض کو آتی ہے اور بعض کو نہیں آتی۔ فقط والسلام

الجواب

جس کو جمعہ اور جماعت کی نماز میں شریک ہونے سے کھیت، یا مال کے نقصان کا خوف ہو، مثلاً غلہ کاٹ کر کھلیان میں ڈال رکھا ہے اور چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں جمعہ و جماعت کے ترک سے گناہ نہ ہوگا۔

قال في الدر: وخوف علٰى ماله.

قال الشامي: أى من لص ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت مثلاً ومنه خوفه علٰى تلف طعام في قدر أو خبز في تنور، تأمل، آه. (۵۸۱/۱)(۲)

اور جس کو کھیت سے مسجد تک آنے میں نقصان کا اندیشہ نہیں، اس کو جمعہ کا ترک کرنا جائز نہیں، گناہ ہوگا۔ باقی اوقات کی جماعت کا ترک کھیت پر رہنے والوں کو اس وقت ناجائز ہے، جب کہ کھیت آبادی سے متصل ہو اور جو آبادی سے اتنا دور ہو کہ اذان کی آواز وہاں تک نہ پہونچتی ہو، نیز وہاں سے آبادی میں آنا اور واپس جانا موجب کلفت و حرج ہو تو اس صورت میں کھیت والوں پر مسجد میں آنا واجب نہیں، کھیت ہی پر جماعت کر لیں اور جماعت نہ کر سکیں تو تنہا پڑھ لینا ہی جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لينتهين رجال ممن حول المسجد لا يشهدون العشاء الآخرة في الجمع أو لأحرقن حول بيوتهم بحزم الحطب. (۳)

عن صفوان بن أمية قال: كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ... فقام عرفة بن نهيك

---

(۱) عن علي رضي الله عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلٰوة فطرٍ ولا أضحى الا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، من كان يرى الجمعة في القرٰى وغيرها: ۱۰۱/۲، انيس)

لاتصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر. (الهداية، باب الجمعة: ۱۴۸/۱، ثاقب بک دپو ديوبند، انيس)

(۲) رد المحتار، باب الامامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۵۵۶/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) مسند الإمام أحمد، مسند أبي هريرة رضي الله عنه: ۲۹۲/۲، انيس

التميمي فقال: يا رسول الله! إني وأهل بيتي مرزقون من هذا الصيد ولنا فيه بركة وهو مشغلة عن ذكر الله وعن الصلاة في جماعة، وبنا إليه حاجة أفتحله أم تحرمه؟ فقال: أحله لأن الله عزوجل قد أحله، نعم العمل، والله أولى بالعذر، قد كانت لله قبلي رسل كلهم يصطاد أو يطلب الصيد ويكفيك من الصلاة في جماعة إذا غبت عنها في طلب الرزق، حبك الجماعة وأهلها وحبك ذكر الله وأهله، ويبتغ على نفسك وعيالك حلالاً، فإن ذلك جهاد في سبيل الله واعلم أن عون الله في صالح التجارة.(۱)

وفيه بشربن نمير متروك، آه. (١٦١/١)(۲)

قلت: ولكنه مؤيد بالنصوص المصرحة بنفي الحرج عن الائمة. والله أعلم

۱۵رشعبان ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام: ۳۶۹/۲)

چرواہے پر نماز جمعہ فرض ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص اپنا ریوڑ بھیڑ بکری چرا رہا ہے اور جمعہ کا روز ہے تو فرمائیے کہ اس پر نماز جمعہ فرض ہے، یا کہ ظہر کی؟

الجواب

اگر یہ شخص فناء مصر میں بکریاں چرا رہا ہے تو اس پر جمعہ میں آنا واجب ہے اور بکریاں کو اپنے ساتھ واپس لے آئے، بعد جمعہ کے پھر لے جائے اور اگر فناء مصر سے اتنا دور ہے کہ شہر سے میل بھر کا فاصلہ ہوجائے تو اس صورت میں اس سے جمعہ ساقط ہے، ظہر کی نماز پڑھ لے، بشرطیکہ وہ شہر سے قبل زوال کے نکل گیا ہو۔

في نورالإيضاح: صلاة الجمعة فرض عين على من اجتمع فيه سبعة شرائط ... الإقامة في مصرٍ أو فيما هو داخل في حد الإقامة بها (أي بالمصر) في الأصح.

وقال محشيه: (فيما) أي الاقامة في محل هو داخل في حد الاقامة بالمصر وهو المكان الذي من فارقه بنية السفر يصير مسافراً ومن وصل اليه يصير مقيماً كربض المصروفناءه الذي لم ينفصل عنه بغلوة، ولا يجب على من كان خارجه ولو سمع النداء من البصر، الخ. (۳) واللہ اعلم

۲۷رشوال ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام: ۳۷۰/۲)

جیل میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شہر کے جیل خانے میں کثرت سے مسلمان قیدی ہوں اور گورنمنٹ کی طرف سے جیل کے اندر

(۱) المعجم الكبير، ما أسند صفوان بن أمية: ٥١/٨، انيس
(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب ماجاء في الصيد، ٢٩/٤، مكتبة القدسي القاهرة، انيس
(۳) نورالإيضاح مع الحاشية، باب الجمعة، ص: ٢٩٢-٢٩٣، انيس

کسی مقرر جگہ میں نماز پڑھنے کی اجازت مل جائے اور باہر کے کسی مولوی صاحب کو جمعہ پڑھانے کی اجازت مل جائے تو اس صورت میں قید خانہ میں جمعہ جائز ہے، یا کہ نہیں،؟

الجواب

صحت صلوٰۃ جمعہ کے شرائط میں سے اذن عام بھی ہے اور صورت مذکورہ فی السوال میں وہ مفقود ہے، لہذا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار: فلا یضرغلق باب القلعة لعدو أولعادة قد یمه؛لأن الأذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدوولا المصلی،نعم لولم یغلق لکان أحسن،کما فی مجمع الأنهرمعزیاً لشرح عیون المذاهب،قال:وهٰذا أولٰی مما فی البحر والمنح فلیحفظ.

وقال الشامی:(قوله؛لأن الاذن العام مقرر لأهله) أی لأهل القلعة؛لأن هما فی معنی الحصن والأحسن عود الضمیر إلی المصر المفهوم عن المقام؛لأنه لایکفی الإذن لأهل الحصن فقط بل الشرط الإذن للجماعات کلها،کما مرعن البدائع.(قوله:وغلقه لمنع العدو،الخ) أی أن الإذن هنا موجود قبل غلق الباب لکل من أراد الصلاة والذی یضرانما هومنع المصلین لامنع العدو. (قوله:لکان أحسن)لأنه أبعد عن الشبهة؛لأن الظاهراشتراط الأذان وقت الصلاة لا قبلها؛لأن النداء للاشتهار،کما مروهم یغلقون الباب وقت النداء أوقبیله،الخ. (۸۵۱/۱)(۱)

اور شامی کافی کی عبارت ہے **"لأن اشتراط السلطان للتحرزعن تفویتها علی الناس وذالایحصل إلا بإذن العام".** کے بعد جو کہا ہے:

قلت:وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لا تقام إلا فی محل واحد أما لوتعددت فلا؛لأنه لایتحقق التفویت،کما أفاده التعلیل،تأمل. (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک جیل خانہ میں جمعہ ناجائز ہے، جب کہ اس شہر میں دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو؛ لیکن تحریر مختار میں قول مذکور پر لکھتے ہیں:

"لایلزم من انتفاء العلة انتفاء المعلول علة أخریٰ اقتضت العموم علٰی أن ما تقدم عن البدائع المعین بطلان المدلول". (۱۱۲/۱)

ونیز البحر الرائق (۱۵۱/۲) میں ہے:

"فلوأمرانسانا یجمع بهم فی الجامع وهوفی مسجد آخر جاز لأهل الجامع دون أهل الا اذا علم الناس بذلک".

(۱) الدرالمختارمع رد المحتار،باب الجمعة:۲۵/۳-۲۶،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة،قبیل مطلب فی شروط وجوب الجمعة:۱۵۳/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(۳) البحر الرائق،باب صلاة الجمعة:۲٦٤/۲،دار الکتب العلمیة،بیروت،انیس

اس سے بھی ظاہراً یہی معلوم ہوا کہ بدون اذن عام کسی حال میں جمعہ صحیح نہیں، پس جیل خانہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے اور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بھی چوں کہ نمازیوں کو عام اجازت نہیں؛ اس لیے اسٹیشن پر بھی باوجود مصر، یا فناء مصر ہونے کے جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ان شاءاللہ تعالی، ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۲۱/ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ (امدادالاحکام: ۲/ ۳۷۱-۳۷۲)

شہر، یا قصبہ میں جمعہ پڑھ کر شام تک واپس آ سکتے ہوں تو ایسے گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں:

سوال: جو دیہات شہر، یا قصبہ سے اتنی دور ہوں کہ اہل دیہات جمعہ کی نماز پڑھ کر شہر، یا قصبہ سے اپنے مکان پر شام تک واپس چلے جاویں تو ان اہل دیہات پر جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس قصبہ اور گاؤں میں کھیتوں وغیرہ کا فصل ہو اور وہ قصبہ سے جدا سمجھا جاتا ہو تو اس گاؤں کے باشندوں پر جمعہ فرض نہیں، گو ایک دو ہی میل کا فصل ہو اور اگر فصل درمیاں میں نہیں؛ بلکہ قصبہ کی آبادی گاؤں تک متصل چلی گئی ہو تو گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہوگا

۲۳/رجب ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۲/ ۳۷۵)

دو ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک موضع ہے جس میں چار مسجدیں ہیں اور اس میں بہت سے قسم کے لوگ ہیں اور بعض ضرورت کی چیزوں کی دوکانیں بھی ہیں؛ مگر ترتیب بازار اور شہر کی نہیں، جیسا دیہاتوں میں دوکان رکھنے کا دستور ہے، موضع خود ایک بڑا موضع ہے، اس کے علاوہ چھ موضعے اور چھوٹے چھوٹے موضع مذکور کے متعلق ہیں، سب موضعوں کی مع اس بڑے موضع کے مردم شماری غالباً دو ہزار کی ہے، آیا ایسی جگہ یعنی اس بڑے موضع میں باعتبار مذہب حنفیہ جمعہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس موضع میں بحالت مذکور جمعہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ (امدادالاحکام: ۲/ ۳۳۸)

غیر عربی میں خطبہ دینے کے سلسلے میں امداد الفتاویٰ اور بہشتی گوہر کی عبارتوں میں تطبیق:

سوال: بہشتی گوہر میں ہے کہ خطبہ علاوہ خطبہ عربی کے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور فتاوی اشرفیہ حصہ اول میں ہے کہ عربی کے علاوہ دوسری زبان میں بھی جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے، صحیح کونسی عبارت ہے؟

الجواب

قال في الدر: (كما صح لو شرع بغير عربية) أي لسان كان ... وشرطاً عجزه وعلى هذا

الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة،آه. (۱)يعني غير القراء ة فان العجز شرط فيها اجماعاً كما نص عليه فى الدرفيما بعد قال الشامى(قوله وشرطاً عجزه)أى عن التكبير بالعربية والمعتمد قوله ... لكن سيأتى كراهة الدعاء بالأعجمية،آه.(۲)

وفيه:(۱/ ۵٤٤)والظاهر أن الصحة عنده لاتنفى الكراهة،آه.(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک قرأت کے علاوہ بقیہ اذکار جن میں خطبہ بھی داخل ہے بلا عجز کے بھی جائز ہیں، اور صاحبین کے نزدیک اگر عربی سے عاجز ہوتو جائز ورنہ نہیں، اور طحطاوی نے امام صاحبؒ کے قول کو معتمد قرار دیا ہے، مگر فصل دعاء میں علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جواز صحت کراہت کے منافی نہیں، پس قادر بالعربی کے لئے خطبہ عجمی میں جائز مگر مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، پس بہشتی گوہر اور فتاوی اشرفیہ کی عبارت میں منافات نہیں، فتاوی میں جواز سے مراد صحت ہے، وہوالمعتمد کما قال الامام مگر صحت کراہت کے منافی نہیں

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام:۲/۳۳۸-۳۳۹)

گاؤں میں جمعہ صحیح نہ ہونے کا بیان:

سوال: چند مسئلے حسب ذیل ہیں، امید کہ جواب باصواب عطا فرمایا جائے۔

اولاً یہ کہ وہ کون سی دلیل دربارہ جواز جمعہ فی القریٰ حضرات شوافع وحنابلہ وغیرہم کی ہے، جس کی وجہ سے بجز امام ابوحنیفہ کے یہاں تک کہ غالباً ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ وخرخشہ ہوسکتا ہے اور یہ شرائط جو جماعت کے شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک لگائی گئی ہیں کہ چالیس پچاس سے کم اگر آدمی ہوں تو جمعہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تعداد کس حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور اگر کوئی حنفی المذہب علی الخصوص مسئلہ جمعہ میں شافعیہ وغیرہ کے مسئلہ پر متفق ہوکر وجوب جمعہ فی القریٰ کا عام اس سے کہ صغیرہ ہو، یا کبیرہ قائل ہو اور ادا بھی کرے تو کیا عنداللہ ماخوذ وآثم ہوگا، یا نہیں؟ اور حنفیہ کے نزدیک کوئی ایسی دلیل دیکھی نہیں جاتی، جس سے صریح ممانعت ادائے جمعہ فی القریٰ کی پائی جائے اور ادھر ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے، مجھے بخوبی یاد نہیں، وہ یہ کہ **"الجمعة على كل مسلم وقرية"**. بہرحال آپ تو ضرور واقف ہوں گے، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اپنی دلیل میں اسی کو پیش فرما کر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جس جگہ جماعت کثیر ہو، جمعہ پڑھنا چاہیے، اگر چہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے اس وقت دور آخر میں جناب مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے اپنی رسالہ فیوض قاسمیہ میں بہت بسط کے ساتھ غالباً تین ورق تک ایک خط کے جواب میں بعبارت فارسی جمعہ کی ادائیگی کے لیے ایک پرزور تقریر

(۱) الدرالمختار علی رد المحتار،باب صفة الصلاة،فروع كبر غير عالم بتكبير امامه:۱/ ٤٨٣-٤٨٤، دارالفكر،انيس

(۲) رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب قرأ بالفارسية:۱/ ٤٨٤،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب فى الدعاء بغير العربية:۱/ ٥٢١،دار الفكر بيروت،انيس

فرمائی ہے، جس میں حنفیہ کو متعصب کا لفظ بھی فرمایا ہے اور انہوں نے گاؤں کے لوگوں کی رائے سے امام بنا کر جمعہ پڑھنے اور ادا ہونے کے لیے فرمایا ہے، آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے غالبًا ہر کس و ناکس اور نہ کہ ذی علم واقف نہ ہو۔ (ملاحظہ فرمائیے فیوض قاسمی) اور ایسی ہی تقریر مولانا مولوی بحرالعلوم صاحب لکھنوی نے بھی ایک چھوٹے سے رسالہ غالبًا ارکان اربعہ میں عربی الفاظ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، مجھے عبارت بخوبی یاد نہیں، غرضیکہ بہت سے احناف کا یہ مذہب ہے کہ جمعہ دیہات میں ہونا چاہیے اور پڑھتے بھی ہیں۔ ان علماء کو میں کہتا ہوں، جن کی گنتی اہل علم کے نزدیک بڑے ہونے کی کی جاتی ہے اور پھر بھی تعریف مصر میں بہت بڑا اختلاف ہے اور اس وقت بعض شرائط بھی نہیں پائے جاتے تو جب چھ شرائط میں سے کوئی مفقود ہو تو پھر جمعہ کا وجوب اور ادائے جمعہ کے کیا معنی؟ چناں چہ بادشاہ، یا نائب بادشاہ کا من جملہ شرائط میں سے ایک شرط وجوب ادا کے لیے ضروری ہے؛ مگر ہندستان بھر میں بالکل یہ شرط عنقاء صفت ہے، پھر اس کے نہ پائے جانے پر جمعہ جو لوگ شہروں میں ادا کرتے ہیں تو کیا جمعہ ادا ہوجاتا ہے، غالبًا اسی وجہ سے لوگوں نے احتیاط الظہر کے مسئلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے؛ مگر قریب قریب ہر ایک میں خدشہ لازم آتا ہے اور دلائل ایک نہ ایک وجہ سے جروح پذیر ہیں، بہر حال للہ فلہ در بارہ تحقیق جمعہ فی القریٰ و تحقیق شرائط و تعریف مصر کسی براہین قاطعہ و ساطعہ کے ساتھ تحریر فرمائیے؛ تاکہ چاہ شکوک سے نکل کر کنارہ یقین پر فائز المرام ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، امام صاحب اور صاحبین سب اس میں متفق ہیں، باقی ائمہ کا اختلاف ہے، پس سائل کا یہ کہنا ''یہاں تک کہ غالبا ان کے شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہر قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ بلا دغدغہ وخرخشہ ہوسکتا ہے، الخ'' بالکل غلط ہے، صاحبین قریہ صغیرہ وکبیرہ میں جمعہ کو ہرگز جائز نہیں کہتے، حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

روى عبدالرزاق في مصنفه: أخبرنا معمر عن أبي اسحق عن الحارث عن علي رضي الله عنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع. (۱)

(فإن قلت فيه) عن الشعبي أنه قال: الحارث الأعور وكان كذابا، وقال منصور ومغيرة عن ابراهيم: أن الحارث اتهم ... وقال الدوري عن ابن معين الحارث قد سمع من ابن مسعود ليس به بأس وقال عثمان الدارمي عن ابن معين: ثقة، ... وقال ابن ابي خيمثة: قيل ليحيى يحتج بالحارث؟ فقال: مازال المحدثون يقبلون حديثه وقال ابن عبد البر في كتاب العلم له: لما حكى عن ابراهيم أنه كذب الحارث أظن الشعبي عوقب بقوله في الحارث كذاب ولم يبن من الحارث كذبه وإنما نقم عليه افراطه في حب علي ... وقال ابن شاهين في الثقات: قال أحمد

(۱) مصنف عبدالرزاق، كتاب الجمعة، باب القرىٰ الصغار: ۱۶۷/۳، انیس

بن صالح المصری: الحارث الأعورثقة ما أحفظه وما أحسن ما روی عن علی وأثنٰی علیه،قیل له: فقد قال الشعبی: کان یکذب؟قال: لم یکن یکذب فی الحدیث إنما کان کذبه فی رأیه وقرات بخط الذهبی فی المیزان والنسائی مع تعنته فی الرجال قد احتج به والجمهورعلی توهینه مع روایتهم لحدیثه فی الأبواب وهٰذا الشعبی یکذبه ثم یروی عنه والظاهرأنه یکذب حکایاته لافی الحدیث،آه.(۱)

فظهر بذلک ان الحارث لیس ممن اجمع علی ضعفه بل هومختلف فیه وثقه بعضهم والاختلاف فی التوفیق لا یضر فإن رجال الصحیحین أیضاً لا یخلون من کلام.

قال فی عمدة القاری:وروی أیضاً بسند صحیح حدثنا جریرعن منصورعن طلحة عن سعد بن عبیدة عن أبی عبد الرحمن أنه قال: قال علی رضی اللّٰه عنه: لاجمعة ولا تشریق إلا فی مصرجامع،آه.(۲۶٤/۳)(۲)

وفی الدرایة لابن حجروروی عبد الرزاق عن علی موقوفا: لا تشریق ولاجمعة إلا فی مصر جامع،وإسناده صحیح ،آه.(۱۳۱)(۳)

اس تحقیق سے یہ امر واضح ہوگیا کہ اس حدیث کے دوطریق صحیح ہیں اورایک طریق میں حارث اعور ہے، وہ بھی اگر صحیح نہیں تو حسن ضرور ہےاورایک طریق ”عن أبی اسحٰق عن الحارث عن علی قال: لاجمعة ولا تشریق ولاصلاة فطرولا أضحی إلا فی مصرجامع أومدینة عظیمة،آه“.(نصب الرایة: ۳۱۳/۱)(۴)

وفیه: الحجاج بن ارطاة مختلف فیه،کما فی التهذیب التهذیب:عن عیسی بن یونس قال: کان الحجاج بن ارطاة لا یحضر الجماعة فقیل له فی ذلک،فقال: احضرمسجدکم حتٰی یزاحمنی فیه الحمالون والبقالون،قال الساجی:کان مدلساً صدوقاً سیء الحفظ لیس بحجة فی الفروع والأحکام وقال ابن خزیمة:لا احتج به إلا،فیما قال ”أنا وسمعت“وقال ابن سعد:کان شریفاً وکان ضعیفاً فی الحدیث وقال أبو أحمد الحاکم:لیس بالقوی عندهم وقال البزار:کان حافظاً مدلساً وکان معجبا بنفسه وکان شعبة یثنی علیه ولا أعلم لم یروعنه یعنی ممن لقیه إلا عبد اللّٰه بن إدریس.(۵)

وقال ابن القیم فی زاد المعاد: وفیه الحجاج بن أرطاة وحدیثه لاینز ل عن درجة الحسن مالم ینفرد بشیء أویخالف الثقات،آه.(۶)

---

(۱) تهذیب التهذیب،حرف الحاء،من اسمه الحارث: ۱٤۵/۲ـ۱٤۷،دائرة المعارف النظامیة الهند،انیس
(۲) عمدة القاری،باب الجمعة فی القرٰی والمدن: ۱۸۸/٦،دارإحیاء التراث العربی بیروت،انیس
(۳) الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة،باب الجمعة: ۲۱٤/۱،دارالمعرفة بیروت،انیس
(۴) نصب الرأیة،باب صلاة الجمعة: ۱۹۵/۲،مؤسسة الریان،انیس
(۵) تهذیب التهذیب فی بحث حروف الحاء،من اسمه حجاج: ۱۹۸/۲،المعارف النظامیة،انیس
(۶) زاد المعاد فی هدٰی خیرالعباد،حج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قارناً: ۱۰٦/۲،مؤسسة الرسالة،انیس

قلت: وهٰذا ليس مما تفردبه واقفه الثقات في معنى مارواه فهوحسن، وفي عمدة الرعاية: وصححه ابن حزم في المحلى،آه. (۱)

رہا یہ اعتراض کہ یہ حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں۔ اس کا جواب اصول حدیث جاننے والے پر ظاہر ہے کہ قول صحابی "**مالا يدرك بالقياس**" میں حکماً مرفوع ہوتا ہے، **قال السيوطي في تدريب الراوي: ومن المرفوع أيضاً ماجاء عن الصحابي ومثله لايقال من قبل الراى ولامجال للاجتهاد فيه فيحمل على السماع،جزم به الرازي في المحصول وغير واحد من أئمة الحديث،آه.** (۲) اورظاہر ہے کہ صحت جمعہ وفطر واضحیٰ کے لیے حضرت علیؓ کا ایک ایسی شرط لگانا جو دوسری نمازوں کے لیے نہیں ہے، محض رائے اور قیاس سے ممکن نہیں۔ پس یہ بھی قاعدہ محدثین پر مرفوع میں داخل ہے۔

دوسری دلیل حنفیہ کی یہ "**أخرج البخاري عن عروة عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه و سلم قالت: كان الناس ينتابون الجمعة)من منازلهم والعوالي فيأتون في الغبار يصيبهم الغبار و العرق فيخرج منهم العرق فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم انسان منهم وهوعندي فقال النبي صلى الله عليه وسلم لوأنكم تطهرتم ليومكم هٰذا**". (الحديث) (۳) اس میں صحابہ کرام کا نماز جمعہ پر واجب نہیں ہے اور نہ گاؤں میں جمعہ ادا ہوتا ہے، ورنہ جو لوگ عوالی میں رہتے تھے، ان کو وہیں ادائے جمعہ کا حکم ہوتا، یا ان سب کو مدینہ آنا واجب ہوتا، حالاں کہ عوالی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی وقت، کسی جگہ کبھی جمعہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اور تیسری دلیل حنفیہ کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ نے فتح بلاد کے ساتھ منابر اور مساجد جامعہ کی تعمیر امصار میں ہی کی تھی، کسی گاؤں میں ہرگز صحابہؓ نے منبر اور جامع مسجد تعمیر نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو اس کی ضرور احادیث میں کوئی اصل ملتی، **ومن ادعى فعليه البيان،قال المحقق ابن الهمام في الفتح:أنه لم ينقل عن الصحابة أنهم حين فتحوا البلاد واشتغلوا بنصب المنابر والجمع إلافي الأمصاردون القرىٰ ولوكان لنقل ولوأحاد، آه.** (۴) لہٰذا ان دلائل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں دلیل نقلی صحیح وعقلی قوی موجود ہے، پس کسی حنفی المذہب کو چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ ادھر (یعنی امام شافعیؒ وغیرہ کی طرف ایک حدیث غالباً صحیح بخاری کی ہے، مجھے بخوبی یاد نہیں، وہ یہ ہے: "**الجمعة علىٰ كل مسلم وقرية**" سو یہ الفاظ کسی حدیث کے نہیں، سائل کو حدیث نبوی کی نقل میں اٹکل پچو لکھنے سے احتراز واجب تھا، بدون خود

(۱) عمدة ارعاية علىٰ شرح الوقاية،كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱/ ۲٤۰،انيس

(۲) تدريب الراوي،النوع السابع الموقوف: ۱/ ۲۱۲،دارطيبة،انيس

(۳) صحيح البخاري،باب من أين توتى الجمعة وعلى من تجب: ۱/ ۱۲۳،رقم الحديث: ۹۰۲،قديمي،انيس

(۴) فتح القديرعلى الهداية،كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۲/ ۵۰،دار الكتب العلمية،بيروت،انيس

الفاظ دیکھے ہوئے، یا کسی عالم سے پوچھے ہوئے غلط سلط الفاظ لکھنا اس کو جائز نہ تھا۔ بخاری میں جو حدیث شافعی وغیرہ کی دلیل ہے، وہ یہ ہے: **عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین ۔**(۱) اس سے بعض ائمہ نے جواز جمعہ فی القریٰ پر استدلال کیا ہے؛ مگر اس استدلال کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے جواثی کا گاؤں ہونا ثابت کیا ہے، حالاں کہ اب تک یہ بات ثابت نہیں ہوسکی، جن لوگوں نے جواثی کو گاؤں کہا ہے، ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ بعض روایات میں اس کی نسبت قریہ من البحرین کا لفظ آیا ہے؛ لیکن یہ دلیل کافی نہیں؛ کیوں کہ اول تو ولفظ قریہ کا اطلاق لغت عرب میں عام ہے، شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں، چناں چہ خود قرآن میں ہے: ﴿**وقالوا لولا نزل هٰذا القرآن علٰی رجل من القریتین عظیم**﴾ مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں قرتین سے مکہ وطائف مراد ہیں، پس ممکن ہے کہ جواثی شہر ہو، جس کو معنی لغوی عام کی بنا پر قریہ کہہ دیا ہو اور اس احتمال کی تائید ان اقوال سے ہوتی ہے:

''حکی ابن التین عن الشیخ أبی الحسن أنها مدینة. وفی الصحاح للجوهری والبلدان للزمخشری: جواثی حصن من البحرین، وقال أبوعبید البکری: هی مدینة بالبحرین لعبد القیس. (عینی علی البخاری: ۲٦۳/۱)(۲)

ان اقوال سے جواثی کا شہر ہونا معلوم ہوتا ہے، پس دیگر ائمہ کا استدلال ساقط ہے، اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ جواثی گاؤں ہی تھا اور وہاں صحابہؓ نے جمعہ پڑھا تو پھر بھی اس حدیث سے استدلال کرنا اس پر موقوف ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے اس فعل کی اطلاع بھی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، حالاں کہ اطلاع نبوی کا ثبوت اب تک کوئی نہیں ملا، پس ایسی کمزور دلیل سے جمعہ کا جواز گاؤں میں ثابت نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز پنجوقتہ نماز کی طرح ہر جگہ جائز نہیں، چناں چہ جنگل بیابان میں جواز جمعہ کا کوئی قائل نہیں؛ بلکہ ہر ایک امام نے کچھ نہ کچھ شرط جواز جمعہ کے لیے ضرور لگائی ہے، شہر میں جواز جمعہ پر سب کا اجماع ہے اور گاؤں میں جائز ہونے کے لیے کوئی شافی دلیل ان کے پاس نہیں ہے؛ اس لیے محض مشکوک دلائل سے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہوسکتا۔ باقی سائل نے حجۃ اللہ البالغہ اور فیوض قاسمیہ وارکان اربعہ کی عبارات کا جو حوالہ دیا ہے، سوان کتابوں کی عبارات اس کو نقل کرنا چاہیے تھیں، یہ کتابیں میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ باقی محض سائل کا لکھ دینا کافی نہیں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ اس نے سمجھنے میں غلطی کی ہو، جیسا کہ حدیث بخاری کی نقل میں اس نے پہلے غلطی کی ہے اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ صاحب ومولانا قاسم صاحب

(۱) صحیح البخاری، باب الجمعة فی القری والمدن، رقم الحدیث: ۸۹۲، انیس

(۲) عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری، باب الجمعة فی القریٰ و المدن: ۱۸۷/٦، دارإحیاء التراث، انیس

ومولانا بحرالعلوم کو ہم امام شافعیؒ وامام مالک وامام احمد بن حنبلؒ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے تو جب ہم نے اس مسئلہ میں ان ائمہ ثلاثہ کے قول کے خلاف ابوحنیفہ کا قول اختیار کیا ہے؛ کیوں کہ روایۃً ودرایۃً ان کا قول ہمارے نزدیک صحیح ہے تو ہم ان متاخرین کے قول کو اس کے مقابلہ میں کب تسلیم کر سکتے ہیں، ان کے اقوال کو ائمہ اربعہ کے اقوال سے کیا نسبت ہے، کچھ نہیں۔ اگر ان کی تحقیق امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے، ہوا کرے، ہم نے ان کی تقلید کا التزام نہیں کیا ہے۔ بعد میں فیوض قاسمیہ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سائل نے مولانا قاسم العلوم کا مطلب بالکل نہیں سمجھا۔ مولانا قاسم العلوم کی عبارت کا مطلب سمجھنے کے لیے بڑی عقل کی ضرورت ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ سائل نے مولانا کی کس عبارت سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ جمعہ کے لیے مصرواذن سلطان وغیرہ شرط نہیں۔ وہ اس عبارت کو پھر لکھے، پھر جواب دیا جائے گا۔ رہا مصر کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہونا، سو یہ اختلاف عنوان کا ہے، حقیقت کا اختلاف نہیں۔ مراد سب کی ایک ہے؛ یعنی اتنی بڑی بستی جہاں انسانی تمام ضروریات مل جاتی ہوں؛ لیکن ہر زمانے میں ایسی بستیوں کی مختلف علامتیں رہی ہیں؛ اس لیے فقہا کی عبارات میں مختلف الفاظ وارد ہو گئے، جیسے ہم کسی سے یوں کہیں کہ مسلمانوں کی علامت یہ ہے کہ ان کی داڑھی لمبی اور مونچھیں کتری ہوئی ہوں اور نماز پڑھتے ہوں۔ ایک زمانہ ایسا آیا کہ مسلمانوں نے ان کاموں میں سستی کر دی، پھر کسی نے یہ تعریف کی کہ جن کے کرتے لمبے پائجامے ٹخنوں سے اوپر ہوں، کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں نے یہ وضع بھی ترک کر دی تو اب یہ تعریف کی کہ جو ترکی ٹوپی پہنتے ہوں تو اب ان مختلف تعبیروں کے بدلنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کی حقیقت بدل گئی نہیں، حقیقت ایک ہی ہے؛ لیکن ہر زمانہ کے اعتبار سے ان کی علامت جدا ہو گئی، اسی طرح شہر کے معنی سب لوگ جانتے ہیں، گو اس کی علامتیں ہر زمانہ میں جدا ہوں۔

رہا اذن سلطان، یا سلطان کا شرط ہونا، سو اس کے متعلق حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اذن سلطان اگر متعذر ہو تو عام مسلمان جس کو امام وخطیب مقرر کرلیں جائز ہے۔

قال في الدر: (ونصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز) للضرورة، آه.

قال الشامي تحته: فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، آه. (۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اذن سلطان کی شرط موجودگی سلطان میں ہے اور اگر سلطان نہ ہو تو یہ شرط نہیں اور درحقیقت اذن سلطان کی شرط بھی شرط مصر کے تابع ہے، اصل شرط مصر ہے؛ لیکن چوں کہ سلطان کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی مصلحت کی وجہ سے گاؤں کو شہر بنا دے، یا شہر کو گاؤں بنا دے تو سلطان کے ہوتے

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب الجمعة: ۱٤/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ہوئے،اس کے اذن کی ضرورت اس لیے ہے؛ تاکہ معلوم ہوجائے کہ سلطان کا ارادہ اس شہر کوشہر باقی رکھنے کا ہے، گاؤں بنانے کا ارادہ نہیں ہے، فافہم۔ باقی تفصیل اس مسئلہ کی رسالہ **القول البدیع** مؤلفہ حکیم الامتؒ واحسن القری ،مؤلفہ شیخ العالم دیوبندی قدس سرہ میں ملے گی۔اس فتوی میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ (امدادالاحکام:۳۳۹/۲)

وہ کارخانہ جوشہر سے متصل ہو،اس میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: جس دفتر میں خادم کام کرتا ہے، وہ شہر سے قریباً تین میل کے فاصلے پر ہے اوراس علاقے کو مغلپورہ کہتے ہیں اس کا ڈاکخانہ وتھانہ اور پولس بھی شہر سے علاحدہ ہے اور چنگی کی حد سے بھی باہر ہے اور نہ ہی یہ گاؤں کی صورت میں ہے ؛ بلکہ یہ ایک بڑا دفتر ہیں اوراس کے ساتھ ہی جو کارخانے بنے ہوئے ہیں، جہاں دی کو بائیس تیئیس ہزار آدمی کام کرتے ہیں اور رات کوسوائے ان چوکیداروں کے جو پہرہ پر مقرر ہیں اور کوئی نہیں ہوتا، دفتر کے ادھر ادھر جگہ جگہ انگریزوں کی کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں، جواس دفتر اور کارخانوں میں ملازم ہیں کوٹھیاں بھی ایک جگہ نہیں ؛ بلکہ تھوڑی تھوڑی (دس پانچ) کئی جگہ بنی ہوئی ہیں، گویا کہ دفتر نہ شہر کے حکم میں ہے اور ن گاؤں کے، یہاں کے ملازمین جمعہ کے دن کسی ایک کو مقرر کر کے دفتر میں ہی جمعہ پڑھ لیتے ہیں، آیا یہ جمعہ ہوجاتا ہے، یانہیں؟ اگر نہیں تو خادم کو قریباً عرصہ تین سال کا ہوگیا ہے کہ انہی میں شامل ہوکر جمعہ پڑھ لیتا ہے، اتنے عرصہ کی ظہر کی نمازیں قضا پڑھ لے، یانہیں؟ اور چوں کہ خادم گاؤں سے آتا ہے؛ اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خادم پر جمعہ واجب نہیں ہے کہ دفتر کو ہر حال میں چھوڑ کر شہر میں جا کر جمعہ پڑھے۔

الجواب

قال في الدر: (أوفناء ه) بكسر الفاء (وهوما) حوله (اتصل به) أولا، حرره ابن الكمال وغيره لأجل مصالحه) كدفن الموتى وركض الخيل والمختار للفتوىٰ تقديره بفرسخ، آه. (۱)

قال الشامي: أقول وبه ظهر صحتها في تكية السلطان سليم بمرجة دمشق وكذا في مسجده بصالحية دمشق فإنها من فناء دمشق بما فيها من التربة بسفح الجبل وإن انفصلت عنه بمزارع لكنها قريبة؛ لأنها علىٰ ثلث فرسخ من البلدة وإن اعتبر ت قرية مستقلة فهي مصر علىٰ تعريف المصنف، آه. (۸۳۷/۱)(۲)

قواعد سے مغلپورہ لاہور کا فنا معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے جولوگ مغلپورہ میں رہتی ہیں، ان پر جمعہ فرض ہے، لہٰذا آپ نے جس قدر جمعے وہاں پڑھے ہیں، وہ صحیح ہیں، آئندہ بھی پڑھتے رہنا چاہیے؛ لیکن مزید احتیاط کے لیے جمعہ کے بعد چار سنتوں میں سنتوں کی نیت کے بجائے چار رکعت فرض ظہر کی نیت کر لی جائے؛ تاکہ فرض بالیقین ذمہ سے ادا ہوجائے ؛ مگر جہلا کواس کی تعلیم نہ کی جائے ،وہ اس میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۷/۳، انیس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب في صحة الجمعة بمسجد المرجة: ۸/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انیس

جزوسوال (۱) اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ، کا فتوی متعلق ظہر احتیاطی دیکھ کر ایک اور بھی شبہ پڑ گیا ہے کہ اس صورت میں لاہور میں کہیں بھی جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ علاحدہ پڑھا جاتا ہے، حالاں کہ اگر بادشاہی مسجد میں تمام شہر کے لوگ آ کر جمعہ پڑھیں، تب بھی سما جاویں اور فتوی اس پر ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جاوے۔

الجواب

نہیں، فتوی اس پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے، لہذا لاہور شہر کے سب جمعے صحیح ہیں۔

جزوسوال (۲) کیا کتاب تنبیہ الغافلین کوئی معتبر کتاب ہے اور اگر خادم اس کا مطالعہ کرلے تو اجازت ہے؟

الجواب

اس کتاب کا مصنف کون ہے، مصنف کا نام معلوم ہونے پر جواب دیا جا سکتا ہے۔ (امدادالاحکام: ۲/۲۵۳-۲۵۴)

گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی:

سوال: اگر کوئی شخص گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے ذمہ سے ظہر ساقط ہو جائے گی، یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والا گنہگار رہوگا، یا نہیں؟

الجواب

چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی اور ایسا کرنا درمختار میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ (۱) فقط
(فتاویٰ دارالعلوم: ۵/۱۵۱-۱۵۲)

شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک احاطہ ہے اس میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک احاطہ بارہ میل ہے اور اس سے ایک میل کے فاصلہ پر شہر آباد ہے تو اس احاطہ میں جمعہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ احاطہ شہر کے فنا میں سے شمار ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔ (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۵۵)

(۱) وفيماذكرنا إشارة الیٰ أنه لا تجوز (الجمعة) فی الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر وخطيب ... ألاترىٰ أن فی الجواهر: لو صلوا فی القرىٰ (الصغيرة) لزمهم أداء الظهر. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۳/۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)
وفی القنية صلاة العيد فی القرىٰ تكره تحريماً؛ لأنه اشتغال بمالا يصح. (الدرالمختار)
(قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة. (ردالمحتار، باب العيدين: ۳/٤٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول (المصر ...) ... (أو فناءه) بكسر الفاء (وهو ما) حوله (اتصل به) أو لا، كما حرره ابن الكمال وغيره (لأجل مصالحه) كدفن الموتىٰ، الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۳/۵-۷، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير)

صوبہ بنگال کے دیہاتوں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ماقولکم رحمہم اللہ دریں مسئلہ کہ فی اعمال درصوبہ بنگال جم غفیر دردیہات نماز جمعہ ادامی کنند صرف بایں وجہ کہ ازایام ماضیہ ہرخاص وعام نماز جمعہ بایں چنیں قریہ ادا کردہ می آیند وگروہ ازعلمائے حنفیہ آں دیار می گویند کہ نزدامام ابوحنیفہ اگر چہ دردیہات نماز جمعہ روانیست؛ مگر بایں مسئلہ بتقلید امام شافعی درقریہ نماز جمعہ می گزاریم، پس قول ایں شاں چہ گونہ است ونماز جمعہ ہرخاص وعام وگروہے موصوفان ازعلمائے کرام اداشود، یانہ؟ برمسلک حنفیہ جواب مدلل تحریر فرمایند؟

الجواب

جمعہ باتفاق حنفیہ مخصوص بمصر است درقری جائز نیست، **كذا في الهداية: صلاة الجمعة لا تصح إلا في مصر جامع أو مصلى المصر ولاتجوز في القرى.** (۱) ومنقول ازامام ابوحنیفہ دربیان مصر ایں است کہ بازار وکوچہا وحاکم نافذ کنندہ حدود داشتہ باشد، کذا فی المواہب للطرابلسی؛ مگر چوں کہ تسلط کفار غالب شد وحاکم اسلام مفقود شد پس تحقق شرط حاکم نافذ کنندہ مفقود شد، پس اگر قریٰ مسئول عنہا بازار وکوچہا می دارند پس بموجب روایت مذکورہ جمعہ واعیاد آنجا بوجود شرائط دیگراں بابلاشبہ روااست۔ (۲)

وظاہر است کسانے کہ نماز جمعہ دردیہات بتقلید شافعیہ ادامی کنند درنماز پنجگانہ وشرائط تعداد ودیگر مسائل برمسلک شافعیہ عمل نمی کنند ایں راتلفیق می گویند وتلفیق نزدفقہا باطل است، پس قول بعض علمائے حنفیہ دربارہ جواز صلوٰۃ جمعہ دردیہات بتقلید شافعیہ ہرگز صحیح ودرست نیست ونماز جمعہ اوشاں نزدحنفیہ صحیح نمی شود ونہ نزد شافعیہ پس گناہ ترک نماز ظہر وقیام جمعہ بصورت عدم جواز او بروئے لازم می آید۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم: ۵/۱۵۵-۱۵۶)

بنگال میں جہاں آبادیاں ملی ہوئی ہیں جمعہ جائز نہیں:

سوال: بملک بنگال موضعات متصل واقع اندواز قدیم الایام دراں مواضع جمعہ نمی خوانند کنوں بعض ملایاں بنگال گویند کہ دریں دیار بلاشک جمعہ جائز است، مرد ماں منتظر فتویٰ ہستند؟

الجواب

درقریہ صغیرہ عندالحنفیہ جمعہ واجب نیست وادا نمی شود۔

(۱) الهداية، باب صلاة الجمعة: ۱/۱٤۸، ثاقب بک دبو ديوبند، ظفير

(۲) قوله صلى الله عليه وسلم: لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع وما روينا من قول علي رضي الله عنه وقال حذيفة: ليس على أهل القرىٰ جمعة وإنما الجمعة علىٰ أهل الأمصار مثل المدائن ولأن للمدينة قرىً كثيرة ولم ينقل إلينا أنه صلى الله عليه وسلم أمرهم بإقامة الجمعة فيها. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۱/۲۱۷، المطبعة الكبرىٰ الأميرية بولاق، انيس)

كمـا فـي ردالـمـحتار المعروف بالشامي: وفي ما ذكرنا إشارة الٰى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليـس فيهـا قـاض ومـنبـر وخـطيب، كما في المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألاترٰى أن في الجواهر لوصلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر، الخ. (۱)

وفي باب العيدين من الدر المختار: وفي القنية: صلاة العيد في القرىٰ تكره تحريماً.

قال في الشامي: (قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة. (۲)

وازیں روایات معلوم شد کہ در قری صغیرہ جمعہ صحیح نیست وادا ظہر لازم است وجمعہ ادا کردند در قریہ مکروہ تحریمی است ودر دیہات بنگال، چناں چہ حال آنہا معلوم شدہ قریہ صغیرہ است بہیچ وجہ جمعہ در آنہا صحیح نیست۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۵۶/۵-۱۵۷)

گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک چھوٹا سا گاؤں تقریبا ۱۰۰ر یا ۲۰۰ر گھروں کی آبادی ہے اور اس گاؤں کی جو مسجد ہے، اس کے اندر جمعہ کے روز اس قدر آدمی آتے ہیں کہ تمام مسجد بھر کر اور آدمی باہر باقی رہ جاتے ہیں، آیا اس گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے، یا کہ نہیں؟ اور اگر جمعہ ہوجاتا ہے تو پھر احتیاط الظہر ان کو پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ اور اسی طرح ایک گاؤں کل ۱۵ر گھروں کی آبادی ہے، اس میں بھی جمعہ ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درسرے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوتا، صرف ظہر پڑھنی چاہیے اور پوری تحقیق کسی محقق عالم کو گاؤں دکھلانے سے ہوسکتی ہے۔

۱۹ر رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۳۶۱/۲)

اس جزیرہ میں جمعہ کا حکم جو متعدد مواضع پر مشتمل ہو:

سوال: اس احقر کا وطن ایک جزیرہ میں ہے، جس کا نام ہانیہ ہے اور اس کے چاروں طرف دریا ہے، موسم سرما میں وہ جزیرہ خشک رہتا ہے اور برسات میں دریا اور بارش کے پانی سے اکثر جزیرہ غرقاب ہوجاتا ہے، اس میں ایک سرکاری راستہ ہے، جو جانب شمال میں لب دریا سے جنوب کی طرف قریب بیس میل تک گیا ہے، جو برسات میں اکثر وہ راستہ کیچڑ اور پانی سے بھرا رہتا ہے، لوگوں کی آمد ورفت برسات اسی راستہ پر سے ہوتی ہے، اس میں لوگوں کے مکانات علاحدہ ہیں، بعض دو تین مکانات ایک دوسرے سے متصل ہیں اور متصل بھی اس طرح پر کہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک باغیچہ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ ہندرستان کے قصبہ اور گاؤں کے گھر جو ایک دوسرے سے متصل ہیں، ایسا

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۷/۳، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب العيدين: ٤٦/٣، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

نہیں ہے۔ہاں ایک جگہ کے دوتین گھر،البتہ ایک دوسرے کے متصل ہیں اوربعض جگہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک ایک کانی سے دوکانی تک کا فاصلہ ہوتا ہےاور یہ بھی واضح رہے کہ اس جزیرہ کی آبادی طولاً قریب پچیس میل اور عرضاً قریب پندرہ میل کے ہوگی اور بعض نہریں اس طرح پر ہیں کہ دریا کے ایک طرف سے نکال کر دوسری طرف پہنچایا ہےاوران نہروں کے ایک طرف سے دوسری طرف پار ہونے کے لیے پل موجود ہیں اور یہ بھی واضح ہو کہ اس جزیرہ میں مختلف مواضع ہیں،ان مواضع میں متعدد مسجدیں ہیں،مجموعہ مسجدیں اس جزیرہ کے قریب تین سو کے ہوں گی، اس میں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں اور بعض مسجد میں مصلی تیس بعض میں پچاس اور بعض میں ایک سو ہوتے ہیں اور بعض مسجد میں جانے کے لیے برسات میں کپڑے بھیگنے کی نوبت پہنچتی ہےاور ایک مسجد کا فاصلہ دوسری مسجد سے اس قدر ہے کہ اگر ایک مسجد میں آذان دی جاتی ہےتو دوسری مسجد تک بخوبی جاتی ہےاور یہ بھی واضح ہو کہ ان مسجدوں میں فقط جمعہ کے دن گرام کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور پنجگانہ نماز کی جماعت بعض مسجد میں ہوتی ہی نہیں اور بعض مسجد میں ہوتی بھی ہےتو جس جس دروازے پر مسجد ہے،اس مکان کے چار پانچ آدمی حاضر ہوتے ہیں اور بس اور یہ بھی معلوم رہے کہ اس جزیرہ میں ہندومسلمان،عورت مردلڑکا قریب ایک لاکھ کے رہتے ہیں،اس میں ایک آفس ہے،جس میں دیوان عدالت اور فوجداری موجود ہےاور گرامین اس آفس سے بہت دور دور ہیں۔اب دریافت طلب حضور معدن النور سے یہ ہے کہ آیا اس جزیرہ میں حنفی مذہب کے موافق جمعہ پڑھنا درست ہے،یانہیں؟ جولوگ اس میں جمعہ پڑھتے ہیں،احتیاط ظہران پر پڑھنا لازم ہے،یانہیں؟ اگر کوئی شخص اس میں جمعہ نہ پڑھے تو موافق مذہب حنفی کے عند اللہ اس کا مواخذہ ہوگا،یانہیں؟ اوراس جگہ میں جو شخص جمعہ نہیں پڑھتا ہے،اس کو سب وشتم کرنا اوراس پر لعن طعن کرنا، مواکلت ومجالست اس سے نہ کرنا اوراس کو جہنمی وغیرہ کہنا شرعاً کیسا ہے؟ احقر مدت سے اس مسئلہ میں متردد ہے،حضور ازروئے مہربانی جو کچھ رائے عالی اس باب میں ہوتحریر فرما کر کمترین کو سرفراز فرمائیں اورعنداللہ ماجور ہوں۔

تنقیح ہر ہر موضوع کے جدا جدا حالات نہیں لکھے کہ آبادی کتنی ہےاور بازار مستقل ہے،یانہیں؟

جواب تنقیح: واضح رہے کہ بعض موضع کی آبادی قریب ایک میل اور بعض قریب نصف میل کے ہوتی ہےاور یہ مواضع ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں،حدفاصل بعض جگہ راستے ہوتے ہیں اور بعض جگہ چھوٹی چھوٹی نہریں ہوتی ہیں اور موسم سرما میں وہ نہریں خشک رہتی ہیں اور برسات میں پانی رہتا ہے،ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لیے پل ہوتے ہیں اور چھوٹی کشتیوں کی آمد ورفت بھی ہوتی ہےاور بعض مواضع میں مکانات تیس چالیس پچاس سو تک،یااس سے کچھ کم وبیش ہوتے ہیں اور مکانات ان مواضع کے فرادی فرادی ہوتے ہیں اوران موضع میں بعض جگہ ایک بازار ہوتا ہے۔ہفتہ میں ان مواضع کے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔تین چار بجے سے لوگوں کی آمد شروع ہوتی ہےاور رات کے آٹھ سات بجے تک رہتے ہیں اور ہر ہر موضع میں دوتین مسجدیں ہوتی ہیں کہ لوگ اس میں جمعہ پڑھتے ہیں،

ایسی جگہوں میں جمعہ پڑھنا موافق مذہب حنفی کے کیسا ہے؟ اور نہ پڑھنے والے کے لیے کیا حکم ہوسکتا ہے؟ اس احقر کو فقط رائے عالی معلوم کرنا مقصود ہے، کسی سے لڑنا جھگڑنا ہرگز مقصود نہیں، جو کچھ رائے عالی ہو، تحریر فرما کر اپنے خاص دستخط سے سرفراز فرمائیں اور یہ بھی واضح رہے کہ دو مکانوں کے درمیان جو زمین ہوتی ہے، اس میں زراعت کرتے ہیں۔

الجواب

سارے جزیرے کو تو ایک شہر نہیں کہا جا سکتا؛ بلکہ یہ ایک پرگنہ ہے، جو متعدد مواضع پر مشتمل ہے۔ پس ان مواضع میں سے جس موضع کی شان یہ ہو کہ اس میں تین چار ہزار، یا اس سے زیادہ کی آبادی ہو اور بازار بھی رزانہ لگتا ہو، جس میں ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہوں، جیسا کپڑا، جوتا، غلہ گوشت ترکاری، دوا، دودھ وغیرہ اس میں تو جمعہ جائز ہے اور جس کی آبادی تو اس مقدار کو پہنچتی ہو؛ مگر ضروریات سب وہاں نہ ملتی ہوں، نہ بازار روزانہ لگتا ہو، وہاں جمعہ جائز نہیں اور جس جگہ جواز جمعہ میں تردد ہو، وہاں جمعہ نہ پڑھیں، ظہر پڑھیں۔ واللہ اعلم

۴/ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۳۶۳/۲)

قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ ہونا:

سوال: ایک گاؤں میں تخمینا چالیس گھر ہیں اور اس گاؤں میں فقط ایک ہی مسجد ہے اور وہ مسجد کی جگہ سرکار کی جانب سے وقف ہے اور پنجگانہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور وہ مسجد اس قسم کی ہے کہ اگر فقط اس محلّہ کے مصلی لوگ حاضر ہو جائیں تو مسجد بھر جاتی ہے اور اس گاؤں میں سرکار کی طرف سے حاکم مقرر ہے وہ سرکار کے قانون کے مطابق انصاف کرتے ہیں اور اس گاؤں کے پورب کی طرف تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے، اس میں بھی اسی نوے گھر ہوں گے اور اس کے اتر کی طرف پاؤ میل فاصلہ پر دوسرا گاؤں ہے، اس میں بھی تخمیناً تیس گھر ہیں اور تینوں سے کسی میں بھی بازار نہیں ہے؛ بلکہ تین میل فاصلہ پر بازار موجود ہے تو اس گاؤں میں جمعہ کے نماز درست ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

گاؤں مذکور قریہ صغیرہ ہے؛ اس لیے مذہب حنفی کے موافق اس میں جمعہ درست نہیں۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۷۰/۱-۶۷۱)

حکم جمعہ در قریٰ بنگال:

تمہید: بندہ کو ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ میں اتفاق سفر ڈھاکہ کا ہوا، ایک ماہ بعد واپس آیا، اس اثنا میں قصداً جا کر بعض دیہات کو دیکھا اور نیز وہاں کے فہیم اور ذی علم باشندوں سے بھی تحقیق کیا، بعض دیہات کو اسٹیمر پر سے دیکھا اور بھی اور بعض احباب اہل ملک سے جو کہ ہم سفر تھے، اس کی حالت بھی سنی، اس مجموعہ سے جو مستفاد ہوا، اس کو بطور کلیہ کے لکھتا

ہوں؛ تاکہ اس سے قریٰ بنگال میں سے ہرجگہ کا حکم صحت وعدم صحت جمعہ جو عندالحنفیہ ہے، معلوم ہوجاوے، وھی ھذہ:

اگرایک قریہ اتنابڑا ہے کہ اس میں تین چار ہزار کی مردم شماری ہے اوراس میں ضروری حوائج کے لیے بازار بھی ہے، وہاں جمعہ بلاتکلف جائز ہے اوراگرایک قریہ اتنا بڑا نہیں ہے، مگراس کے قریب دوسرا قریہ بھی ہے کہ مجموعہ دونوں کا اس سابق ایک کے مثل ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اس دوسرے قریہ کو پہلے قریہ سے کیسا اتصال ہے؟ اگرایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والے کو اگر یہ نہ بتلادیا جاوے کہ فلاں جگہ سے دوسرا قریہ شروع ہوا ہے تو دونوں کو ایک ہی سمجھے، ایسے اتصال سے ان دونوں کو متحد سمجھا جائے گا اوراس مجموعہ میں وہ دو پہلی قیدیں دیکھی جاویں گی اوران کے تحقیق کی صورت میں جمعہ صحیح ہوگا اوراگرایسا اتصال نہیں ہے، گوزیادہ فصل بھی نہ ہو تو دونوں کو جدا جدا سمجھا جاوے گا اور جب کہ ہر واحد صغیرہ ہے تو جمعہ کسی میں صحیح نہ ہوگا اور وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض قریٰ متصل چلے گئے؛ مگر مجموعہ سے دائرہ کی صورت بنتی ہے اوراس محیط کے درمیان میں بہت جگہ غیرآباد ہے، جس میں کاشت وباغ وغیرہ ہے اور بازار کسی ایک حصہ میں نہیں؛ بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے، سوعندالتامل مجھ کو ان کا حکم بھی مثل واحد کے معلوم ہوتا ہے، البتہ اگرایک قریہ سے دوسرے قریہ میں مفازہ قطع کرکے جاویں اور مفازہ مسافت قصر ہو تو قصر واجب ہوجاوے گا۔(۱) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۷۱-۶۷۲)

حضرت قاسم العلوم اور مسئلہ جمعہ:

سوال: حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ قیام صلوٰۃ جمعہ فی القری کو جائز ہونے کا محقق ومصدق ارشاد فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو: ’’واگر کسی در دیہی جمعہ قائم کند دست گریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط مصر بودن ظنی، الخ‘‘، حالاں کہ یہ جمہور کے خلاف ہے۔ تطبیق کی کیا صورت ہے؟

الجواب

حنفیہ کا مذہب معلوم ومعروف ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ان کے نزدیک جمعہ کے لیے مصر شرط ہے اور تحقیق اس کی اور دلائل قویہ اوثق العری واحسن القری میں... موجود ہیں، ان کتابوں کو دیکھا جاوے۔ باقی حضرت مولانا نانوتویؒ کا یہ فرمانا: ’’دست وگریبانش نہ زنند، الخ‘‘ اس وجہ سے ہے، چوں کہ یہ مسئلے مابین الائمہ مختلف فیہا ہے اور دلائل ظنیہ پر مبنی ہے؛ اس لیے جمعہ فی القریٰ قائم کرنے والے سے لڑائی جھگڑا اور طعن وتشنیع نہ کریں کہ فروعی اختلافات میں محققین کا یہی مسلک ہوتا ہے کہ نزاع وجدال اس میں مناسب نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۶۰-۱۶۱)

چھوٹی آبادی میں جمعہ جائز نہیں:

سوال: درقریہ ہندواڑہ کل نو ومکان از قوم زمینداراں واقع است، درچنیں قریہ جمعہ ممنوع است، یا نہ؟

---

(۱) اس کے بعد وہاں کے علما کی تحریرات سے قدرے تردد ہوگیا، جس کے بعد یہ معمول کرلیا کہ وہاں کے جمعہ کے باب میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہاں کے علما سے پوچھنا بہتر ہے۔ منہ

الجواب ـــــــــــــــ

در شامی از قہستانی آوردہ: ”وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق (إلٰی أن قال) وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب“. (۱)

ازیں عبارت واضح گردیدہ کہ درقریہ مذکورہ کہ کل نود مکان دراں است جمعہ ادا نمی شود کہ ایں چنیں قریہ قریہ صغیرہ است، نہ قریہ کبیرہ، ونہ قصبہ... هذا ماعلیه المحققو ن. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۱/۵)

بڑے قصبہ میں جمعہ جائز ہے:

سوال: ضلع ہزارہ میں ایک موضع موسوم بہ شنکباری ہے، جس میں چار مسجد ہیں اور بازار ہیں، تقریباً اسی دوکانیں ہیں اور تھانہ ڈاکخانہ وغیرہ معمولی محکمات بھی ہیں، بڑے بڑے حکام کے اترنے کی جگہ ہے اور یہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ ایک صاحب موضع مذکورہ میں نماز ادا کرنے سے مانع ہیں، ایسے قریہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قصبات اور قریہ کبیرہ میں نماز جمعہ فرض ہے اور ادا ہوتی ہے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹے قریہ میں باتفاق علماء حنفیہ جمعہ نہیں ہوتا؛ بلکہ چھوٹے قریہ میں جمعہ پڑھنا گویا نفل کو جماعت کثیرہ کے ساتھ بتداعی ادا کرنا ہے، جو باتفاق فقہاء مکروہ ہے اور قریہ کا چھوٹا بڑا ہونا مشاہدہ سے اور کثرت وقلت آبادی سے معلوم ہوتا ہے، جس قریہ میں تین چار ہزار آدمی آباد ہوں گے، ظاہراً وہ قریہ کبیرہ بحکم قصبہ ہوسکتا ہے اور اس سے کم آبادی ہوتو وہ قریہ صغیرہ کہلائے گا۔ شامی میں قہستانی سے منقول ہے:

”وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق (إلٰی أن قال) وفیما ذکرنا اشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب، الخ“. (شامی، باب الجمعة)(۲)

وفی باب العیدین من الدرالمختار: صلاة العید فی القریٰ تکره تحریماً أی لأنه اشتغال بما لایصح.

قال فی الشامی: (قوله: صلاة العید) ومثله الجمعة. (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۱/۵-۱۶۲)

بازاروں کے آس پاس کے مستقل گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یانہیں:

سوال: موضع چھوٹا متصل بازار کمتول کے واقع ہے اور بازار کی آبادی تین چار ہزار سے کم نہیں ہے، ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں، آیا موضع مذکورہ فناء مصر قرار دیا جاسکتا ہے، یانہیں؟ قرب وجوار کے مسلمان وہاں جاکر جمعہ ادا کریں، یا اپنے اپنے موضع میں پڑھیں؟ اور اہل قریہ اپنے موضع میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں، یانہیں؟

(۱-۲) ردالمحتار، باب الجمعة: ۶/۳-۷، مکتبة زکریادیوبند، انیس

(۳) رد المحتار، باب العیدین: ۱۶۷/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر

الجواب

جب کہ وہ موضع مستقل نام سے مشہور ہے اور شہر کے اغراض کے لیے نہیں ہے تو وہ فناء مصر نہیں ہے۔

فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علىٰ ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر فقد نص الأئمة علىٰ أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمى وغير ذلك،الخ. (۱)

قرب وجوار میں جو دیہات صغیرہ ہیں، وہاں کے باشندے اپنے اپنے دیہات میں ظہر پڑھیں، وہاں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے،(۲) البتہ اگر شہر میں جائیں تو وہاں جمعہ پڑھیں۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۳/۵-۱۶۴)

کیا دیہات والوں کو جمعہ کے لئے شہر آنا ضروری ہے:

سوال: دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور اگر نہ آویں تو آثم ہوں گے، یا نہ؟

الجواب

شہر کے قرب وجوار کے دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری نہیں ہے اور نہ آنے سے وہ آثم نہ ہوں گے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۴/۵)

مذکورہ عبارتوں کا مطلب کیا ہے:

سوال: **"اختلفوا فى تفسير المصر،قال فى النهاية:اختلفوا فيه فعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ:هوما يجتمع فيه مرافق أهله".**

اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟

"وعن أبى حنيفة رضى الله عنه:هوبلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق".

ان عبارات کا مطلب تحریر فرمائیں؟

---

(۱) رد المحتار،باب الجمعة:۸/۳،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير

(۲) وفيما ذكرنا إشارة الىٰ أنه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر ... ألاترىٰ أن فى الجواهر: لوصلوا فى القرىٰ لزمهم أداء الظهر.(ردالمحتار،باب الجمعة:۷/۳،مكتبة زكريا ديوبند)

و فى الخانية المقيم فى موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة عليه وإن بلغه النداء.(رد المحتار،باب الجمعة،مطلب فى شروط وجوب الجمعة:۲۷/۳،مكتبة زكريا ديوبند،ظفير)

(۳-۴) وشرط لافتراضها(أى الجمعة) ... فى غيره الا ما استثنىٰ بقوله (فان كان يسمع النداء) ...ثم ظاهر رواية اصحابنا لاتجب الاّ علىٰ من يسكن المصرأوما تيصل به فلا تجب علىٰ أهل السواد ولوقريباً وهٰذا أصح ماقيل فيه.(ردالمحتار، باب الجمعة،مطلب فى شروط وجوب الجمعة: ۲۷/۳،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس)

الجواب

جو کچھ عبارات مختلفہ مصر کی تعریف میں وارد ہیں، حال ان کا ایک ہے، وہ یہ کہ مصر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے، جس میں بازار و دوکانیں ہوں اور ضروریات ملتی ہوں، وغیرہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۵/۳)

چھوٹی بستی میں کسی مصلحت کی وجہ سے جمعہ جائز ہے:

سوال: ایک بستی میں لوگ جمعہ کا شوق رکھتے ہیں؛ مگر مذہب امام اعظم کی وجہ سے نماز ظہر ہی مثل دیگر ایام کے فرض عین تصور کر کے باجماعت ادا کرتے ہیں۔ اب تردد یہ ہو رہا ہے کہ آٹھویں دن لوگ جمعہ کے خیال سے جمع ہوجاتے ہیں اور مسائل وغیرہ سے مستفیض ہوتے ہیں۔ آیا اگر اس لحاظ و مفاد دین کو مدنظر رکھ کر جمعہ ادا کریں تو ظہر ذمہ سے ساقط ہوجاوے گی، اس موضع کی آبادی چار سو کی ہے اور اس کے متصل دوسرا قریہ ہے، جس کی آبادی دو ہزار کی ہے؟

الجواب

حنفیہ کو امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنی چاہیے، اپنے امام کے مذہب کے موافق قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے، ظہر باجماعت ادا کرنی چاہیے اور وہ قریہ جس میں چار سو آدمی آباد ہیں، قریہ صغیرہ ہے اور دوسری بستی جو اس کے قریب ہے، جس میں دو ہزار آدمی آباد ہیں، اس کی وجہ سے وہ قریہ صغیرہ قریہ کبیرہ نہ ہوگا۔

شامی جلد اول باب الجمعہ میں ہے:

”وفيما ذكرنا إشارة الى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات، الخ“. (ردالمحتار: ۵۳۷/۱)(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۴/۵)

گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: جمعہ گاؤں میں جائز ہے، یا نہیں؟ شرائط جواز وعدم جواز کیا ہیں؟ جس گاؤں میں عید ہوتی ہو، وہاں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ جمعہ اور عید کی شرطوں میں کچھ فرق ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ جس گاؤں کی آبادی ساڑھے چار سو کے قریب ہو اور مالیت لاکھ کے قریب ہو اور کل مذاہب کے باشندے ہوں، مگر مسلمان زیادہ ہوں، خانگی ضروریات کی چیزیں سب مل سکتی ہوں، ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ آیت وحدیث کے مطابق مطلع فرمائیں۔ مصر کا حال اور یہ کہ مصر کتنی آبادی کو کہتے ہیں؟ مصر کی شرطیں کیا کیا ہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں؟

الجواب

اس چھوٹے گاؤں میں جس کی آبادی ایک دو ہزار آدمیوں کی بھی نہ ہو، عندالحنفیہ جمعہ جائز نہیں ہے۔ جمعہ کی ادا اور وجوب کے لیے عندالحنفیہ مصر کی شرط ہے اور مصر شہر اور قصبہ کو کہتے ہیں، جہاں بازار اور کوچے اور ہر قسم کی دوکانیں

(۱)　ردالمحتار، باب الجمعة: ۷/۳، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

ہوں اور بڑے قریہ کو بھی حکم مصر کا دیا گیا ہے؛ مگر صورت مسئولہ میں جس گاؤں کا ذکر ہے کہ اس میں صرف ساڑھے چار سو آدمی کی آبادی ہے، وہ چھوٹا گاؤں ہے، اس میں جمعہ درست نہیں ہے اور جس گاؤں میں جمعہ درست نہیں، وہاں عید بھی درست نہیں ہے۔ شرائط وجوب واداء جمعہ اور عید کے ایک ہیں، کچھ فرق نہیں ہے، ہکذا فی الدر المختار وغیرہ۔ پس وہاں عید کی نماز بھی نہ پڑھنی چاہیے اور نہ جمعہ پڑھنا چاہیے۔ ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہیے۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے، جیسا کہ جملہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ فقط

قال العلامة الشامی ناقلاً عن القهستانی: وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق (إلٰی أن قال) وفیما ذکرنا إشارة إلی أنها لاتجوز فی الصغیرة. (شامی)(۱)

وقال فی الدر المختار: (تجب صلاتهما) فی الأصح (علٰی من تجب علیه الجمعة) بشرائطها المتقدمة، الخ. (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۷۳-۱۷۴)

جمعہ در قریہ:

سوال: در قریہ صغیرہ نماز جمعہ جائز است، یا نہ؟ ودراں جا کہ سلطان، یا نائب سلطان نہ باشد، جمعہ رواست، یا نہ؟ وتعریف قریہ بیان فرمایند؟

الجواب

در قریہ صغیرہ بمذہب امام ابوحنیفہؒ اقامت جمعہ درست نیست وتحقیق وتفصیل آں بکتب فقہ وغیرہ مبسوط است از آنجا دریابند ودر قریہ کبیرہ کہ اسواق وکوچہا دراں باشند جمعہ ادامی شود، کما صرح بہ الشامی۔ ودر تعریف ہماں قول معتبرست کہ اسواق وکوچہا دراں باشند وعادت مقام حکام باشد، ودر حقیقت تعریف شہر وقریہ حاجت بیان ندارد انچہ عرفاً آں را شہر نامند شہر است وانچہ آنرا قریہ وانند قریہ است اما ایں قدر ہست کہ قصبہ وقریہ کبیرہ ہم حکم مصر دارد واقامت جمعہ دراں جائز است۔ اگر سلطان، یا نائب سلطان نباشد درامصار جمعہ واجب است، کما صرح بہ الشامی۔ درانجا مسلمین امام معین ومقرر سازند اینہم کافی است۔ شامی جلد اول باب جمعہ راباید: "دید ودر امصار وقصبات وقریہ کبیرہ کہ اقامت جمعہ دراں ہا واجب است حاجت احتیاط الظہر نیست" وصاحب درمختار از بحر فتوی عدم جواز احتیاط الظہر نقل فرمودہ است، ہماں احوط است۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۷۴)

بحث جمعہ در سوال وجواب:

سوال: علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ضلع ارکان میں جانب غربی جنوبی میں ایک محکمہ ہے اور شرقی شمال

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفکر، بیروت

(۲) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب العیدین: ۲/۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس

جانب میں ایک بلند پہاڑ ہے اور تمام بستیاں اس طرح واقع ہیں کہ ہر ایک بستی دوسری بستی سے علاحدہ علاحدہ ہے۔ بستیوں کے درمیان نصف کوس، پون کوس، ایک کوس، ڈیڑھ کوس کا فاصلہ ہے اور کہیں باغات کا فاصلہ ہے، ہر ایک بستی میں مردم شماری دو ہزار، ڈیڑھ ہزار اور اس سے کم وبیش ہوتی اور اس محکمہ کے بعض حصوں میں منصفی، تھانہ، ڈاکخانہ، بازار، مدرسہ عربیہ، اسکول سرکاری ہوتے ہیں؛ مگر بازار دائمی نہیں ہے۔ اب گزارش یہ ہے کہ اتحاد منصفی کی وجہ سے کل محکمہ متحد کہلا سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر متحد ہے، ہر بستی میں جمعہ جائز ہے، یا کسی ایک خاص حصہ میں جائز ہوگا؟ اگر جائز نہ ہو تو کیوں نہ ہو، جب کہ صاحب درمختار نے مصر کی جو تعریف کی ہے، وہ تعریف یقیناً صادق آتی ہے اور اگر اس تعریف کو تسلیم نہ کیا جائے تو شامی وغیرہ نے جو تعریف کی ہے، وہ تعریف کیوں قابل تسلیم ہو اور ائمہ ثلٰثہ کے مذہب کے مطابق جواز جمعہ کا فتویٰ حنفی المذہب ضرورت کی وجہ سے دے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

أقول و باللّٰه التوفيق: مذہب حنفی جمعہ کے بارے میں یہ ہے کہ مصر؛ یعنی شہر میں واجب ہوتا ہے، قریہ صغیرہ میں واجب نہیں ہوتا اور قصبہ اور قریہ کبیرہ بھی جس میں بازار و دوکانیں وغیرہ ہوں، مصر کے حکم میں ہے، وہاں بھی جمعہ درست ہے، کما صرح بہ الشامی۔ پس علاحدہ علاحدہ بستیاں جن کے درمیان باغات وغیرہ کا فاصلہ ہے اور ان کے نام علاحدہ علاحدہ ہیں، وہ سب قریہ صغیرہ ہیں، ان میں جمعہ درست نہیں ہے اور منصفی کے اتحاد کی وجہ سے یہ سب قریے ایک بستی کے حکم میں نہیں ہو سکتے، البتہ ان میں جو جگہ اور بستی ایسی ہو کہ اس میں آبادی کم از کم دو ہزار آدمیوں کی ہو اور اس میں بازار و دوکانیں ہوں اور عرفاً وہ شہر، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہو، اس میں جمعہ صحیح ہے۔ صاحب درمختار کی تعریف "**المصر هو ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها**" بے شک اوسع ہے اور اس کی نسبت شامی نے لکھا ہے: "**هذا صدق على كثير من القرىٰ**"؛ مگر یہ تعریف ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے، نیز یہ مخدوش ہے؛ اس لیے کہ چھوٹی سے چھوٹی بستی اور قریہ صغیرہ پر بھی کبھی صادق آ سکتی ہے اور کبھی بڑے شہر پر بھی صادق نہیں آتی، جیسا کہ صاحب شرح منیہ نے فرمایا کہ حرمین شریفین پر یہ تعریف صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ وہاں "**مالايسع**" کا اطلاق نہیں آ سکتا؛ بلکہ ہمیشہ مسجدیں خالی وفارغ رہ جاتی ہیں۔ بہر حال با ایں ہمہ جس جگہ درمختار کی یہ تعریف صادق آ جائے اور بہت سے فقہا کے فتاویٰ کی بنا پر اس جگہ جمعہ کر لیا جائے تو گنجائش ہے، **كما في الدر المختار: عليه فتوىٰ أكثر الفقهاء.** فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۷۴-۱۷۵)

دیہاتوں میں جمعہ:

سوال: اکثر مسلمان این دیار بقری سکونت می دارند۔ ہر قریہ دو سہ ہزار مردماں می باشند؛ مگر در ہر مسجد جامع زاید از بست وبست وپنج حاضر نمی شود، چہ دریں دیار مسجد جامع در یک قریہ متعدد است، در چنیں قریہ نماز جمعہ گذاردن باید،

یانہ؟ احتیاطاً ظہر خاتم، یانہ؟ اکثر قریہ ہا متصل است، اگر بنام فرق نگشتے یک قریہ گفتہ می شد، درچنیں حال ایں چنیں قری متصل رایک موضع شمارم، یا متعدد؟

الجواب

اگر قریہ کبیرہ ہوتو نماز جمعہ اس میں درست ہے۔ شامی میں قہستانی سے منقول ہے:

"وتقع فرضاً في القصبات والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق". (۱)

اور احتیاط الظہر وہاں جائز نہیں ہے اور اگر قریہ صغیرہ ہے تو جمعہ وہاں نہ پڑھیں، ظہر با جماعت ادا کریں، نام کے بدلنے سے قریہ علاحدہ ہوجاتا ہے۔ فقط

کتبہ رشید احمد بلندشہر، الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۷۷۔۱۷۸)

حکم جمعہ درآبادی ہائے متفرق الاجزاء:

سوال: ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد بالغ عاقل اور قریب تین سو مرد بالغ کافر مقیم ہیں، اس میں ایک بازار، جس میں اشیائے ضروریہ ہمیشہ موجود رہتی ہے اور منصفی تھانہ، ڈاکخانہ، تارخانہ، شفاخانہ سب موجود ہیں، اب یہ بستی شہر کہلاسکتی ہے، یانہیں؟ اگر قریہ مانا جاوے تو ان مقیم مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے، یانہیں؟ اگر فرض نہ تو وہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی، یانہیں؟

(۲) ہمارے ملک برہما کی بستیوں میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلّف ہزار دو ہزار تک مقیم ہیں؛ مگر ایسی بستی بہت کم ہیں اور ادنیٰ درجہ میں بعضے قریہ میں دس بیس تک بھی موجود ہیں اور جہاں سو دو سو چار سو یا پانچ سو مرد مکلّف مقیم ہیں، ایسی بستیاں بہت ہیں، بعضے قریہ میں سات آٹھ سو تک بھی مقیم ہیں، اب ان بستیوں میں سے کوئی بستی بحکم شہر ہوسکتی ہے، یانہیں؟ اگر سب کو قریہ مانا جاوے تو ان بستیوں کے مقیموں پر جمعہ فرض ہے، یانہیں؟ اگر فرض نہیں ہے تو ان قریوں میں سے اگر کسی میں جمعہ ادا کیا جاوے تو ان کے ذمہ سے صلوٰۃ ظہر ساقط ہوگی، یانہیں؟ اگر بڑے بڑے قریہ میں جمعہ صحیح ہو تو ان بستیوں میں سے کون سی بڑی کہلاوے گی؟

(۳) بعض قریہ زراعت وغیرہ کی وجہ سے فقط میل آدھ میل کے فاصلہ پر بسا ہے، آپس میں ہر ایک کا نام بھی جدا جدا ہے؛ مگر اطراف میں دونوں ایک ہی نام سے مشہور ہیں، اب کیا دونوں کو علاحدہ علاحدہ قریہ مانیں گے، یا دونوں کو ملا کر ایک بڑی بستی مانی کی جاوے گی؟ ان سب سوالوں کے جواب مفصل اور مدلل سے ہم نابینا کی رہنمائی فرمائیں؟

الجواب

عبارت سوال سے تو ان آبادیوں کی صورت وحالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آئی، البتہ ایک دوست سے جو اس

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۶/۳، مکتبة زكريا ديوبند، انيس

نواح کے رہنے والے ہیں، تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گوآبادی وہاں کی متفرق حصے ہوکر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے، لیکن تاہم کئی کئی حصے مل کر ان سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں، مثلا دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے؛ لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے۔ گوان کے اندر باہم کسی قدر فصل بھی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزا میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں، جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں، ان کی یہی حالت ہے اور بعض امصار وقصبات کی بلا چھاؤنی بھی خود یہ حالت ہے، جیسے شاہ جہاں پور اور بعض قصبات ضلع سہارنپور ومظفرنگر کے کہ ان کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کھیت اور باغ فاصل ہیں؛ مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی۔ سو ہمارے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے، اس نواح میں کل، یا اکثر آبادیاں ایسی ہی ہیں، یہ حالت تو وہاں کی کل آبادیوں میں امر مشترک ہے، پھر باہم ان میں ایک تفاوت یہ ہے کہ ان ہی مجموعی آبادیوں میں سے بعض میں تو تھانہ ڈاکخانہ، منصفی وغیرہ ہے، گواس مجموعہ کے کسی خاص حصہ وپارہ میں سہی ایسے مجموعہ آبادی کومحکمہ کہتے ہیں اور بعض میں یہ چیزیں نہیں اور ان بعضوں کے رہنے والوں کو جب کوئی حاجت تھانہ، ڈاکخانہ وغیرہ کے متعلق واقع ہوتی ہے تو وہ ان محکموں میں جاتے ہیں اور ایک ایک محکمہ کے متعلق ایسی ایسی بہت آبادیاں ہوتی ہیں اور ایسی آبادیوں کو گاؤں کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ پس اس حکایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول قسم کا مجموعہ جو کہ وہاں محکمہ کہلاتا ہے، مصر ہے اور عرفا لفظ محکمہ لفظ مصر کا مرادف ہے اور دوسری قسم کا مجموعہ قریہ ہے، پس اس بنا پر مجموعہ آبادی قسم اول میں جمعہ صحیح ہے اور مجموعہ آبادی قسم ثانی میں جمعہ درست نہیں۔ اب مستفتی صاحب اپنی صورت مسئول عنہا کواس قاعدہ پر خود منطبق کرکے اس کے موافق جواب سمجھ لیں۔ پس جہاں جمعہ صحیح ہوگا، وہاں نماز ظہر ساقط ہوجاوے گی اور جہاں جمعہ صحیح نہیں، نماز ظہر فرض رہے گی اور اشتراط مصر کی روایات سے تمام متون وشروع وفتاویٰ مذہب حنفی کے مملو ومشحون ہیں۔ واللہ اعلم

۶ رشوال ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۷۵) (امدادالفتاویٰ جدید: ۶۱۴/۱-۶۱۶)

جواز جمعہ در قصبات:

سوال: زید کہتا ہے کہ ہندوستان کے قصبوں میں جمعہ وعیدین حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں؛ کیوں کہ جمعہ وعیدین کے لیے مصر (شہر) ہونا شرط ہے اور قصبے کسی طرح شہر نہیں، نہ عرف عام میں، نہ اور کسی عرف میں۔ حدیث وفقہ حنفیہ میں دو لفظ آئے ہیں: یا مصر (شہر) کا لفظ، یا قریہ (گاؤں) کا لفظ، قصبہ کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے، قصبے میں دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت سے تو اس شہر، یا مشابہ شہر کہہ سکتے ہیں۔ دوسری حیثیت سے گاؤں، یا گاؤں کے مشابہ کہہ سکتے ہیں۔ کھینچ

کھانچ کے شہر میں داخل کرتے ہیں؛ مگر یہ صحیح نہیں؛ بلکہ اسے قریہ (گاؤں) میں داخل کرنا چاہیے، چیز ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتی ہے، اعلیٰ کا ارذل کے تابع ہونے میں کچھ شک نہیں؛ بلکہ یقینی ہوتا ہے اور اعلیٰ کے تابع کرنے میں بے احتیاطی ہے؛ اس لیے قصبوں میں جمعہ وعیدین کو منع کرنا چاہیے، زید کا یہ کہنا کیسا ہے؟

(۲) شہر اور قصبے اور گاؤں کی کیا تعریف ہے؟ ان کی تعریفوں میں رقبے اور آبادی کو بھی دخل ہے، یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں کا اتنا رقبہ ہو، اتنی آبادی ہو تو گاؤں ہے اور جہاں کا اتنا رقبہ اتنی آبادی ہو، وہ قصبہ اور جہاں کا اتنا رقبہ اور اتنی آبادی ہو، وہ شہر ہے اور رقبے اور آبادی کی مقدار معین کرتے ہیں؛ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تھوڑے رقبے اور تھوڑی آبادی گھٹ بڑھ جانے سے تعریفوں میں فرق نہ آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جامع مانع تعریف نہیں بتاتے، جو تعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے، یہ تو ہر حنفی جانتا ہے کہ ہمارے مذہب کی رو سے گاؤں میں جمعہ وعیدین جائز نہیں؛ مگر گاؤں کی جامع تعریف نہ جاننے سے اور تعریف میں رقبے اور آبادی کو داخل سمجھ کر عمل کرنے سے اکثر غلط واختلاف وتنازع پیدا ہے؛ اس لیے جامع مانع تعریف کی اشد ضرورت ہے، جو لوگ تعریفوں میں معین رقبے اور معین آبادی کو داخل سمجھتے ہیں، ان کا استناد کسی حدیث و درایت فقہ سے ہے، یا نہیں؟

(۳) ایک مقام عرف عام میں قصبہ دوسرا گاؤں کہا اور سمجھا جاتا ہے؛ لیکن یہ قصبہ اپنے رقبہ، یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا چھوٹا ہے کہ اس کو گاؤں سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس قصبہ میں جمعہ وعیدین سے منع کریں گے؟ علی ہذا القیاس وہ گاؤں اپنے رقبے، یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے کہ اس کو قصبہ سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وعیدین کی اجازت دیں گے؟

(۴) ضلع سلطان پور ملک اودھ میں مسافر خانہ ایک مقام ہے، اگر اس کی آبادی پر نظر ڈالی جائے تو ایک چھوٹا گاؤں ہے؛ مگر یہ عرف عام میں قصبہ بولا اور لکھا جاتا ہے اور عرف عام ہی کے لحاظ سے غالباً سرکاری کاغذوں میں بھی قصبہ لکھا جاتا ہے، اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہاں پختہ سڑک ہے، سواری کو یکے ملتے ہیں، بازار ہے، جو روزمرہ کی ضروری اشیا دیتا ہے، آبادی سے باہر ہفتے میں غالباً دوبار بڑا بازار لگتا ہے، جس میں باہر کی خرید وفروخت کرنے والے آتے ہیں، تیل کا کارخانہ ہے، ڈاکخانہ اور بہت بڑا ڈاکخانہ ہے؛ یعنی برانچ پوسٹ آفس نہیں ہے، سرکاری ہاسپٹل (شفاخانہ) ہے، سرکاری اسکول ہے؛ مگر آبادی کی کمی سے مڈل کلاس تک خواندگی نہیں ہے، جیسے عام طور پر قصبوں میں ہوتی ہے، درجۂ سوم تک خواندگی ہے، جیسے دیہات میں ہوتی ہے، تھانہ (پولیس اسٹیشن) ہے، کانجی ہاؤس ہے، تحصیل کی کچہری ہے، منصفی کی کچہری ہے، تحصیل کا خزانہ الگ ہے، ڈاکخانہ کے متعلق سیونگ بنک الگ ہے، ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے، جس میں حکام انگریزی آکر ٹھہرتے ہیں اور مقامی حکام کے لیے علاحدہ پختہ سرکاری مکان بنے ہوئے ہیں، پختہ تالاب ہے، مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے متعدد سرائے ہیں، دو مسجدیں ہیں، ایک میں جمعہ ہوتا ہے، آبادی

کے باہر عیدگاہ بنی ہوتی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے قصبہ میں جو باتیں آج کل عرف عام وعرف سرکار انگریزی کے لحاظ سے ہوتی ہیں، وہ سب بحیثیت مجموعی یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں تو کیا آبادی کی کمی پر لحاظ کر کے اور اس کو قریہ اور گاؤں قرار دے کر یہاں جمعہ وعیدین سے لوگوں کو منع کرنا چاہیے، یا عرف عام ومؤیدات عرف عام پر لحاظ کر کے جمعہ وعیدین کی اجازت دینا چاہیے؟

(۵) اگر کوئی شہر، یا قصبہ کسی وجہ سے بالکل خالی ہوجاوے اور کوئی آدمی وہاں نہ رہ جاوے، اب اتفاق سے چند مسافر، یا مقیم وہاں آئیں اور جمعہ، یا عیدین پڑھیں تو جمعہ عیدین پڑھنا صحیح ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

(۱) **فی ردالمحتار عن القهستاني: "وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق"، اه.** (۸۳۶/۱)(۱)

یہ روایت صریح ہے قصبات کے محل جمعہ وعیدین ہونے میں اور مانع کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قصبہ عرف عام میں شہر نہ ہونا غیر مسلم ہے، ہم نے خود اہل عرف کو دیکھا ہے کہ کسی قصبہ کے گردونواح کے دیہاتی لوگ جب مطلق شہر بولتے ہیں تو وہی قصبہ مراد ہوتا ہے اور قصبہ کے آنے جانے کو شہر کا آنا جانا محاورات میں بولتے ہیں۔پس فقہ اور حدیث میں جو لفظ مصر آیا ہے، وہ اس کو بھی شامل ہوا۔آگے تمام تقریر اس پر متفرع ہے، اصل کے جواب سے فرع کا جواب بھی ہوگیا۔

(۲) خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے: **"إنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم"،** الخ اور جس قدر تعریفیں فقہا نے کی ہیں، سب کا مرجع ومآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں، معنوں واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہوجاوے، امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے؛ **لأنه زيادة في الدين.** باقی رہی ضرورت رفع نزاع، سو مثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلیٰ بہ اور وقت تعارض آرا کے عدول ثقات کا قول معتمد ومعتبر ہوگا اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو، اس کے لیے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں۔

(۳) تعریف بالا سے ظاہراً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل؛ یعنی مقدار، یا آبادی کی کم منفصل؛ یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں؛ بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے، **كما نقل في الجواب عن السؤال الأول من تقييد القرىٰ بالتي فيها سكك وأسواق،** اس بنا پر اگر ہیئت آبادی کی مثل شہر وقصبہ کے ہے محل جمعہ کہیں گے، ورنہ گاؤں سمجھیں گے، فاعتبر ہذا۔

(۴) عبارت سوال سے جو صورت اس مقام کی ذہن میں آتی ہے، اس کے اعتبار سے اس کو قصبہ کے حکم میں سمجھنا ارجح ہے، وقد مر في الجواب عن السوال الثالث اعتبار هيئة العمارة لا المقدار ونحوه۔ واللہ اعلم

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۶/۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس

(۵)　لأنـه وإن لـم يـعتبـر حـد خـاص من العمارة لكن يشترط نفس العمارة، كما في الدر المختار وجازت الجمعة بمنى في الموسم ...(قوله: ووجود الأسواق والسكك).(۱)

ولـمـا مـر فـي الـجـواب من السوال الثاني من قوله: وفيها والٍ، الخ، فدل علىٰ اشتراط وجود الناس فيها الحاكم و المحكومين وهٰذا ظاهر جداً. واللہ اعلم وعلمہ اتمّ واحکم

۱۶/ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/ ۵۹) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۱۶-۶۱۹)

جواز جمعہ درقریۂ کبیرہ:

سوال: بڑا قریہ کہ جس میں چار سو، یا ہزار دو ہزار، تین ہزار آدمی رہتے ہوں اور سوائے قتل وقصاص وقطع ید کے جملہ احکام شرع شریف کے بجالاتے ہیں اور امور متنازعہ میں علمائے وقت کی جانب رجوع کرتے ہیں، موافق شرع شریف کے عمل درآمد کرتے ہیں اور اس موضع میں مدرسہ علوم دینیہ کا موجود ہے اور بازار بھی موجود ہے، جن میں اکثر حوائج وضروریات کی اشیا ہر وقت ملتی ہیں، اس موضع میں گورغریبان، یا معین کوئی قبرستان نہیں ہے، بلکہ مردہ کو اپنے اپنے باغیچہ میں دفن کرتے ہیں۔ غرض اکثر موضع ایسے ہیں، جن میں بازار موجود ہیں اور جس میں بازار نہیں ہے، اس میں بازار والے موضع میں صرف آدھ میل کا فاصلہ ہے، چار پانچ موضع مل کر مجموعہ کا ایک نام ہے اور یہ مواضع بمنزلہ محلات شہر کے ہیں، ان میں زیادہ فاصلہ نہیں؛ لیکن ایام برسات میں دو تین مہینے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے اور مہینوں میں مثل ہندوستان کے بلاکشتی کے پھرتے ہیں۔ پس اگر ایسے بڑے قریہ میں جمعہ وعیدین قائم کرلیں، عندالشرع صحیح ہوگا، یا نہیں؟ جواب مع حوالۂ کتب تحریر فرمائے۔

الجواب

یہ مذہب حنفی میں مصرح ومتفق علیہ ہے کہ مصر شرائط جمعہ سے ہے اور اہل فتاویٰ نے قصبات وقریٰ کبیرہ کا حکم مصر میں فرمایا ہے، کـمـا فـي ردالمحتار: وعن القهستاني وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات.(۲)

رہا یہ کہ مصر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ سو مصر کے باب میں خود صاحب مذہب کا جو قول ہے، اس کو علامہ شامی نے تحفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ "عـن أبـي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق لها رسـاتـيـق وفيها والٍ يقدر علىٰ إنصاف المظلوم من الظالم ... وهٰذا هو الأصح.(۳) اور قصبات اور قریٰ

(۱)　الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱٤٤، دار الفكر بيروت، انيس

خلاصہ جواب: یہ ہے کہ صورت مسئولہ (یعنی: ۵) میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں آبادی کی کوئی خاص حد تو مقرر نہیں ہے؛ لیکن نفس آبادی کا وہاں ہونا ضروری ہے، پس جب صورت مسئولہ میں وہاں آبادی نہیں رہتی تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم (سعید)

(۲)　رد المحتار، باب الجمعة: ۳/ ٦-٧، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳)　رد المحتار، باب الجمعة: ۳/ ٥-٦، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

کبیرہ کی تعریف اوپر کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے،جس کا حاصل لفظ اسواق وقاضی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آبادی مصر کی سی ہواوراس میں حاکم بھی ہو،پس جوقریٰ سوال میں مذکور ہیں،وہ نہ مصر ہیں،نہ قصبہ،نہ قریہ کبیرہ،لہذا وہاں جمعہ صحیح نہیں،البتہ اگرکوئی آبادی ایسی ہوکہ اہل عرف اس کے مجموعہ اجزا کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں،وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جاوے گا؛لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں؛کیوں کہ ضلع وقسمت (۱) کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے؛ بلکہ وحدت تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں۔واللہ اعلم

۲۷ رمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ:۱۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۱۹_۶۲۱)

سوال: جناب مولانا صاحب السلام علیکم

بعد سلام کے عرض ہے کہ موضع ساران ضلع میرٹھ کا ایک قریہ ہے اوراس میں جاٹ مسلمان رہتے ہیں اور ہر چہار جانب اس کے دیگر دیہات میں جاٹ ہندو رہتے ہیں، پانچ پانچ چار چار کوس کوئی گاؤں مسلمانوں کا نہیں ہے، اس گاؤں ساران میں تین مسجدیں ہیں اور قدیم سے اس جگہ جمعہ اورعیدین نماز ہوتی ہے؛مگر دیہات قرب وجوار کے مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے ہیں،وہ ہمیشہ عیدین کی نماز یہاں آکر پڑھتے ہیں۔ نیز اپنے قربانی کے جانور یہاں لاکر ذبح کرتے ہیں؛ کیوں کہ یہ موضع بطور مرکز کے ہے،درمیان دائرہ کے یعنی ہر چہار جانب ہندو اور یہاں مسلمان ہیں،مردم شماری یہاں کی تین ہزار سو ہے ،بائیس دوکانیں مہاجنان کی ہیں،مدرسہ سرکاری بھی قائم ہے اور خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب یہاں من جانب سرکار واسطے انفسال مقدمات کے منصف مقرر ہیں اور پیش امام سید ساکن گنگرو باپ دادا سے امامت کراتے چلے آتے ہیں،بیس تیس؛ بلکہ زیادہ ناظرہ خواں دوحافظ قرآن خواں اوردس بیس آدمی منشی وحکیم وغیرہ یہاں موجود ہیں،قدیم سے یہاں جمعہ ہوتا ہے؛لیکن جب سے یہ چرچا ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، دیہات گردونواح کے نمازی نہیں آتے اور یہاں کے بھی اکثر سستی کرتے ہیں اور مسجد اس قدر بڑی ہو کہ شاید دس بیس قصبوں میں نہ نکلے اور پنج گانہ نمازی سو،سوا سو جمع ہوجاتے ہیں اور مولوی مظفرحسین صاحب بھی یہاں تشریف لائے، ایک دو دفعہ توانہوں نے بھی یہاں جمعہ پڑھا،اب دیگر علما یہاں آتے رہے اور وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے رہے اوراب بھی جمعہ ہوتا ہے؛مگر برادری کے دوگروہ ہوگئے ہیں،ایک ابھی پڑھتا ہے اور ایک انکار کرتا ہے،لہذا یہ پرچۂ قرطاس حضور کی خدمت میں ارسال کرکے امیدوار ہیں کہ جواب اس کا مفصل ومشرح تحریر فرما کر بھیج دیں کہ یہاں جمعہ ہوتا ہے، یہ درست ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب

یہ مسئلہ تو صحیح ہے کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز مذہب حنفی میں درست نہیں؛مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے

(۱) قسمت کے معنیٰ ضلع اور صوبہ دونوں ہیں اور یہاں دونوں صحیح ہوسکتے ہیں۔

ہیں، جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو، اس کا حکم مثل قصبات وامصار کے ہے اور موضعا سارا ان کی جو حالت سوال میں لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار تین سو کی ہے، وغیرہ وغیرہ، اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے، جس کو فقہا نے قریہ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ وعیدین کو صحیح کہا ہے، اس بنا پر موضع مذکور میں عیدین وجمعہ درست ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: اشرف علی، ۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۲۱-۶۲۲)

اس جواب کے لکھنے کے بعد جس کی نقل اوپر موجود ہے، احقر نے خود موضع ساران کو دیکھا، تحقیق سے معلوم ہوا کہ مردم شماری میں تعداد مندرجۂ سوال بالا سے اور بھی اضافہ ہوا ہے اور دو کانیں بھی زیادہ ثابت ہوئیں ؛ یعنی قریب چالس کے، البتہ متصل نہیں ہیں اور باقی حالات جو سوال میں مذکور ہیں، سب صحیح محقق ہوئے۔ اس کے بعد روایات فقہیہ کی طرف رجوع کیا، مصر کے بارے میں اقوال بکثرت ہیں، بعض میں افراط ہے، بعض میں تفریط، بعض اعدل واوسط ہیں اور وہی احق بالقبول ہیں اور ہر حال میں موضع مذکور اعدل الاقاویل پر مصر ہیں تو داخل نہیں؛ لیکن فقہا کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات وقریٰ کبیرہ بھی حکم مصر میں ہیں، چناں چہ ردالمحتار (۱/ ۸۳۶) میں مصرح ہے:

وعبارة القهستاني: وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، آه.(۱)

اور نظر برحالت مذکورۂ سوال ومحققہ بعد السوال موضع مذکورہ قریٰ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے اور کبیرہ وصغیرہ میں مابہ الفرق اگر آبادی کی مقدار لی جاوے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوا کہ حکام وقت جو کہ حکمائے تمدن بھی ہیں، چار ہزار کی آبادی کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہے۔ پس موضع مذکور اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں اور مؤید اس کی وہ حکایت ہے، جو بعض احباب ساکنان بڑوت سے جو کہ موضع مذکور میں بلاتی ہوئے مسموع ہوئی کہ باغپت کے تحصیلدار سے معلوم ہوا کہ سرکار کا ارادہ چند مواضع کو قصبات میں شمار کرنے کا ہے اور بعض جگہ اس کا انتظام بھی شروع ہو گیا ہے، من جملہ ان کے موضع مذکور بھی ہے اور اگر مابہ الفرق وہ صفات لی جاویں، جو روایت مرقومہ میں کبیرہ صغیرہ کی صفت میں وارد ہیں؛ یعنی اسواق وحاکم وخطیب ومنبر کا ہونا نہ ہونا تو بھی موضع مذکور قریٰ کبیرہ میں داخل ہے؛ کیوں کہ اسواق بقرینہ مقام اسم جنس ہے، جو واحد کو بھی شامل ہے، سواتنی دوکانوں سے ایک سوق کا مہیا ہو جانا متیقن ہے۔ اب صرف شبہ عدم اتصال سے ہو سکتا ہے، سوتأمل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر دو وقت کے حوائج ضروری میں وہاں کے سکان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں، سو اس غرض کے حصول میں اتصال وانفصال برابر ہے، چناں چہ مولانا بحر العلوم نے رسالۂ ارکان اربعہ میں اپنے والد قدس سرہ کا قول جو نقل کیا، اس سے اس کی تائید ہوتی ہے ، حیث قال:

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۳/ ۶-۷، مکتبة زكريا ديوبند، انيس

”وکان مطلع الأسرار أبی قدس سره يفتی بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناک من يبيع طعاما والكسوة الضرورية وأن يكون هناک أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً“،آه.(١١٤)(١)

وأيضاً يؤيده ما فی المضمرات فی تعريف المصر هو أن يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلٰى سنة من غير أن يحتاج إلى حرفة اخرى.(مجموع الفتاویٰ المولانا عبد الحی:٦٢/٣)

اسی طرح حاکم کا ہونا عام ہے کہ بڑا ہو، یا چھوٹا ہو، سوموضع مذکور میں منصف کے مقرر ہونے سے یہ امر بھی حاصل ہے اور منبر اور خطیب کا ہونا تو خود فرع ہے حالت مذکورہ کی کہ ایسی جگہ عادۃً خطیب ومنبر ہوتا ہی ہے و نیز چند صاحبوں سے مسموع ہوا کہ کسی وقت میں جب کہ یہاں افغان آباد تھے، بارہ تیرہ ہزار کی مردم شماری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی زمانہ پرانی محض کا اس پر نہیں گزرا۔ پس اس وقت تو صحت ایسی حالت نہ ہو کہ بالیقین جمعہ غیر صحیح ہو، اس وقت تک بحکم استصحاب حال صحت مذکورہ کو باقی سمجھیں گے اور ایسی حالت کا تخلل نہ درمیان میں ثابت ہوا اور نہ اب ہے۔ پس حالت اشتباہ میں بھی جانب صحت کی راجح ہوگی و نیز ترک جمعہ سے جو آثار وہاں واقع ہوئے، یا متوقع ہیں، مثل ترک کردینے جوار کے بعض لوگوں کے نماز کو اور مثل نااتفاقی باہمی کے، جس سے ان لوگوں کے مساعی متعلقہ اصلاح الرسوم میں ضعف قوی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، ان کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اگر جواز جمعہ کی بقول مرجوح بھی گنجائش ہو تو حکم جواز کا کردیا جاوے۔ ہاں! اگر عدم صحت متیقن ہوتی تو دوسری بات تھی ؛ مگر عدم صحت درجہ یقین میں نہیں، غایت مافی الباب حالت اشتباہ کی ہے، کما یظھر بالامعان اور اگر اشتباہ کو کوئی قوی سمجھا جاوے تو ظہر احتیاطی کا بھی امر کردیا جاوئے۔ بعد تحریر تقریر ہذا اسلام نگر ضلع سہارنپور سے فیض محمد خان صاحب ابن حاجی محمد یسین خانصاحب کا میرے خط کے جواب میں خط آیا، انہوں نے وہاں کی مردم شماری تین ہزار تین سو چھ آدمی لکھی ہے اور دکانیں ۱۹ بطور مختلف اور حضر مولانا گنگوہی کی اجازت واسطے جماعت نماز جمعہ کے لکھی ہے، جس کی روایت اپنے والد دیگر اشخاص سے لکھی ہے، اس سے بھی تائید فتویٰ ہذا کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: محمد اشرف علی، ۱۱/صفر ۱۳۲۸ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۲۱/۱-۶۲۴)

اس پر مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی کا والا نامہ آیا، جو ذیل میں منقول ہے:

ملجائے نیازمندان جناب مولانا صاحب مدظلہ العالی از بندۂ ناچیز صدیق احمد عفی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض خدمت فیض درجت ایں کہ والا نامہ شرف صدور لاکر باعث افتخار ہوا، بندہ نے چاہا کہ فتویٰ عالیہ کو فی الفور ساران روانہ کردے؛ لیکن کوئی آدمی نہیں ملا اور نیز بندہ بڑوت چلا گیا تھا، کل لفافہ ملا؛ لیکن بندہ کو آپ کی تحقیق کے

(۱) رسائل الأركان، شرائط الجمعة، ص: ١١٤، المطبع اليوسفی، انيس

بعد چند خلجان فقہا کے کلام میں لاحق ہوگئے؛اس لیے مؤدبانہ ان کی استکشاف کا متدعی ہے۔اولاً ارشاد ہے کہ موضع ساران اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔آپ نے شامی میں "وتقع فرضاً في القصبات والقریٰ الكبيرة التي فيهاأسواق" کا حاشیہ لکھا ہے:"القصبات جمع قصبة وهي القرية فيكون عطف القریٰ عليه عطف تفسير". (۱)جب کہ فقہا کے نزدیک قصبہ اور قریہ کبیرہ ایک چیز ہے یہ تفرقہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ غرض ہے کہ ہمارے عرف میں قصبہ نہیں تو یہ امر خارج از مبحث ہے،آبادی کی مقدار کو قصبہ یا قریۂ کبیرہ کی تحقیق میں اگر دخل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ تتبع سے معلوم ہوا کہ اس مقدار میں شروط مصریت کا تحقق غالبًا ہوجاتا ہے؛ یعنی چار ہزار سے زائد میں وجود سکک واسواق وابینہ مثل ابینہ منیٰ قائم ہوجاتا ہے اور فقہائے سابقین سے بھی یہ تخمین وتتبع منقول ہے،چناں چہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:"لانسلم أنها أی جواثیٰ قرية بل هي مدينة كماحكينا على البكری وغيره حتیٰ قيل كان يسكن فيها فوق أربعة آلاف نفس والقرية لاتكون كذلک" (۲)یعنی چار ہزار سے زائد میں مقدار قریہ نہیں ہوتی؛ بلکہ قصبہ،یا شہر ہوتی ہے اور حکام وقت کے عرف کا مقتضی بھی یہی ہے کہ چار ہزار سے کم قصبہ نہیں بنانے تو عرف شرعی اور عرف حکمائے تمدن کے اعتبار سے چار ہزار سے کم ہرگز قصبہ،یا قریہ کبیرہ نہ ہوا اور چوں کہ عدد مذکور حد محدود ہے تو کسر کالعدم نہ سمجھی جاوے گی اور حضرت خان صاحب کی حکایت غپ شپ سمجھئے،وہ ہرگز قابل التفات نہیں۔باقی رہا اسواق وسکک وانبیہ منی،سو بندۂ ناچیز کے خیال میں یہ امور قریٰ کبیرہ صغیرہ میں فارق ومابہ الامتیاز ہوئے ہیں،ملاحظہ فرمائے شیخ کمال الدین ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:

"وقد وقع الشک في بعض قریٰ مصرمما ليس فيها والٍ وقاض نازلان بها،بل لها قاض يسمى قاضي الناحية وهو قاضي يولى الكورة بأصلها فيأتي القرية أحياناً ووالٍ كذلک هل هومصر نظراً إلىٰ أن لها والياً أولا نظراً إلىٰ عدمها بها والذي يظهر اعتباركونهما مقيمين بها وإلا لم تكن قرية أصلًا إذكل قرية مشمولة بحكم". (۳)

قال في النهر:مقتضیٰ اشتراط أن تبلغ أبينتها أبينة مِنیٰ وكذا ما مرعن الإمام من اشتراط أن يكون لها سكک وأسواق عدم تمصرها ولوكانا مقيمين بها ويوافقه مامر عن الخلاصة أي من قوله الخليفة اذسافر وهو في القریٰ ليس له أن مجمع بالناس سياتي ما يؤيده أيضاً انتهٰى،قلت ينبغي حمل كلام هٰذا الامام المحقق على القرية المستوفية بقية الشروط؛لأنه أجل من أن يخفى عليه مثل ذلک.(حاشية البحر لابن عابدين)(۴)

(۱) رد المحتار مع الحاشية،باب الجمعة:۱۳۸/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) عمدة القاری،باب الجمعة في القریٰ والمدن:۵۳/۲،دارالفكر بيروت،انيس

(۳) فتح القدير،،باب الجمعة:۵۱/۲،دار الكتب العلمية،بيروت،انيس

(۴) منحة الخالق على البحر الرائق،صلاة الجمعة بمنیٰ وعرفات:۱۵۳/۲،دارالكتاب الإسلامي بيروت،انيس

حاصل کلام یہ ہے کہ محقق ابن الہمام کے کلام کا تبادر یہ ہے کہ قاضی اور والی اگر مقیم قریہ ہوں گے تو مصر اصطلاحی محقق ہو جائے گا، صاحب نہر اعتراض کیا کہ یہ غلط ہے وجود ابنیہ مثل منی اور سکک اور اسواق کا وجود تحقق مصر اصلاحی میں ضروری ہے، چناں چہ اگر بادشاہ سفر کر کے مقیم قریہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتا ہے۔صاحب ردالمحتار نے اعتراض تسلیم کر کے عذر کر دیا کہ محقق کا کلام قریہ مستوفیہ شروط پر محمول ہے تو معلوم ہوا کہ مصر اصطلاحی کا تحقق وجود سکک واسواق وابنیہ مثل منی پر موقوف ہے اور جب کہ مصر کا تحقق سکک واسواق وابنیہ پر موقوف ہے تو کم از کم ہر مصر میں تین کوچے اور تین بازار ہونے چاہئیں اور عرف میں بازار اماکین مجتمعہ مسلسلہ کا نام ہے؛ لیکن مجمع البحار میں ہے: ''السوق سمیت بها لأن التجارة تجلب إليها وتساق المبيعات نحوها'' یعنی اس لیے سوق نام ہوا کہ تجار اس کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اموال مبیعہ اس کی طرف لائے جاتے ہیں اور حد مصر میں بازار اس کا نام ہے کہ کثرت تجار وکثرت امتعہ خواہ متصل ہوں، خواہ منفصل مگر کم سے کم تین جگہ بھیڑ بھڑ کا ہو، علامہ عینی (عمدۃ القاری جلد سوم، ص:۲۶۳) شعر امراء القیس کو استدلال میں لائے ہیں:'' {ورحنا كأنا من جواثیٰ عيشة. نعالی النعاج بين عدل ومحقب } يريد كأنا من تجار جواثی لكثرة ما معهم من الصيد وأراد كثرة أمتعة تجاز جواثی. قلت: كثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار وكثرة التجار تدل علىٰ أن جواثی مدينة قطعا، انتهیٰ''. (۱) تو انصاف کی ضرورت ہے کہ قریہ ساران میں کہاں بھیڑ بھڑ کا تجار کی ہے اور کس جگہ کثرت ہے اور دکاکین متفرقہ کا مقامات متفرقہ بلا کثرت امتعہ وتجار کون سے بازار پر محمول کریں؟ عرفی یا شرعی، میرا خیال ہے ہے کہ بازار اصلاً نہیں؛ مگر چوں کہ ہر قریہ میں بقدر جماعت سکان دو چار دکانیں ہوا کرتی ہیں اور ان دکانوں سے وہ قریہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا، اسی قسم کی سمجھئے اور مصر مصطلح میں جو بازار ہے، وہ اہل سوق اور اہل تجارت بنانے کے لیے ہے، جو خواص امصار وقصبات سے ہے، جس کے اتصاف سے ہے اہل قری معریٰ ہیں، غالباً یہی وجہ ہوگی کہ نماز کے باب میں جہاں کہیں امر کیا ہے، جیسے ﴿أقم الصلاة لدلوك الشمس﴾(۲) اور ﴿أقم الصلاة طرفی النهار﴾ وغیرہ، اس میں تجارت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اطلاق رکھا اور خاص جمعہ میں اہل اسواق اور اہل تجارت کو خاصۃً خطاب فرمایا ہے، ﴿يا أيها الذين آمنوا اذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الیٰ ذكر الله وذروا البيع﴾ (۳) اور آگے ﴿واذ ارأو تجارة أو لهوا انفضوا إليها﴾ اور حاصل کلام والدمرحوم بحر العلوم یہ ہے کہ مصر وہ ہے کہ جس میں جمیع مایحتاج ملتی ہو، بندہ کو تجربہ صحیحہ مکررہ سے معلوم ہو چکا کہ مایحتاج اس قریہ میں نہیں ملتی، کیا سونف کا سنی ہے، وہ بھی ٹیکری سے لاتے ہیں اور وہ جوامیر کی جگہ منصف مقرر کیا ہے، قال فی رد

(۱) عمدة القاری، باب الجمعة فی القریٰ والمدن: ۱۸۷/٦، دار إحياء التراث العربی بيروت، انيس
(۲) سورة الاسراء: ۷۸، انیس
(۳) سورة الجمعة: ۹، انیس

المحتار: ثم المرار من الأمير من يجرس الناس ويمنع المفسدين ويقوى أحكام الشرع، كذا في الرقائق، انتهٰى. (۱) اوران حضرات کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ بیس روپے کا دعویٰ مع سودڈگری کر دیتے ہیں اور وہ جو کہا جاتا ہے زمانۂ افغان میں بارہ تیرہ ہزار کی آبادی تھی، اول تو دعویٰ بلا دلیل ہے، علاوہ ازیں'' وجازت الجمعة بمنى في الموسم فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق أو مكة ووجود الأسواق والسكك''. (الدرالمختار) ''أي فلا يصح في منٰى في غير أيام اجتماع الحاج وفيها لفقد بعض الشروط''. (ردالمحتار) (۲) یہاں استصحاب حال کا محل نہیں؛ بلکہ ارتفاع الحكم بارتفاع العلة ہے؛ یعنی جو جواز جمعہ کی علت مفقود ہوئی اور عدم جواز یقینی ہو گیا، اليقين لا يزول بالشك کا محل نہیں رہا؛ بلکہ اليقين لا يزول إلا باليقين کا محل ہے اور جو حضرت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت افتاء جواز جمعہ کیا گیا، وہ محض افترا ہے، مجھ کو یقینی معلوم ہے کہ حضرت قدس سرہ چار ہزار سے زائد پر فتویٰ دیتے تھے، لاغیر اور جو کچھ مفاسد جواز جمعہ کے فتویٰ سے لاحق ہوتے ہیں، علما کو ان کا لحاظ ضروری ہے، نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ بدعت اور مکروہ تنزیہی ہے اور ظہر جو اصل فریضۂ وقت ہے، اس کا ترک، یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے۔ اب بندہ منتظر ہے کہ ان مضائق سے میری خلاصی فرمادیں؟ بینوا توجروا۔　　(راقم بندہ صدیق احمد از کاندھلہ)

الجواب ـــــــــــــ عن المكتوب السابق

بخدمت مولانا المخدوم المکرّم دامت برکاتہم از احقر اشرف علی عفی عنہ　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ارشادات عالیہ کے بعد کچھ عرض کرنا بلا شبہ سوادب سے خالی نہیں؛ لیکن جناب کا اذن اول رقیمہ کریمہ اور امر اس کے آخر میں حامل اظہار مافی الضمیر ہو، ارجا عفو کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ اس معروضہ پر اگر اور کچھ ارشاد ہو تو بدیں سبب کہ مکرر عرض کرنے کی میری ہمت نہیں، مجھ کو اطلاع کی بھی حاجت نہیں ہے؛ بلکہ اس سے احسن بشرطیکہ طبع حسامی کو ناگوار نہ ہو، یہ ہے کہ قلمبند فرما کر مع دیگر تحریرات سابقہ متعلقہ شقین کے دیوبند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدظلہم کی خدمت میں، یا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام فیوضہم کے پاس ارسال فرمادی جاویں اور اگر مصلحت ہو تو دونوں شق کے مضامین کی محض نقل بلا اظہار نام صاحب مضمون بھیج دی جائے؛ تاکہ وہ حضرات اپنی رائے آزادی سے ظاہر فرما سکیں اور اگر حکم ہو تو وہاں بھیجنے کی خدمت کو میں انجام دیدوں، پھر اگر باحتمال بعید احقر کے موافق ہو، تب بھی اس کے مقتضا پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر جناب کے موافق ہو تو میں اس پر عمل ضرور کروں گا اور اگر وہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہو تو میں آخری رائے کا اعلان، یا اس کے موافق فتویٰ نہ دوں گا۔ اب مدعا عرض کرتا ہوں، یہ

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب في نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱٤٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس

ارشاد کہ حاشیہ لکھا ہے، الخ، حاشیہ میں نے نہیں دیکھا ہے، معلوم نہیں محشی کون ہیں اور علی تقدیر التسلیم صرف تسامح عنوان میں ہوگا، معنوں پر نظر کر کیوں کہہ دیا جاوے گا کہ یہ قصبہ وقریہ کبیرہ ہے باعتبار حقیقت کے گو باعتبار تسمیہ کے نہ ہو اور عمدۃ القاری کے قول ''والقرية لاتكون كذلک'' سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اتنی آبادی کو قریہ نہ کہیں گے؛ مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم قصبہ نہ کہیں گے، چوں کہ جواثی میں اتفاق سے چار ہزار سے زیادہ آبادی نہ تھی؛ اس لیے کلام میں اسی عدد کا ذکر آ گیا اور ہر حال میں عدد مذکور چوں کہ منصوص شرعی نہیں، لہذا تحدید حقیقی نہ کہیں گے، محض تخمین کہیں گے، جس میں کسر کی کمی بیشی غیر معتبر ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ تمصر میں وجود سکک اسواق وابنیہ مثل منیٰ کو دخل ہے؛ لیکن قریہ معہودہ میں سکک کا وجود تو ظاہر ہے اور ابنیہ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں، رہا منی کی حد کو پہنچنا، سو خود ابنیہ منیٰ ہی کا عدد معلوم نہیں کہ نفی اثبات میں مماثلت کا دعویٰ ہو سکے، غالباً مقصود مثال سے کثرت معتد بہا ہے، سو وہ حاصل ہے، رہے اسواق سو میرے نزدیک اشتراط سوق کی جو بنا ہے کہ وہ لوگ دوسرے مصر کے غالب حوائج میں محتاج نہ ہوں، اس پر نظر کر کے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جمعیت اسواق کی عدد کے لیے نہیں؛ بلکہ جنسیت کے لیے ہے، ورنہ تین بازار تو بعض قصبات میں بھی نہیں اور اس بنا پر اتصال جوانیب کا شرط نہیں معلوم ہوتا، رہا مجمع کا قول سو وہ وجہ تسمیہ سے ہے، جس کی غرض محض مناسبت مصحح الاطلاق کا بیان کرنا ہوتا ہے، نہ کہ اس کا مدار حکم وجوداً و یقیناً ہوتا ہے، جیسا کہ سفر کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے: ''لأنه يسفر أي يكشف عن أخلاق الرجال'' اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اگر کوئی سفر کاشف نہ ہو تو اس پر احکام سفر قصر وغیرہ مرتب نہ ہوں گے، پھر بعد تسلیم تجار وامتعہ عام ہے، قدر ضروری وزائد علیہ کا البتہ کالعدم ہے اور عینی کا قول: ''وكثرة التجار تدل على أن جواثى، الخ، اسلتزم الكثرة للمدينة'' کو بتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتفاء ملزوم ملتزم نہیں ہے انتفاء لازم کو اور بعض اوقات ما یحتاج الیہ کا نہ ملنا یہ بسا اوقات ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے، جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے، اسی طرح ایسا امیر نہ ہونا بعض ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے، جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے، جلال آباد لوہاری میں پولیس کا افسر تک نہیں، صرف چوکیدار رہتے ہیں؛ مگر چوں کہ یہ صرف امارات ہیں؛ اس لیے ان کا فقدان مضر نہیں اور استصحاب کا حکم اس تقدیر پر کیا تھا کہ بعد قریہ کبیرہ ثابت ہونے کے یقینی صغیرہ ہونا متخلل نہ ہوا ہو، گو کسرہ ہونا نہ ہونا مشتبہ ہو، اگر کبیرہ ہونا مظنون بھی نہ ہو؛ تاہم مشتبہ ضرور ہے، اس سے الیقین لایزول بالشک کا یہ محل ہو سکتا ہے، باقی اتنی آبادی کا ثبوت شہرت، یا کاغذ اہل قریہ کے پاس ہوگا، مجھ کو تحقیق نہیں اور اگر نہ بھی ہو تو محض تائید تھی مدار حکم نہیں اور اسلام نگر میں فتویٰ صحت کا افترا ہرگز نہیں، حاجی محمد یسین خاں نہایت ثقہ آدمی ہیں اور مولانا کے نہایت جاں نثار اور فرماں بردار و مخصوصین میں سے ہیں، ان سے میں نے بھی سنا ہے اور مولانا کا فتویٰ چار ہزار سے کم پر نہ ہونا باعتبار خاص حالات کے ہوگا، جہاں دوسرے امارات بھی مرجح قریہ ہونے کے ہوں، حاجی جی اب مدینہ طیبہ میں ہیں؛ مگر خط منگایا جا سکتا ہے اور غالباً

اسلام نگر میں اور بھی ثقہ راوی اس کے مشاہد موجود ہوں گے اور فیض محمد خاں مقیم بڑوت سے میں نے مکرر اس حکایت کی تحقیق کو کہا ہے، دوسرے یہ بھی محض تائید تھی اور مفاسد جواز جمعہ فی القریٰ کے سب مسلم ہیں؛ مگر جب کہ یقین ہو، عدم جواز جمعہ کا اور موضع معہود میں اسی میں کلام ہے۔ والسلام مع الاکرام خیر ختام

کتبہ: محمد اشرف علی، ۲۵؍صفر ۱۳۲۸ھ

اس کے بعد پھر ایک بار مراجعت مکاتبت کی ہوئی، جس کی نقل محفوظ نہیں، جس کے بعد خود اس احقر کو اپنے جواب میں تردد ہو گیا اور عمل میں مولانا صدیق احمد صاحب کے ساتھ میں نے موافقت کی۔ فقط

(ترجیح ثانی: ۱۷۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۲۴/۱-۶۳۰)

حکم جمعہ در قریٰ باذن سلطان اسلام:

سوال: در ملک افغانستان ایں قاعدہ است کو بفرمائش امیر صاحب خلد اللہ تعالیٰ ملکہ بہ تعریف بہ تحریک بعض عالم در قریٰ جمعہ قائم می کنند و برائے چار پنج قریہ یک خطیب از طرف بادشاہ مقرر باشد فقط اذن بادشاہ راز اشتراط مصر مغنی می پندارند دریں علاوہ اگر کدام یکے بجمعہ حاضر نشود خطیب صاحب انکار می کنند گاہے نوبت بشکایت نزد حاکم ملک می رسد درصورت مذکورہ دو رکعت جمعہ از ظہر خلف می شود یا نہ در تاخیر ازن بعذر و حیلہ آثم خواہد شد، یا نہ؟ (۱)

الجواب

قال الشامی: قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف اذا أذن الوالی أو القاضی ... لو صلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر وهذه إذا لم يتصل به حكم فإن فی فتاویٰ الدیناری: إذا بنٰی مسجد فی الرستاق بأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً. (۱) پس درصورت مسئولہ جمعہ صحیح است؛ لکن وقت تبدیل حکومت اذن امیر سابق غیر سالہ غیر کافی ست اذن امیر جدید شرط ست۔ **قال الشامی: لایبقٰی إلی الیوم الإذن بعدموت السلطان الآذن بذلک إلاإذا أذن به أیضا سلطان زماننا نصره الله.** (ص: ۸۴۰) (۳) واللہ اعلم

۲۰؍محرم ۱۳۳۲ھ (امداد: ۶۵/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۳۲/۱)

(۱) افغانستان میں صورت یہ ہے کہ بعض علماء کی تحریک اور امیر کے حکم سے دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے ہیں اور چار پانچ دیہاتوں کے لیے بادشاہ کی طرف سے ایک خطیب مقرر ہوتا ہے، بادشاہ کی اجازت کی صورت میں ''مصر'' کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس علاقہ میں اگر کوئی جمعہ میں حاضر نہ ہو تو خطیب صاحب نکیر کرتے ہیں اور کبھی حاکم تک شکایت کی نوبت بھی آ جاتی ہے، اندریں صورت جمعہ کی دو رکعتیں ظہر کے قائم ہو جائیں گے، یا نہ؟ اور اگر کوئی عذر و حیلہ کر کے ایسے جمعہ میں شریک نہ ہو تو گنہگار ہوگا، یا نہ؟ (سعید احمد)

(۲) ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

قال الشامی ...... صورت مسئولہ میں جمعہ صحیح ہے؛ لیکن جب حکومت بدلے (یعنی بادشاہ بدلے)، تب نئے امیر کی اجازت شرط ہوگی، امیر سابق کی اجازت کافی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

(نوٹ) اس جواب پر ایک شبہ اور اس کا جواب سوال: ۶۱۰ پر آ رہا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں سوال: ۶۲۱ بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔ (سعید)

(۳) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی جواز استنابة الخطیب: ۱۴۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

حکم جمعہ آبادی متصل شہر:

سوال: مدت سے اس بات میں شک ہے کہ جمعہ ہمارے محلّہ میں جو کہ شہرالہ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بالکل دیہات ہے اور ہم لوگوں کوتمام اشیاء ضروری استعمال کی شہر ہی سے لانا پڑتا ہے، جائز ہے، یانہیں؟ اور پھر لوگ جو چار رکعت بعد نماز جمعہ کے پڑھ لیتے ہیں، یہ کیسا ہے کہ چناں چہ میں بھی ایک بزرگ کے کہنے سے اپنے محلّہ میں بعد ادائے جمعہ چار رکعت فرض بھی پڑھ سکتا ہوں، امید ہے کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: (أوفناء ہ)... (وھوما) حولہ (اتصل بہ) أولا، کماحررہ ابن الکمال وغیرہ (لأجل مصالحہ) کدفن الموتیٰ ورکض الخیل وفی ردالمحتار وان اعتبرت قریۃ مستقلۃ فھی مصرعلیٰ تعریف المصنف.(۱)

ان روایات سے مفہوم ہوا کہ اگر یہ مقام جس کی نسبت سوال ہے، مستقل آبادی شمار کی جاتی ہے، تب تو بوجہ قریہ ہونے کے اس میں جمعہ جائز نہیں اور اگر مستقل آبادی نہیں سمجھی جاتی؛ بلکہ شہر کے متعلق قراردی جاتی ہے اور شہر کے مصالح عاملہ میں سے متعلق ہیں، جیسے گھوڑ دوڑ چاند ماری اور لشکر کا پڑاؤ اور گورستان و مثل تو اس میں جمعہ جائز ہے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴/ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد: ۱/۱۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۳۴)

جواب مصالح جمعہ درقریٰ:

سوال: جن گاؤں اور قریوں میں سوسو، پچاس پچاس نمازی ہوں، ان کا جمعہ قائم کرنا عظمت اور وقعت ہے، اس کے ادا کرنے سے اور پنج گانہ نماز سے ثابت ہے کہ ان کو جمعہ کی عظمت اور وقعت ہے، اس کے ادا کرنے سے اور پنج گانہ نماز کا بھی شوق رہتا ہے، ورنہ کسل اور سستی ہو جاتی ہے، حتی کہ نمازیں چھوڑ دیتے ہیں، ایسی حالت میں ان کو اگر کوئی منع کرے تو مطلب ہے، یا مخطی اور ایسے وقت پر حنفیہ کو مذہب شافعی جواز جمعہ فی القریٰ اور گاؤں پر عمل کرنا درست ہے، یانہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار نواقض الوضوء: لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبہ.(۲)

وفی ردالمحتارفی بعض المسائل: لوافتی بہ (أی بمذھب مالک) فی موضع الضرورۃ، الخ.(۳)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۲/۱۳۸-۱۳۹، دار الفکر بیروت، انیس
(۲) الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، نواقض الوضوء: ۱/۱۴۷، دارالفکربیروت، انیس
(۳) ردالمحتار، فرع: أبق بعد البیع قبل القبض: ۴/۲۹۵، دارالفکر بیروت، انیس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا، یا تو اس وقت جائز ہے، جب اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے اور یا موضع ضرورت میں جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جمعہ میں نہ کوئی ضرورت ہے اور جو مصلحتیں لکھی ہیں، یہ حد ضرورت کو نہیں پہنچیں؛ کیوں کہ ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر لاحق ہونے لگے اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے، سو یہ امور متحقق نہیں اور جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے چند مکروہات کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔ اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہراً، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر شرائط جواز جمعہ سے ہے، شرائط وجوب سے نہیں، یہ احتمال بھی دفع ہو گیا کہ اگر واجب نہیں تو جائز ہو جاوے گا، لہٰذا صورت مسئولہ میں جمعہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

۱۶ / ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد: ۱/۸۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۴۰-۶۴۱)

جمعہ وعیدین اس گاؤں میں جس کے بہت قریب دوسرا گاؤں ہے اور دونوں مل کر قصبہ کے برابر ہیں:

سوال: ایک گاؤں جس کی آبادی قریب ایک ہزار آدمی کے ہے اور اس کے اتنے قریب ایک دوسرا گاؤں ہے کہ اس بستی کی اذان کی آواز اس گاؤں میں جاتی ہے اور اس گاؤں اور دوسرے گاؤں کو ملا کر آبادی قریب چار، یا پانچ ہزار کے آدمی ہیں؛ بلکہ زائد ہوں؛ لیکن رقبہ وڈا کخانہ بعض بستی کا علاحدہ ہے اور بعض گاؤں میں کافر بستے ہیں، مسلمان نہیں ہیں۔ ان سب تقادیر پر جمعہ وعیدین ہر گاؤں والے الگ الگ پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اس کے جواز کا شبہ فقہا کے ایک جزئی سے ہوتا ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسافر دو گاؤں میں اقامت کی نیت کر لے اور دونوں گاؤں اتنے قریب ہوں کہ ایک گاؤں کی اذان کی آواز دوسرے گاؤں میں جاتی ہے تو وہ مسافر حد قصر سے خارج ہو جاوئے گا، مثلا ایک گاؤں میں دس یوم کی اقامت کی نیت کی اور دوسرے گاؤں میں پانچ دن کی؛ لیکن چوں کہ یہ دونوں قریب بہت ہیں کہ اذان کی آواز جاتی ہے؛ اس لیے اس پر قصر جائز نہ ہوگا تو اس جزئی سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا نے دونوں گاؤں کو متحد قرار دیا ہے تو باب قصر میں متحد قرار دے کر اس پر قصر کو ناجائز کیا، اسی طرح باب جمعہ میں بھی متحد قرار دیا جاوے، اگر یہاں پر قرار نہ دیا جاوے تو دونوں میں مابہ الفرق کیا ہے اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین، یا چار ہزار ہو، وہاں جمعہ جائز ہے۔ ان دونوں تردیدوں میں بہت بڑا فرق ہے تو اگر صرف تین ہزار آبادی میں جمعہ جائز ہے تو چار ہزار کی قید کیسی؟ اور اگر کسی گاؤں میں صرف تین ہزار کی آبادی ہو اور حوائج ضروریہ کی چیزیں نہیں ملتیں تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وغیرہ جائز ہوگا اور اگر کوئی گاؤں ایسا ہو کہ وہاں تمام حوائج ضروریہ کی چیزیں ملتی ہیں؛ لیکن آبادی تین چار ہزار سے کم ہے تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا؟ تو رفع حوائج اور تین ہزار آبادی دونوں شرط ہیں، یا احدہما، لاعلی التعیین؟ یہ جواب مع حوالۂ کتب تحریر ہو۔ فقط

الجواب

قصر وعدم قصر کا مدار تو بالاتفاق اتحاد موضعین پر ہے اور وجوب جمعہ وعدم وجوب کے مدار میں اختلاف ہے، بعض اقوال میں اتحاد موضعین پر ہے اور سماع اذان وعدم سماع کا اس میں کوئی دخل نہیں، جس کے کلام سے اس کے ساتھ تحدید مفہوم ہوتی ہے، مقصود اس سے محض تمثیل کے طور پر امارت کا بیان کرنا ہے اور بعض اقوال میں عدم لحوق مشقت پر، چناں چہ روایات ذیل شاہد ہیں:

فی الدر المختار، باب صلاة المسافر: ''أو كان أحدهما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة علىٰ ساكنه للاتحاد حكماً''. (الدر المختار)

في ردالمحتار: (قوله: أو كان أحدهما تبعاً للآخر) كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء علىٰ مايأتي في الجمعة وفي البحر: لوكان الموضعان من مصر واحد أوقرية واحدة فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكما، ألاترىٰ أنه لو خرج إليه مسافراً لم يقصر، آه. (۱۲٤/۱)

وفي الدر المختار، باب صلاة الجمعة: وأما المنفصل عنه (أي عن المصر) فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتي، كذا في الملتقى وقدمناعن الولوالجية تقديره بفرسخ ورجح في البحر إعتبارعوده لبيته بلاكلفة. (الدر المختار)

وفي ردالمحتار: (تحت قوله: ورجح في البحر) وصحح في مواهب الرحمٰن قول أبي يوسف بوجوبها علىٰ من كان داخل حداً لإقامة أي الذي من فارقه يصير مسافر أوإذا وصل إليه يصير مقيماً وعلله في شرحه المسمىٰ بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هٰذا الحد ليس أهله، آه.

وفيه بعد سطرعن الخانية: المقيم في موضع من أطراف المصر... إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة عليه وإن بلغه النداء ... (ثم قال بعد تصحيح هٰذا القول و ترجيحه): وينبغي تقييد ما في الخانية والتاترخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لمامر أنها تصح إقامتها في الفناء ولومنفصلاً بمزارع فإذا صحت في الفناء؛ لأنه ملحق بالمصر يجب علىٰ من كان فيه أن يصليها؛ لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان. (۲)

پس قول اول پر ان دونوں موضعوں کو دیکھا جاوے گا کہ عرفاً دونوں مستقل سمجھے جاتے ہیں، یا متحد؟ پہلی صورت میں تو عدم صحت جمعہ ظاہر ہے اور دوسری صورت میں صرف اتحاد کافی نہیں۔ غایۃ مافی الباب دونوں مل کر ایک قریہ ہوجاوے گا، مگر جس قریہ کبیرہ میں جمعہ کو جائز کہا گیا ہے، اس کی تفسیر ''التي فيها أسواق'' سے کی گئی ہے۔ (کمافی

(۱) ردالمحتار: ۱۲٦/۲، باب صلاة المسافر، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۱٥۳/۲، دارالفكر بيروت، انيس

ردالمختار، الجلد الاول،ص:۸۳۶)(۱) جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت اس کی قصبات کی سی ہو، اگر یہ شان ہوتو جمعہ درصورت اتحاد ہما عرفاً جائز ہوجاوے گا، والافلا (ورنہ نہیں) اورقول ثانی پر یعنی جب کہ مدار وجوب جمعہ کا عدم لحوق مشقت پر ہو ،وجوب جمعہ کا دونوں موضعوں کے اتحاد کو مستلزم نہ ہونا اور بھی ظاہر ہے؛ کیوں کہ اس تقدیر پر جمعہ من آواہ الدلیل پر واجب ہے اور یقیناً وہ موضع مصر سے متحد نہیں اورخود وہاں جمعہ جائز نہیں اور بہشتی گوہر اصل میں کتاب علم الفقہ کا ملخص ہے، اگر یہ مسئلہ اس میں ہے تو مجھ کو یاد نہیں کہ تلخیص کے وقت اس پرنظر پڑی ہے، یا نہیں؟ بہر حال اس میں جو کچھ لکھا ہو، اس کواس وقت کی تحریر پرمنطبق کرنا چاہیے، اگر انطباق نہ ہوتو میری رائے یہی ہے، جواس وقت لکھ رہا ہوں کہ کوئی تعداد خاص تحدید کے لیے نہیں؛ بلکہ امارت ہے اوراصل مدار مصر، یا قصبہ، یا قریہ کبیرہ بالمعنی المذکورہ کا ہوتا ہے۔

۱۸رمضان ۱۳۲۷ھ

بعدتحریر جواب ہذا ایک ثقہ مشاہد سے معلوم ہوا کہ جن قریوں کی نسبت سوال ہے، وہ باہم اتنے متقارب نہیں ہیں کہ ان کو متحد و متصل کہہ سکیں تو جواب اور بھی اظہر ہے کہ پھر احتمال ہی صحت جمعہ کا نہیں۔

۲۰رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ:۱۹) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۶۶۶-۶۶۹)

فناء مصر میں نماز جمعہ کی ایک صورت کا حکم:

سوال (الف) سلیم سرائے ایک بستی ہے کہ جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اس سے متصل اور بھی بستیاں ہیں، من جملہ ان کے میرا موضع بھی ہے (موضع ہروارہ)؛ مگراور بستیوں میں اوراس میں یہ فرق ہے کہ وہ بالکل ہی متصل ہیں، ایک مکان بھی فصل نہیں اور میرا موضع قریباً دوبیگہ کے فصل سے ہے، یا زیادہ سے زیادہ اتنا جیسا کہ خانقاہ شریف تھانہ بھون سے عیدگاہ ہے؛ لیکن یہ موضع حقیقتاً گاؤں ہے، اس میں کوئی علامت مصر کی، یا کثرت آبادی نہیں، تقریباً پانچ سو کی آبادی ہے، پس اس صورت میں اس موضع میں نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

(ب)　شہر سے جو سڑک بیرون شہر کو جاتی ہے، اس پر اکثر اینٹوں کے بھٹہ اور چونہ کی بھٹیاں سڑک کے کنارہ آبادی شہر سے تین چار میل تک برابر ہوتے ہیں تو جہاں تک یہ بھٹے ہیں، یہ فنا مصر میں داخل ہیں، یا نہیں؟

(ج)　اگر یہ فناء مصر میں داخل ہے تو وہ مواضعات جو بالکل ان بھٹوں سے متصل اور محاذی ہیں، کیا ان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے؟

الجواب

اگرایسا اتصال ہو کہ دیکھنے والا اس گاؤں کو سلیم سرائے کا ایک محلّہ سمجھے اور عام لوگ بستی سلیم سرائے کو اوران سب بستیوں کو ایک ہی بستی سمجھتے ہوں تو ہروارہ میں صحیح ہے، ورنہ نہیں اور پورا فیصلہ کسی مفتی کو موقع کا معائنہ کرا کر ہوسکتا ہو۔

(۱)　ردالمحتار: ۱۳۸/۲، باب الجمعة

(۲) فقہانے فناء بلد کو بحکم بلد اس لیے فرمایا ہے کہ اس سے مصالح اہل بلد کے متعلق ہوتی ہیں اور اہل بلد سے مراد عام اہل بلد ہیں، نہ خاص اور فناء بلد کی مثال میں میدان گھوڑ ادوڑ اور غلہ گاہنے کے میدان، قبرستان، عیدگاہ، موضع تبریض تو ایسے ہیں جن سے عام اہل بلد کا تعلق ظاہر ہے؛ مگر گھوڑ دوڑ کے میدان اور غلہ گاہنے کے میدان سے عام اہل بلد کا تعلق نہیں، صرف گھوڑے سواروں اور کاشتکاروں کو تعلق ہے؛ مگر اس لحاظ سے کہ دیکھنے والے گھوڑے والوں کے سوا بھی ہوتے ہیں، اسی طرح غلہ کاٹنے کے وقت کاشتکاروں زمینداروں کو مزدوروں کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مزدوری پیشہ لوگ ہر شہر میں زیادہ ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کو بھی فقہانے مصالح عامہ میں داخل کرلیا ہے، اسی لیے میرے نزدیک اینٹوں اور چونہ کے بھٹوں کو بھی مصالح اہل بلد میں داخل سمجھنا چاہیے، گو بظاہر ان سے تعلق بھٹہ لگانے والوں ہی کو ہے؛ مگر درحقیقت مزدوری پیشہ لوگوں کو بھی تعلق ہے؛ اس لیے میں اس کو بھی فناء مصر کے حکم میں سمجھتا ہوں؛ مگر چوں کہ یہ میرا قیاس ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق تھانہ بھون سے بھی کرلی جائے۔

ہاں۔

المجیب: ظفر احمد عفا اللہ عنہ از رنگون، ۱۵؍جمادی الاول ۱۳۵۱ھ (امداد الاحکام: ۲؍۳۹۹-۴۰۰)

الجواب ــــــــــــــ من الخانقاه الامدادية

جواب سوال اول صحیح ہے، كمـا هـو الـمـصـرح في البحر حيث قال: ”واختلفوا فيما يكون من توابع المصر فى حق وجوب الجمعة علىٰ أهله فاختار فى الخلاصة والخانية أنه الموضع المعد لمصالح المصر متصل به ومن كان مقيماً فى عمران المصر وأطرافه وليس بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضع وبين عمران المصر فرجة من مزارع أو مراع كا لقلع ببخارى لا جمعة علىٰ أهل ذلك الموضع وإن سمعوا النداء. (۱۴۱/۱)

سوال دوم کے جواب میں غور کیا گیا اور حضرت مدظلہ العالی سے بھی دریافت کیا، یہی طے ہوا کہ محض بھٹوں کی وجہ سے کوئی جگہ فناء مصر نہیں بن سکتی، بھٹے زائد سے نظیر ہیں کھیتی کی اور فنا میں داخل نہیں، جیسا کہ روایت مذکورہ بالا سے واضح ہے۔

ونیز علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے:

(والمختار للفتوىٰ تقديره بفرسخ) أقول وبه ظهر صحتها فى تكية السلطان سليم بمرجة دمشق وكذا فى مسجده بصالحية دمشق فإنها من فناء دمشق بما فيها من التربة بسفح الجبل وإن انفصلت عن دمشق بمزارع لكنها قريبة؛ لأنها علىٰ ثلٰث فرسخ من البلدة. (۸۳۷/۱)(۱)

اور کما حررہ ابن الکمال کے تحت میں تحریر فرمایا ہے:

”واعتبر بعضهم قيد الاتصال وقد خطأه صاحب الذخيرة قائلاً فعلىٰ قول هٰذا القائل لاتجوز

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى صحة الجمعة، الخ: ۱۳۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس

إقامة الجمعة ببخاریٰ فی مصلی العید لأن بین المصلی وبین المصر مزارع ووقعت هٰذه المسئلة مرة وأفتٰی بعض مشائخ زماننا بعدم الجواز ولكن هٰذا ليس بصواب فإن أحدا لم ينكر جوازصلاة العيد فی مصلی العيد ببخاری لامن المتقدمين ولامن المتأخرين وكما أن المصر أو فناءه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد،آه.(۱)

ان دونوں عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی فناء میں داخل نہیں، کما لا یخفی ۔ دراصل فناوہ ہے، جو آبادی؛ یعنی سکونت کی ضروریات سے ہو؛ کیوں کہ کچھ ضروریات اہل بلد کی میں پوری نہیں ہوسکتیں وسعت نہ ہونے وغیرہ کی وجہ سے؛ اس لیے آبادی سے باہر ان ضروریات کے لیے جگہ مقرر کی جاتی ہے اور اس جگہ کو ایک قسم کی آبادی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا وہ ملحق بالبلد ہوکر اقامت بالسکنی ہوں، سب ضروریات مراد نہیں، ورنہ تمام کھیت باغات اور لکڑیوں کے جنگل وغیرہ کا فناء میں داخل ہونا لازم آتا ہے، ولا قائل بہ۔

تیسرا نمبر متفرع ہے نمبر دوم پر؛ اس لیے اس میں بھی ہمیں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: الاحقر عبد الکریم عفی عنہ، تھانہ بھون، ۱۵؍ جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ (امداد الاحکام: ۲؍۴۰۱)

جمعہ فی القری سے متعلق مذہب امام اعظم کی تحقیق از حبیب احمد کیرانوی:

سوال: ناقہم غیر مقلدین اور ان کے متبعین نے جمعہ فی القری کے باب میں امام المجتہدین کو نشانۂ ملامت بنا رکھا ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں امام صاحب کے اجتہاد کی حقیقت اغیار تو کیا خود ان کے اتباع بھی کما حقہ نہیں سمجھے، سو ان کے اجتہاد کی حقیقت جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور ان شاء اللہ صحیح بھی ہوگی، یہ ہے کہ جمعہ کے روز اصالۃً ظہر فرض ہے اور جمعہ اس کا قائم مقام، بس جس صورت میں جمعہ کی صحت یقینی ہے، اس صورت میں وہ قائم مقام ظہر ہوکر مسقط فرض ظہر ہوکر یقیناً ہو سکے گا اور جس صورت میں اس کی صحت مشتبہ ہے، اس صورت میں وہ قائم مقام ظہر اور مسقط فرض ظہر نہ ہوگا، اب امام صاحب نے دیکھا کہ صحت جمعہ فی المدن مع وجود الامام او نائبہ مجمع علیہ ہے؛ اس لیے یہ جمعہ ضرور قائم مقام فرض ظہر اور مسقط ظہر ہے اور صحت جمعہ فی القری، یا فی المدن بلا امام، یا نائب امام مشتبہ ہے؛ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ یہ جمعہ مسقط فرض نہیں ہے اور جب وہ مسقط فرض نہیں تو جائز بھی نہیں؛ **لأن الجمعة الغير المسقطة للظهر لم يعرف مشروعيتها**، پس یہ مبنی ہے ان کے اس حکم کا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور نہ ان شہروں میں جن میں امام، یا نائب امام نہ ہو۔ سو یہ بات ایسی نہ تھی کہ امام الائمہ کو نشانہ ملامت بنایا جاتا؛ بلکہ درحقیقت اپنی اس وقت فہم اور کمال تورع واحتیاط پر آفرین کے مستحق تھے؛ مگر خدا برا کرے جہالت اور تعصب کا کہ انہوں نے امام صاحب کے کمالات کو عیوب بنا دیا؛ لیکن اگر ہم اس وقت فہم سے بھی قطع نظر کریں اور صرف آثار ہی کو پیش نظر

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب فی صحة الجمعة، الخ: ۲/۱۳۹، دار الفكر بيروت، انيس

رکھیں، تب بھی امام صاحب ہی کا پلہ بھاری نظر آتا ہے؛ کیوں کہ حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایات سے نہایت صحت اور صفائی کے ساتھ اشتراط امصار ومدن ظاہر ہے، برخلاف اس کے جو آثار ان کے مقابلہ میں پیش کئے جاتے ہیں، ان سے عدم اشتراط اس صفائی کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا، مثلاً وہ جواثی والی روایت سے استدلال کرتے ہیں؛ لیکن اس میں قریہ کا لفظ محل کلام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد گاؤں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق بستی ہے، چناں چہ تمام قرآن میں یہ لفظ مطلق بستی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، لہٰذا یہ روایت وضاحت میں حضرت علیؓ وحذیفہؓ کے برابر نہیں۔

اسی طرح وہ "**الجمعه واجب علی کل مسلم**" سے استدلال کرتے ہیں؛ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کے معنی واجب بشرائط ہیں، لہٰذا یہ روایت بھی مفید مدعا نہیں۔ نیز وہ حضرت عمرؓ کے قول "**جمعوا أینما کنتم**" سے استدلال کرتے ہیں؛ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس میں خطاب ولاۃ کو ہے، نہ کہ عوام کو۔ نیز اس میں اتنا عوام مراد نہیں، جتنا کہ وہ مراد لیتے ہیں؛ کیوں کہ مجتہدین کے نزدیک صحاریٰ وبحار وغیرہ مستثنیٰ ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک اراضی مغصوبہ ومقامات نجر وغیرہ مستثنیٰ ہیں۔ پس جب کہ یہ لفظ اپنے عموم پر باقی نہیں ہے تو اس کے عموم سے استدلال صحیح نہیں۔ پس جب کہ یہ اور اسی قسم کی روایات وضاحت میں حضرت علیؓ وحذیفہؓ کی روایات کو ترجیح ہوگی؛ کیوں کہ جو لوگ اشتراط مصر کے قائل ہیں، ان کے قول کا مبنی عدم علم بالدلیل ہے اور جو لوگ اشتراط کے قائل نہیں، ان کے قول کا مبنی عدم علم بالدلیل ہے، ﴿**وهل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون**﴾ (۱) اور اگر ترجیح بھی ثابت نہ ہو تو غایت درجہ مساوی ہوں گی اور مساوات کی صورت میں صحت وعدم صحت جمعہ مشکوک ہو جائے گی اور اس سے فرض ظہر ساقط نہ ہوگا اور جب فرض ظہر ساقط نہ ہوا تو یہ جمعہ مشروع نہ ہوگا، **لأن الجمعة ما شرعت إلا مسقطة لفرض الظهر وهذه لیست بمسقطة فلا تکون مشروطة** اور اگر بالفرض مخالفین ہی کے دلائل کو ترجیح ہو، حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو غایت ما فی الباب یہ کہ گاؤں میں جمعہ فرض ظنی ہوگا اور اس لیے وہ فرض قطعی؛ یعنی ظہر کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، وہو المدعیٰ۔

پس اس مقدمہ میں تو فیصلہ امام صاحب کے موافق رہا۔ اب رہا دوسرا مقدمہ؛ یعنی اشتراط امام، یا نائب امام کا مسئلہ، سو حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث مرفوع اور حضرت ابو ہریرہؓ وحضرت عمرؓ کا سوال وجواب اور مولی سعید بن العاص اور حضرت ابن عمرؓ کے سوال وجواب اور عمر بن عبد العزیز کا عدی بن عدی کو حکم، یہ تمام امور دلیل اشتراط ہیں اور نافین اشتراط کے پاس کوئی دلیل نفی اشتراط پر نہیں اور اگر ہو بھی تو پھر اس میں یہی بحث ہے کہ اشتراط مبنی ہے علم بدلیل الاشتراط پر اور نفی کا مبنی عدم علم بالاشتراط ہے، ﴿**وهل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**﴾ (۲) اور اگر ہم تعارض بھی مان لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ عدم امام، یا نائب کی صورت میں صحت جمعہ مشکوک ہوگی اور بصورت رجحان دلائل مخالفین جمعہ بدون امام فرض ظنی ہوگا، جس کو واجب کہتے ہیں اور واجب فرض قطعی کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، پس یہ مقدمہ بھی امام صاحبؒ کے موافق طے ہوا اور ثابت ہوا کہ امام صاحب کا مسلک ہر طرح صحیح ہے اور ہرگز قابل اعتراض نہیں۔

(۱-۲) سورۃ الزمر: ۹، انیس

یہ گفتگو تو اغیار متعلق تھی اب ہم کچھ اتباع امام صاحبؒ کے متعلق لکھنا چاہتے ہیں، اچھا سنئے، امام صاحبؒ نے دلائل کے ذریعہ سے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا صحت جمعہ کے لیے دو شرطیں لگائی تھیں: اول مصر اور دوسری امام، یا نائب امام اور یہ دونوں مستقل اور علاحدہ شرطیں تھیں؛ لیکن غیر مقلدین نے اپنے اجتہاد سے دونوں شرطوں کو حذف کر دیا؛ کیوں کہ انہوں نے کہا کہ امام، یا نائب کی شرط محض انتظامی ہے اور یہ شرط صرف اس لیے لگائی گئی ہے؛ تاکہ تقدیم وتقدم میں تنازع نہ ہو، اب اگر یہ مقصد کسی اور طریق سے پورا ہو جائے تو پھر امام، یا نائب امام کی ضرورت نہیں۔

نیز انہوں نے کہا کہ اگر امام کسی گاؤں میں موجود ہو تو وہاں وہ اقامت جمعہ کر سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مصر کی شرط فی نفسہ ضروری نہیں؛ بلکہ اس لیے ہے کہ عادۃً امام، یا نائب امام شہر ہی میں موجود ہوتا ہے، پس اگر امام کسی گاؤں میں موجود ہو تو وہ بھی حکماً شہر ہے، پس جب کہ نہ مصر مقصود بالذات ہوا اور نہ امام، یا نائب امام؛ بلکہ شہر مطلوب ہوا امام، یا نائب امام کے لیے اور امام مطلوب ہوا انتظام کے لیے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر گاؤں میں تنازع کا اندیشہ نہ ہو، جیسا کہ آج کل ہے تو اس میں جمعہ جائز ہے اور اگر کسی شہر میں اندیشہ فساد ہو، جیسا کہ اس وقت ہوتا ہے، جب کہ شہروں میں ہندو مسلم فساد، یا کوئی دوسرا ہڑبونگ ہو تو وہاں جمعہ جائز نہیں، لفوات الشرط وھو الانتظام؛ لیکن غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر امام کا یہی مطلب ہوتا جو یہ غیر مقلدین بیان کرتے ہیں تو ان کو مصر اور امام، یا نائب امام کی علاحدہ شرطیں لگانے کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ صرف شرط امن عن التنازع کافی تھی اور جب کہ انہوں نے یہ شرط نہیں کی؛ بلکہ مصر کو علاحدہ شرط کیا اور امام، یا نائب کو الگ تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں فی نفسہ مطلوب ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر شہر میں امام، یا نائب امام نہ ہو، جیسا کہ ہندرستان میں تو جمعہ جائز نہیں لفوات الشرط الثانی اور اگر گاؤں میں امام ہو تو وہاں بھی جمعہ جائز نہیں، لفوات شرط الاول اور اگر گاؤں میں امام، یا نائب امام نہ ہو، تب بھی جمعہ جائز نہیں لفوات الشرطین۔ پس ثابت ہوا کہ امام صاحبؒ کے مذہب کو غیر مقلدین تو کیا، خود مقلدین بھی نہیں سمجھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کے مذہب کے موافق ہندوستان میں نہ شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور نہ گاؤں میں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک شہروں میں بھی صحیح ہے اور گاؤں میں بھی اور چوں کہ اس وقت رواج عام کی وجہ سے امام صاحبؒ کے مذہب پر عمل ناممکن ہے اور اس کی دعوت دینے میں شدید فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے موجودہ رواج کو جائز قرار دیا جائے گا اور یوں کہا جاوے گا کہ ہم بضرورت دوسرے ائمہ مجتہدین کے مذہب پر جمعہ پڑھتے ہیں اور جب کہ مقلدین خود دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کر رہے ہیں تو جو لوگ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق گاؤں میں جمعہ پڑھتے ہیں، ان پر تشدد نہ کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر کوئی امام صاحب پر طعن کرے، اس کا جواب ضرور دیا جاوے۔

نیز چوں کہ موجودہ جمعے دوسرے ائمہ کے مذہب پر صحیح ہیں؛ اس لیے ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر کوئی امام صاحبؒ کے خلاف سے بچنے کے لیے پڑھ لے تو مضائقہ نہیں؛ لیکن اس پر زور دینے کی ضرورت نہیں اور غیر مقلدین کا فرض ہے کہ وہ امام صاحبؒ کے مقلدوں کو اپنے مسلک کے اختیار کرنے پر مجبور نہ کریں؛ کیوں کہ اگر

ان کے حق اجتہاد تسلیم کرلیا جاوے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان کو کسی امام کی تقلید پر مجبور نہ کیا جاسکے گا؛ لیکن ان کو یہ حق کسی طرح نہیں کہ وہ دوسروں کو اپنی تقلید کے لیے مجبور کریں۔سلف کا طریقہ یہ تھا کہ فتنہ کے مواقع پر خود اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے، نہ یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کی اس طرح تبلیغ کریں، جس سے شدید سے شدید فتن کا صرف خطرہ ہی نہ ہو؛ بلکہ ان کا مشاہدہ ہورہا ہے، خدا کے لیے امت مرحومہ پر رحم کرو اور اپنے اجتہادات کو بشرطیکہ ان کو اجتہادات کہا جاسکے، اجتہادات ہی کی حد میں رکھو اور ان کو وحی قطعی کا مرتبہ نہ دو۔امید ہے کہ آپ میرے مخلصانہ مشورہ پر غور کر کے اس کی قدر کریں گے۔{**وما أريد إلا الاصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله**}

الجواب ــــــــ از خانقاہ امدادیہ ملاحظہ فرمودہ حضرت اقدس دام مجدہم

أقول وبالله التوفيق: اشتراط مصر وسلطان پر جو استدلال کیا ہے، وہ بظاہر بہت عمدہ ہے اور احقر نے بہت روز ہوئے کسی کے کلام میں دیکھا بھی ہے؛ مگر غور کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے دونوں مقدموں پر کلام ہوسکتا ہے۔ پہلا مقدمہ؛ یعنی جمعہ کے روز اصالۃً ظہر فرض ہے اور جمعہ اس کا قائم مقام، یہ امام صاحبؒ اور امام ابی یوسفؒ کے قول پر تو صحیح ہے؛ مگر امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ اصل ہے اور ظہر بدل اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے:

”**لا أدری ما أصل فرض الوقت فی هٰذا اليوم ولكن يسقط الفرض عنه بأداء الظهر أو الجمعة يعنی أن أصل الفرض أحدهما لا بعينه ويتعين بفعله**“.(۳۳/۲)(۱)

اور مختلف فیہ مقدمہ سے خصم پر حجت قائم نہیں ہوسکتی، البتہ فی نفسہ اثبات مذہب کے لیے یہ مقدمہ کارآمد تھا، اگر دوسرا مقدمہ مخدوش نہ ہوتا؛ لیکن دوسرے مقدمہ میں یہ شبہ ہے کہ کچھ شرائط جمعہ ایسے بھی ہیں، جو دیگر ائمہ نے لیے ہیں؛ مگر امام صاحبؒ نے نہیں لیے، مثلاً تعداد جماعت میں اختلاف ہے، امام صاحب نے تین مقتدی ہونا کافی سمجھا ہے، حالاں کہ دوسرے ائمہ اس پر متفق نہیں۔پس اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کا قول تعداد جماعت کے بارے میں معتبر نہ ہو؛ کیوں کہ وہ مجتمع علیہ نہیں۔اسی طرح تعدد جمعہ مختلف فیہ ہے، اس تقریر پر تعدد جمعہ کو شرط کہنا ضروری ہے، حالاں کہ امام صاحب علیہ الرحمۃ کا مذہب صحیح جو متون معتبرہ میں موجود ہے، اس کی بنا پر تعدد جمعہ علی الاطلاق درست ہے۔

اس کے بعد آثار میں سے اثر علی وحذیفہ رضی اللہ عنہما کو ترجیح کی وجہ جو بیان کی ہے، وہ بالکل صحیح ہے؛ مگر معارضہ تسلیم کرنے کی صورت میں جو یہ لکھا ہے: جو لوگ اشتراط کے قائل ہیں، ان کے قول کا مبنی علم بالدلیل ہے اور جو لوگ قائل نہیں، ان کے قول کا مبنی عدم بہ علم بالدلیل ہے، یہ محل تأمل ہے؛ کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر مسئلہ میں مثبت شرطیت وقائل فرضیت کا قول معتبر ہو، حالاں کہ ایسا نہیں، مثلاً فاتحہ خلف الامام کو جو حضرات فرض کہتے ہیں، اس تقریر پر ان کے قول کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔درحقیقت ہر دو فریق علم رکھتے ہیں تمام دلائل کا؛ مگر ایک فریق اس دلیل کو کافی خیال کرتا ہے، دوسرا کسی وجہ سے اس کو ناکافی قرار دیتا ہے۔واللہ اعلم

---

(۱) الجوهرة النيرة، باب الجمعة: ۱۰۹/۱، مكتبة حقانية ملتان، انيس

اور بعدازاں جمعہ ظنی الثبوت کواس بنا پر جورد کیا ہے کہ وہ فرض قطعی ؛ یعنی ظہر کے قائم مقام نہ ہو سکے گا، اس میں بھی کلام ہے، اول تو اس لیے کہ یوم جمعہ میں ظہر کا اصل ہونا قطعی نہیں ؛ لکونہ مختلفا فیہ، دوسرے اس لیے کہ امام صاحبؒ کے قول پر بھی تو بعض جگہ ظنی جائز ہے، جس کی دومثالیں اوپر گذر چکیں، پھر وہ مسقط وقائم مقام ظہر کیسے ہو جاتا ہے۔

یہ گفتگو تو تقریر استدلال کے متعلق تھی ، اب دوسرے جزو کی بابت عرض ہے، وہ یہ کہ وہ فقہا مقلدین پر جوترک کا شبہ کیا گیا ہے، وہ مبنی ہے اس پر کہ تمصر قریہ بوجود الامام اونائبہ اور نیز نصب الخطیب من العامہ للضرورہ کوتخریج فقہاء سمجھا گیا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ؛ بلکہ پہلا مسئلہ خود جامع صغیر میں موجود، نصہ ھٰذا:

”فی الجمعة بمنیٰ إن كان الإمام أمير الحجاز أو كان الخليفة مسافراً جمع وإن كان غير الخليفة وغير أمير الحجاز وهو مسافر فلا جمعة فيها وقال محمد: لا جمعة بمنیٰ ولا جمعة بعرفات في قولهم جميعا، آه. (۱)

اور دوسرا مسئلہ امام محمد سے منقول ہے، کما صرح بہ فی المبسوط (۳۴/۲) اور شیخین کا اس میں کسی نے اختلاف بیان نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اتفاق ہوگا، یا کم از کم اختلاف کی نوبت نہ آئی ہوگی ؛ یعنی امام صاحب کے وقت میں یہ مسئلہ مسکوت عنہ رہا ہو، بعد میں بوقت ضرورت امام محمدؒ نے ظاہر فرمایا ہوگا اور شیخینؒ سے جو امام ، یا اس کے نائب کی ضرورت اقامت جمعہ کے لیے اطلاق کے ساتھ مروی ہے، وہ اطلاق اس روایت محمدؒ کے معارض نہیں ؛ کیوں کہ اطلاق کو بلاضرورت کے ساتھ مقید کر سکتے ہیں اور جہاں کوئی والی نہیں ، وہاں ضرورت ہے ؛ اس لیے اس کا حکم جدا ہو جانا بعید نہیں ، اسی واسطے درمختار نے کہا ہے:

”(نصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) أما مع عدمهم فيجوز للضرورة“. (۲)

اس میں دونوں روایتوں کی رعایت موجود ہے اور یہی تفصیل قرینِ قیاس ہے ؛ کیوں کہ حکام وولاۃ کی موجودگی میں عوام کو اس قسم کا اختیار دینا بالکل نامناسب ہے اور جب حکام نہیں تو ان کو خود اپنا انتظام کرنا لابدی ہے، **كما لا يخفى بعد أدنىٰ تأمل.**

بہرحال یہ مسئلہ بھی مشائخ وفقہائے متاخرین کی تخریج نہیں ، پس ان پر اجتہاد وترک تقلید کا الزام نہیں ہوسکتا، البتہ نفس مسئلہ پر اشکال متوجہ رہا، جو باعث ہوا تھا الزام کا، سواس کا جواب یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کو بھی تمصر قریہ بالامام کو عام سمجھ کر اشکال پیش آیا، حالاں کہ فقہاء کرام کے کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قریہ اس حکم میں نہیں ؛ بلکہ وہی قریہ ہے، جس میں دوسری اوصاف شہریت بھی ہوں ، چناں چہ درمختار میں ہے:

(وجازت) الجمعة (بمنى في الموسم) فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق او مكة

(۱) الجامع الصغير وشرحه النافع الكبير، باب صلاة الجمعة: ۱۱۲/۱، عالم الكتب بيروت، انيس

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۳/۲، دارالفكر بيروت، بيروت

ووجود الأسواق والسكك وكذا كل أبنية نزل بها الخليفة.(۱)

اس میں صرف خلیفہ وغیرہ کے وجود کو کافی نہیں کہا؛ بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجود اسواق وسکک کو بھی اس میں دخل ہے اور اس سے زیادہ صریح فتح القدیر میں ہے:

"**بخلاف ما إذا كان المحل غير صالح للتمصير فلذا قالوا إذا سافر الخليفة فليس له أن يجمع في القرىٰ كالبراری**"، آہ. (۲/۲٦)(۲)

اور تمصر قریہ کے لیے وجود سلطان کے ساتھ قابل تمصیر کی قید معلوم ہونے کے بعد وہ اشکال کسی طرح واقع نہیں ہوسکتا، جو اس تحقیق میں فاضل محقق دام فضلہم نے وارد کیا ہے۔ اس مختصر عرض سے واضح ہوگیا کہ بلاد ہند وغیرہ کے شہروں میں جمعہ پڑھنا عین مذہب احناف کے مطابق ہے، اس میں دوسرے ائمہ کا مذہب حنفیہ نے ہرگز اختیار نہیں کیا، ورنہ دوسرے شرائط ضروریہ کی رعایت کا حکم بھی دیا جاتا، مثلا چالیس مقتدی کا قابل امامت ہونا؛ کیوں کہ مذہب غیر اختیار کرنے کے واسطے استجماع شرائط لازم ہے اور جب یہ واضح ہوگیا تو معلوم ہوگیا کہ جمعہ فی القری کی ممانعت میں ڈھیلا ہونے کا مشورہ قابل قبول نہیں۔ ایک بات قابل گزارش یہ بھی ہے کہ ترک جمعہ میں کوئی تکلیف اور حرج پیش نہیں آتا، جو مسوغ ہے خروج عن المذہب کا؛ اس لیے اگر مذہب حنفیہ میں امصار ہند کی بھی گنجائش نہیں کہ گو امصار ہند میں مذہب غیر لینے کی نوبت نہ آئی ہو، مگر جمعہ فی القری میں لی لیا جاوے۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم، از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ (امدادالاحکام: ۲/۴۰۹)

آبادی متفرقہ متصلہ کے مجموعہ میں وجوب جمعہ کی ایک صورت کا حکم:

سوال: موضع بسی ایسی بستی ہے کہ جو تقریباً ساڑھے تین سو برس سے آباد ہے اور پٹھانوں کی آبادی ہے، بفضلہٖ اس بستی نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس کے اندر سے گیارہ موضع اور جداگانہ پٹھانوں نے آباد کئے، جس کو قریبا تین سو برس کا زمانہ ہو چکا ہے اور ان مواضعات کے اسماء جداگانہ کاغذات سرکاری میں درج ہیں اور عوام الناس میں مشہور ہیں اور موضع بسی سے مواضعات پلڑہ وپلڑی قریب قریب ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر آباد ہیں اور یہ ہر دو مواضعات بسی ہی میں سے جدا ہوکر آباد ہوئے ہیں؛ بلکہ پلڑی میں دو ہزار کی مردم شماری خود ہے اور اس میں سے ایک اور گاؤں تھوڑی عرصہ سے جدا ہوکر آباد ہوا ہے، جو نیا گاؤں کے نام سے مشہور ہے، جس کی مردم شماری پانچ سو کی ہے ونیز دیگر مواضعات آدم پور کمال پور قریب ایک میل کے فاصلہ سے موضع بسی کے آباد ہیں اور یہ بھی ۳،۴۔ اسی موضع بسی کے اندر سے نکل کر آباد ہوئے ہیں، موضع بسی میں مستقل بازار دوکان پرچون وحلوائی وبزاز وقصائی ولوہار بھی موجود ہیں، اور جس وقت یہاں بسی میں اذان ہوتی ہے تو مواضعات پلڑہ وپلڑی میں بخوبی آواز پہونچتی ہے اور اس بسی میں ایک

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱٤٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) فتح القدير، باب الجمعة: ۲/٥۳، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

بازار ہفتہ وار بھی لگتا ہے، جس میں مویشیاں اور دوکان قرب وجوار کی آتی ہیں، مثلا حلوائی بزاز، قصاب جولحم فروخت کرتے ہیں اور بکر قصاب وسبزی و پنساری لوہے کی چیزیں، لکڑی کی چیزیں بساتی جوتوں والے، تیل غلہ، گھی، برتن رنگی، ہوئی، کھالیں، وبلا رنگی ہوئی، مسلمان بھٹیار کی دکان، ہندوؤں کا کھانا، پان والوں کی دکانیں، سوت سناروں کی دکانیں جن پر بنا بنایا زیور ملتا ہے، پٹوولی؛ یعنی زیور ملنے والوں کی دوکانیں اور س موضع میں ایک سرپنچ من جانب گورنمنٹ اہل ہنود بھی مقرر ہے، جو مقدمہ طے کرتا ہے اور مردم شماری اس وقت سات سو کے قریب ہے، البتہ موضع پلڑی کی مردم شماری دو ہزار ہے اور پلڑہ کی مردم شماری پانچ سو ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جیسے اس موضع بسی میں قدیم الایام سے جمعہ ونماز عیدین ہوتی چلی آرہی ہیں، کیا یہ جائز ہیں؟ اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ قصبہ شاہ پور موضع بستی سے ایک میل کے فاصلہ پر آباد ہے اور وہاں جمعہ ہوتا ہے، مردم شماری قصبہ قریباً چار ہزار کی ہے، بمقابلہ قصبہ مذکور موضع بسی میں نماز عیدین و جمعہ ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

۱۸رشوال ۱۳۴۸ھ

تنقیح: مجھ سے جس وقت میں بسی گیا تھا، زبانی یہ بھی کہا گیا تھا کہ موضع بسی کے حدود میں پلڑی کے مکانات کا سلسلہ آ گیا ہے، اسی طرح بستی کے مکانات سے ایک جانب میں پلڑہ کے مکانات کا سلسلہ مل گیا ہے، سوال میں یہ بات ظاہر نہیں کی گئی، اگر یہ صحیح ہے تو اس کو ظاہر کرنا چاہیے۔

مجھ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ جس جگہ بسی کا مدرسہ ہے، وہ موضع ہے پلڑی کا حصہ ہے اور اس کو بھی عرفاً پلڑی میں شمار کیا جاتا ہے اور سرکاری کاغذات میں مدرسہ بسی کا کہلاتا ہے، اس کو بھی سوال میں ظاہر نہیں کیا گیا۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۴رشوال ۱۳۴۸ھ

جواب تنقیح: حضرت مفتی دین شرع متین گزارش بابت تنقیح یہ ہے کہ فی الواقع موضع بسی کے حدود میں پلڑی کی آبادی کئی بیگھہ بڑھ گئی ہے اور اب بوجہ اس کے بڑھنی بند ہوگئی ہے کہ بسی کی جانب اب تالاب ہے اور وہ رکاوٹ تعمیر مکانات پیدا کررہا ہے، یہ تالاب بسی کی آبادی کے پچاس قدم فاصلہ پر پلڑی کی جانب واقع ہے اور پلڑی کی آبادی بسی سے نہیں ملی؛ بلکہ خود بسی کی آبادی پلڑہ کے گوٹرہ سے اور کچھ صحرا پلڑا سے مل گئی ہے اور گوٹرہ کا بھی آبادی کے کاغذات سے تعلق ہوتا ہے۔

موضع بسی میں کوئی مدرسہ سرکاری واسلامیہ نہیں ہے، البتہ پہلے جس کو عرصہ پانچ ماہ کا ہوا، اسلامی تعلیم ایک معلم بچوں کو... دیا کرتے تھے، باقی موضع پلڑہ میں مدرسہ سرکاری درجہ تین تک مقرر ہے اور موضع پلڑی میں سے جو مزرعہ نکل کر آباد ہوا ہے، جس کا نام نیا گاؤں عرف گوکل گڈھ ہے، اس میں ایک مدرسہ مڈل جماعت تک سرکاری کھلا ہوا ہے اور خود پلڑی میں مدرسہ امدادی قائم تھا؛ مگر اب نہیں ہے، ور نیا گاؤں پلڑی ہی کا مزرعہ ہے، باقی نئے گاؤں کے نام کوئی صحرائی نہیں ہے۔ نیا گاؤں جو ہے، اس میں ایک کارخانہ کولہوا یکھ پیڑنے کا بھی ہے، جہاں چرخیال کثرت کثرت

سے ملتی ہیں اور دیگر حلوائی اور پنساری ولوہے کی دوکان بھی ہے، پلڑے میں بھی مستقل بازار ہے۔ پنساری، بزازہ وپرچون ولوہار، اناج وغلہ وجولاہے کی دوکان جو کہ کپڑا بنتا ہے، موجود ہے۔

الجواب

میرے نزدیک بسی اور پلڑہ پلڑی کا مجموعہ ایک ہی بستی ہے بوجہ اتصال حسی کے، گوکسی وجہ سے نام الگ الگ ہوں؛ اس لیے میں ان تینوں کو ایک گاؤں قرار دے کر ان میں جمعہ جائز سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم

۵؍ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲/۴۱۱)

گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: زید ایک گاؤں کا باشندہ ہے، گاؤں کے دیگر مسلمان اس کی دینی معلومات اور علمی قابلیت کی وجہ سے اس کو اپنے مقابلہ میں بمنزلہ عالم کے سمجھتے ہیں اور وہ حضرت والا کا معتقد ہے، اس کے گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین ہوا کرتی ہے، زید کبھی گاؤں میں حاضر رہتا ہے تو وہی نماز جمعہ وعیدین پڑھایا کرتا تھا، کچھ عرصہ سے زید نے حضرت والا کا یہ فتویٰ دیکھ کر کہ گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں، نماز جمعہ وعیدین پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے؛ مگر بخیال فتنہ دوسروں کو پڑھنے سے منع نہیں کرتا ہے اور وہ لوگ برابر پڑھا کرتے ہیں؛ مگر ان کو یہ امر ناگوار گذرتا ہے کہ زید سا شخص جو علم دین سے نسبتاً زیادہ واقفیت رکھتا ہے، نماز جمعہ وعیدین کیوں نہیں پڑھتا و پڑھاتا ہے، بعض لوگ زید کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ نماز پڑھائے؛ کیوں کہ قرب وجوار میں کے دیہات کے لوگ بھی نماز عیدین کو اس کے گاؤں میں آیا کرتے ہیں، ورنہ یہ لوگ آنا بند کردیں گے اور دوسرے بھی جو کم از کم جمعہ، یا عیدین کی نماز پڑھا کرتے ہیں، وہ بھی چھوڑ دیں گے، پس ایسی صورت میں نماز جمعہ یا عیدین زید کا نہ پڑھنا اور نہ پڑھانا شرعا کیسا ہے؛ کیوں کہ زید اپنے پیشوا (یعنی حضرت والا کے) کے فتوے کے خلاف عمل کرنا نہیں چاہتا ہے۔

(۲) یا لوگوں کے اصرار، یا انتشار کے خیال سے زید کو بھی نماز جمعہ وعیدین پڑھنا و پڑھانا چاہیے؟

الجواب

اگر اس گاوں کی آبادی تین چار ہزار سے کم ہے اور وہاں تمام ضروریات معاش نہیں ملتیں تو وہاں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں۔ پس اس صورت میں زید کو وہاں جمعہ وعیدین نہ پڑھنا چاہیے اور جو لوگ پڑھتے ہیں، ان سے منازعت او رجھگڑا بھی نہ کرنا چاہیے۔ ہاں نرمی سے عقلا کو سمجھا دیا جاوے کہ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں؛ اس لیے میں نہیں پڑھ سکتا اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ لوگ بھی نہ پڑھیں؛ تاکہ گناہ سے بچ جائیں، آئندہ تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے اور اگر نرمی سے کہنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس سے بھی احتراز کیا جائے، صرف اپنی عمل کو درست کرلیا جائے۔ واللہ اعلم

۲۶؍ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲/۴۱۱-۴۱۲)

دیہات میں نماز جمعہ:

سوال(۱) زید کہتا ہے میرے موضع فلاں میں جمعہ کی نماز جائز ہے؛ کیوں کہ یہاں مسلمان بھی کافی تعداد میں یعنی ڈیڑھ سوتک موجود رہتے ہیں اور نماز پانچ وقتی میں بھی دس گیارہ تک پہنچ جاتے ہیں اوراشیاء ضروریہ بھی ملتی ہیں؛ کیوں کہ یہاں بفضلہٖ تعالیٰ بعض اہل حرف بھی موجود ہیں، جیسے تمبولی، دھنیا، کمہار، چمار، بنیا، حلوائی، کنجڑا، بڑھی (جو بعض اوقات لوہاری کا کام بھی کرلیتا ہے)، سنار، حجام، تیلی، مالی رہتے ہیں۔

بکر کہتا ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ شرائط نماز جمعہ میں سے مصر ہے اور مصر کی تعریفیں بہت سی ہیں، من جملہ اس کے: ''**المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاما أو الكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف**'' ہے، اس پر بعض حضرات نے فتویٰ بھی دیا ہے؛ لیکن بعض لوگوں نے دوسری وجہ سے قدح کیا ہے، جیسا کہ مولانا مولوی بحرالعلوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''رسائل الارکان'' میں اور سب سے اچھی تعریف یہ ہے: ''**المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عدداً لاتسع أكبر مساجدهم**'' اور یہی ہدایہ میں ہے اور شرح وقایہ میں بھی دوسری عبارت میں یہی ہے اوراس پر اکثر حنفیہ حضرات نے فتویٰ بھی دیا ہے، جیسا کہ مولانا بحرالعلوم صاحب نے اپنی کتاب مذکورہی میں اپنے قول ''**أفتىٰ به أكثر المشائخ**'' کے ساتھ فرمایا ہے اوراس تعریف کی بناپر نماز جمعہ واقعتاً جائز یہاں نہ ہوگی؛ کیوں کہ مقیم اتنے نہیں ہوتے ہیں کہ کسی مسجد سے فاضل ہوں؛ اس لیے کہ بعض موقع پر یہاں کے جمیع باشندے مسلمان جمع ہوتے ہیں؛ لیکن مسجد پر نہیں ہوتی۔ ہاں بچوں سے پُر ہوجاتی ہے تو کیا دونوں کا کہنا باطل ہے، یا صرف بکر کا اور بکر نے جو کہا وہ اپنے دل سے، یا واقعہ ہے اور واقعہ ہے تو کیا قول مرجوح ہے، یا قول راجح؟ یا جو کچھ زید نے کہا، وہ واہی ہے یا واقعی ہے، بہرصورت تحقیق مسئلہ فرما کر یہ فرمائیں کہ کس کا کہنا باطل ہے مع دلائل بحوالہ کتب فقہ حنفیہ ونقل عبارت؛ تاکہ خصم کے لیے حجت ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) دیہاتوں میں نماز جمعہ کے جواز وفرضیت میں علماء ہند صدیوں سے مختلف الخیال ہیں، عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سلطان ہند کے زمانہ میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا۔

ملاجیون صاحب نے ''تفسیرات احمدیہ'' میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے علما کے تین گروہ ہیں:

ایک یہ ہے کہ ہر گاؤں میں نماز جمعہ کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور لوگوں کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ جو دیہاتوں میں جمعہ اگر ہو تو خود پڑھتے ہیں؛ لیکن دیہاتوں میں پڑھنے کا عام حکم نہیں دیتے ہیں اور تیسرا گروہ وہ

ہے، جو دیہاتوں میں نماز جمعہ کو حرام کہتا ہے اور لوگوں کو منع کرتا ہے اور یہ تمام گروہ علماء احناف ہی کے ہیں۔(۱)

ہمارے نزدیک جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور جماعت کے لیے بالغ مرد کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل ہیں، صرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہیے، ''حجۃ اللہ البالغۃ'' وغیرہ میں انہوں نے بوضاحت لکھا ہے۔(۲) عوام الناس کے لیے دلائل بیکار ہیں، اہل علم خود تحقیق کر سکتے ہیں، یا اگر استفتا کے ذریعہ سے مزید تحقیق مقصود ہو تو پھر دو بدو اطمینان سے گفتگو میں تحقیق ہوسکتی ہے، مراسلات سے انشراح قلب مشکل ہے، بہرحال اگر نماز جمعہ کسی دیہات میں ہوتی ہو اور کچھ لوگ نہیں پڑھتے ہوں تو ان پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور اختلاف شدید کر کے کوئی فتنہ فساد نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾ (۳) کو پیش نظر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنی چاہیے، ہماری جو کچھ رائے اس مسئلہ میں ہے، وہ میں نے لکھ دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۶/۱۱/۴ھ۔

(۲)　کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موضع ملکی، ضلع پورنیہ جس کی آبادی تقریباً پچاس گھر کی ہے،

---

(۱)　تفسیرات احمدیہ میں سورہ جمعہ کی تفسیر کے ذیل میں جو بحث ملا جیونؒ نے کی ہے، اس میں مذکور الصدر تفصیل نہیں، البتہ مصر کی تعریف کے بارے میں اختلاف اور حضور سلطان ضروری ہے، یا اذن سلطان کافی ہے؟ اس مسئلہ پر علماء کی رایوں کا اختلاف اور نتیجتاً عمل کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

كذلك يشترط لصحة أدائها ستة أخرى: المصر أو فناؤه والسلطان أونائبه ... وقد طال الكلام في زماننا بين أيدي الأنام في وجدان الشرطين الأولين لأن في معنى المصر اختلافا فقيل فيه أمير وفيه قاضٍ ينفذ الأحكام ويقيم الحدود و قيل ما لايسع أكبر مساجده أهله، والمعنى الأول لايوجد إلا نادرًا وإن كان المعنى الثاني المختار منهما يوجد في أكثر المواضع وفي السلطان أونائبه لا ندري شرط الحضور أم يكفي الإذن وإن كان كلام صاحب الكشاف يشير إلى أنه يجب الإذن عند عدم الحضور، ولهذا افترقوا فرقا مختلفا فقليل منهم من تركوا الجمعة أصلا وطائفة اكتفوا بها فقط وبعضهم أدو الظهر في منزلهم ثم سعوا إلى الجمعة وأكثرهم داموا على أدائها أولا علما منهم بأنها من أكبر شعائر الإسلام والتزموا بعدها أداء الظهر لكثرة الشكوك في شأنها وغلبة الأوهام وإن كان لا يجوز الجمع بين الفرضين عند أهل الإسلام (التفسيرات الأحمدية، سورة الجمعة، ص: ٤٧٧، مكتبة أشرفية، ديوبند، انيس)

(۲)　حضرت شاہ ولی اللہؒ نے چالیس کی شرط نہیں لگائی ہے، البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اہل بادیہ پر جمعہ نہیں۔ ہاں اگر اتنے لوگ وہاں آباد ہوجائیں، جس کی وجہ سے اس پر قریہ کا اطلاق ہوسکے تو وہاں جمعہ واجب ہوگا، شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''(أقول): وذلك لأنه لما كان حقيقة الجمعة إشاعة الدين في البلد، وجب أن ينظر إلى تمدن وجماعة والأصح عندي أنه يكفي أقل مايقال فيه: قرية لما روى من طرق شتى يقوى بعضها بعضا ''خمسة لا جمعة عليهم'' وعد منهم أهل البادية، قال صلى الله عليه وسلم: ''الجمعة على الخمسين رجلاً'' (أقول:) الخمسون يتقرى بهم قرية وقال صلى الله عليه وسلم: ''الجمعة واجبة على كل قرية. (حجة الله البالغة، باب الجمعة: ١١٥/٢، مجاهد)

(۳)　سورة الجاثية: ١٥، انيس

ضرورت کی چیزوں کی لیے یہاں کے باشندے چار کوس دوڑتے ہیں تو ان کو بازار ملتا ہے، جس سے خریدتے ہیں، ایسی بستی میں نماز جمعہ وعیدین برابر ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۲)　اس موضع میں جمعہ وعیدین اگر جاری ہے تو پڑھنا چاہیے؛ لیکن ضلع پورنیہ میں جو یہ دستور ہے کہ ایک بستی میں چند ٹولے ہوتے ہیں اور ہر ٹولہ میں نماز جمعہ ہوتی ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ بحسن وخوبی سمجھا کر نماز جمعہ ایک ہی جگہ بڑی جماعت سے پڑھی جائے، اگر مسجد کے اندر گنجائش نہ ہو تو لوگ مسجد کے باہر پڑھیں، اسی طرح عیدین بھی یکجا ہو کر میدان میں پڑھیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۵/۵/۱۱ھ۔

(۳)　ضلع گیا علاقہ رفیع گنج میں ایک بستی قاسمہ ہے، جو تقریباً سو گھر کی آبادی پر مشتمل ہونے کے علاوہ لب دریا اور سڑک کے کنارہ پر واقع ہے، یہاں ڈاک خانہ اور بازار بھی ہے، ضروت کے مطابق چیزیں میسر آجاتی ہیں، بازار میں ایک مسجد ہے، جس میں عرصہ چھ سال سے جمعہ ہوتا ہے، دیگر مواضعات سے بھی کچھ لوگ آ کر اس میں شریک ہوجاتے ہیں؛ اس لیے بعض ہمدردان قوم نے دیہات کی ابتر حالت دیکھ کر اور جمعیت کی ضرورت سمجھ کر اس امر کی کوشش کی کہ آس پاس والے مواضعات سے بھی لوگ آ کر نماز جمعہ میں شریک ہوں؛ تاکہ شیرازۂ اسلام محکم ومضبوط ہو اور قرب وجوار کے مسلمانوں میں ایک اتحادی قوت پیدا ہوجائے اور جو باہمی تنازعات ومناقشات ایک موضع کے مسلمان سے دوسرے موضع کے مسلمانوں میں ہیں، وہ بھی وعظ ونصائح کے ذریعہ بآسانی سلجھا کر "**والصلح خير**" کی شاہراہ پر سب کو لے آئیں، چناں چہ اس کے متعلق تقریریں کی گئیں اور قرب وجوار کے مسلمانوں کو نماز جمعہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تو بعض ناعاقبت اندیش حضرات نے مسلمانوں کو اس مصلحت آمیز جمعہ سے باز رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی اور کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ قاسمہ میں نماز جمعہ ناجائز ہے؛ اس لیے ہم اور ہمارے حلقۂ بگوش نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوسکتے اور حتی الامکان ہم اوروں کو بھی اس سے روکیں گے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی موضع مذکور میں جمعہ ناجائز ہے؟ اور کیا یہاں کی جماعت مذکورہ بالا مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی ختم کردی جائے؟ اور جمعہ موقوف کردیا جائے؟ علمائے پھلواری شریف سے عموماً اور اعلیٰ حضرت حضرت امیر شریعت ثانی مدظلہ العالی سے خصوصاً استدعا ہے کہ اس کا جواب باصواب از روئے شرع شریف مفصل تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور سفینۂ اسلام کی موجودہ ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر اس کی ناخدائی فرما کر ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کو ساحل مراد تک پہونچائیں؟

(۱)　جس طرح یہ فقہی مسائل عوامی نزاع اور فساد کی بنیاد بن گئے ہیں اور ان مسائل کی بنیاد پر مار پیٹ، گروہ بندی، مقدمہ بازی، ہتک حرمت مسلم جیسے مفاسد پیدا ہورہے ہیں، ان کے پیش نظر اور "**الفتنة أشد من القتل**" کی حکمت شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولاناؒ اس طرح کے مجتہد فیہ مسائل میں ایسے فتاویٰ دیتے تھے؛ تاکہ کسی بھی قیمت پر ان فروعی مسائل کی وجہ سے امت کا اجتماعی شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے۔ مجاہد

الجواب ــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

(۳) صورت مذکورۃ الصدر میں بمقام قاسمہ مسجد میں نماز جمعہ محققین حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے اور میں بحیثیت قائم مقام امیر شریعت اجازت دیتا ہوں کہ مسلمانان قاسمہ و مسلمانان اطراف قاسمہ وہاں نماز جمعہ پڑھا کریں، اطراف کے وہاں تک کے لوگ آئیں، جو قریب تر ہوں اور جن کو آنے جانے میں سہولت ہو، ہماری اس تحریری اجازت کے بعد اب کوئی ذی علم اختلاف نہیں کرے گا؛ کیوں کہ ان کو معلوم ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں حکم حاکم اختلاف کو رفع کر دیتا ہے، جو حکم حاکم دیتا ہے، وہی سب کے لیے قابل عمل ہوتا ہے اور نماز جمعہ کی بابت تو خاص تصریح ہے کہ جب امیر کسی چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ قائم کر دے تو سب کو پڑھنا چاہیے۔(۱) جو عالم دین اختلاف کریں، ان کو یہ دکھا دیا جائے، یا ہمارے پاس ان کو بھیج دیا جائے، ان شاء اللہ وہ سمجھ جائیں گے، ورنہ جس مقام کی بابت سوال ہے، وہاں تو بلا اختلاف جمعہ جائز ہے۔ بہر حال نماز جمعہ پڑھی جائے اور بعد نماز جمعہ تمام مصلّیوں سے اسلامی احوال اور قوت اور کفار کی شرارت وزور پر غور کیا جائے اور سب لوگ رہیں اور سب کو تاکید کی جائے کہ ہر شخص رہے اور نقیب سردار کو اطلاع دیتے رہیں۔ دفتر امارت شرعیہ میں بھی ہر واقعہ کی اطلاع دی جائے، گیا کے دفتر میں بھی اور کسی حال میں بھی آپس میں اختلاف و جھگڑا نہ ہونے دیں، جو لوگ جمعہ نہ پڑھیں، ان پر زبردستی نہ کی جائے اور جو عالم اختلاف کریں، ان کی شان میں بھی کوئی خلاف تہذیب بات نہ کہی جائے، ان سے کہا جائے کہ وہ مجھ سے آ کر ملیں اور اپنی تشفی کر لیں، خط و کتابت میں زیادہ وقت صرف ہوگا۔ **هذا ما علمني ربي وهداني سواء السبيل فإليه الإنابة وعليه التعويل.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۲۰/۱۰/۱۳۴۴ھ۔

(۴) منڈل شاہی جہاں چالیس گھر مسلمانوں کی آبادی ہے، وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے، عیدین و جمعہ وہاں ہوتا ہے، مگر چکر دھر کے پیش امام مولوی افضال حسین صاحب یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ و عیدین کی نماز جائز نہیں ہے، اب حضور کیا فرماتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

(۴) علماء حنفیہ کا اختلاف ہے، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ چالیس گھر مسلمانوں کی مستقل آبادی جہاں ہو،

---

(۱) وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق قال أبو القاسم هذا بلاخلاف اذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه وفيما ذكرنا اشارة الىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا ترىٰ أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذا اذا لم يتصل به حكم فان في فتاوىٰ الديناري اذا بنىٰ مسجد في الرستاق بأمر الامام فهو أمر بالجمعة اتفاقا.(رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(قوله: واذا اتصل به الحكم، الخ) قد علمت أن عبارة القهستاني صريحة في أن مجرد الأمر رافع للخلاف بناء علىٰ أن مجرد أمره حكم.(رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر، بيروت، انيس)

وہاں جمعہ وعیدین جائز ہےاور میں حکم دیتا ہوں کہ ایسی بستی میں جمعہ قائم کیا جائے، میرے اس حکم کے بعد علمائے حنفیہ کا اختلاف بھی اٹھ جائے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۴/۱۲/۲۵ھ۔

(۵) تیس برس سے ہم لوگ اپنی بستی کی مسجد میں نماز جمعہ برابر پڑھا کرتے تھے، بہار شریف کے ایک مولانا نے آکر کہا کہ یہاں نماز جمعہ ناجائز ہے؛ اس لیے لوگوں نے چھوڑ دیا، صرف ہم تین آدمی پڑھا کرتے ہیں، یہ نماز جائز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۵) اگر آپ کی بستی میں مستقل آبادی ہو، چالیس کے انداز بالغ مسلمان مرد رہتے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہاں نماز جمعہ برابر سے ہوتی آئی ہے، لہذا آپ لوگ پڑھیے اور جماعت کو بڑھائیے، اطراف سے بھی مسلمانوں کو بلا کر جماعت بڑھائیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳۴۴/۱۲/۲۵ھ۔

(۶) گزارش خدمت ہے کہ علما کا اختلاف قوم کی گمراہی، دین کی بربادی کے لیے کچھ کم نہیں ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج ہر دیہات میں جمعہ قائم ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کو اٹھا سکے؛ کیوں کہ ایک اٹھائے گا تو دوسرا اس کو قائم کرنے کے لیے تیار ہے، چناں چہ موضع اکٹیر میں بھی کچھ عرصہ سے جمعہ قائم ہے اور بعد قیام جمعہ بستی کی حالت بیان کرکے فتوی بھی منگائے گئے اور بالاتفاق سبھوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا؛ لیکن اس پر بھی لوگوں نے جمعہ قائم رکھا اور یہ ہمت اسی سبب سے ہوئی کہ بعض علما تشریف لائے اور بے چوں وچرا نماز جمعہ میں شریک ہوئے، ان کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں گئی؛ کیوں کہ جمعہ کے ساتھ ساتھ ظہر بھی ساقط نہیں ہوتا ہے تو میں نے ایک استفتا مدرسہ شمس الہدیٰ میں مولانا محمد سہول صاحب کی خدمت میں بھیجا، وہ استفتا یہ ہے:

(نقل استفتا) ایسے دیہات میں جمعہ قائم کرنا درست ہے، یا نہیں؟ جس میں مسلمانوں کی آبادی تیس گھر کی ہو اور ایک چھوٹی مسجد ہے، جس میں پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے، نمازی کی تعداد پنج گانہ میں دس پانچ اور جمعہ میں پندرہ سولہ رہتی ہے، اس کی ایک صف میں سولہ سترہ آدمی آسکتے ہیں، اس بستی میں تین دکانیں بھی ہیں، دونوں میں نمک مرچ (جو عموما دیہات میں دیہاتی ضرورتوں کے لیے ہوتی ہے) اور تیسری میں علاوہ ازیں غلہ بھی بکتا ہے، اگر جمعہ ایسی بستی میں درست نہیں ہے تو اٹھا دینا چاہیے، یا اس کے قائم رکھنے کی کوئی صورت ہے، اگر کوئی صورت ہو تو بحوالہ کتب حنفی تحریر فرمائیں؟

اس کا جواب یہ آیا (نقل جواب): ''مذکورہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے، اٹھا دینا چاہیے۔ ہاں اگر اہل دیہات

جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ امیر شریعت صوبہ بہار کی خدمت میں دیہات کی آبادی وغیرہ بیان کرکے درخواست کریں، اگر وہ جمعہ قائم کرنے کا حکم دیں تو جمعہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔

وفی القهستانی :إذن الحاكم ببناء الجامع فی الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً علٰی ما قاله السرخسی.(۱)

قال الشامی تعليقًا علٰی قولہٖ (وفی القهستانی): وفيما ذكرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما فی المضمرات والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا ترىٰ أن فی الجواهر لو صلوا فی القرىٰ لزمهم أداء الظهر وهٰذا إذا لم يتصل به حكم.(۲)

حررہ محمد ابراہیم احمد آبادی (فاضل)، الجواب صحیح: محمد سہول عفی عنہ۔ الجواب صحیح: اصغر حسین عفی عنہ الباری‘‘۔

اس جواب سے کامیابی نظر آنے لگی اور بہت مسرت ہوئی کہ گمراہوں کی ہدایت کی ایک راہ نکل آئی۔

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ مسلمانوں کی حالت پر نظر کرتے ہوئے ان کے فساد کو صلاح اور خرابی کو خوبی، بربادی کو کامیابی بنانے کے لیے موضع اکٹیر میں جمعہ قائم رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے؛ تاکہ وہ عمر بھر کے ظہر سے سبکدوش ہوجائیں، ورنہ عمر بھر کا ظہر ان کے سر پر رہے گا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۲) موضع اکٹیر مذکور الصدور میں مشائخ وائمۂ حنفیہ کے اصول وفروع ومصالح امت کو پیش نظر رکھ کر اقامت جمعہ کی، میں بحیثیت نائب امیر شریعت اجازت دیتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد، ۲۱؍صفر ۱۳۴۷ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/۵۴، ۶۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دیہات میں نماز جمعہ کے جواز کا فتویٰ:

سوال: موضع سرسہدہ میں ایک مسجد ہے، نمازیوں کی تعداد بحیثیت آبادی گویا قلیل ہے، یہاں کے سابق امراء نماز اور جماعت کے پابند تھے، وہ انتقال کرگئے، اب کے نوجوان جو قیام بھی یہاں کم رکھتے ہیں، ان کو مسجد میں نماز سے تعلق نہیں ہے؛ اس لیے نماز با جماعت پنجگانہ کی پابندی نہیں ہے؛ مگر نماز جمعہ کی ہوتی ہے، ایسی حالت میں یہاں نماز جمعہ پڑھی جائے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

(۱) دیہات میں جمعہ کی بابت جو فتویٰ امارت سے بارہا بھیجا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جس گاؤں میں مسلمانوں کی مستقل آبادی ہو اور بالغ مرد جماعت کے لئے کافی ہوں، وہاں نماز جمعہ ہوسکتی ہے، چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ

---

(۱) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفكر بيروت، انيس

محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ چالیس مسلمان وہاں موجود ہوں تو پڑھنا چاہیے،''حجۃ اللہ البالغہ ومسوّیٰ'' وغیرہ میں بوضاحت لکھا ہے۔(۱) بہرحال اگر نماز جمعہ کسی دیہات میں ہوتی ہواور کچھ لوگ نہیں پڑھتے ہوں تو ان پر اصرار نہیں کرنا چاہیے؛ تاکہ فتنہ وفساد نہ پیدا ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ،۲۶/۳/۱۳۴۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۶۲/۱-۶۳)

جمعہ کی نماز فرض ہے:

سوال(۱) جمعہ کی نماز فرض ہے، یا واجب؟ مع الدلیل تحریر فرمائیں۔

شہر کی تعریف کیا ہے:

(۲) شہر کی تعریف کیا ہے؟اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہوتو قائم رکھنا چاہیے، یا توڑ دینا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) جمعہ کی نماز فرض ہے،(۲)فرضیت قرآن سے ثابت ہے۔(۳)حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کی نماز شہر میں مرد عاقل بالغ آزاد پر فرض ہے،عورت بچے غلام پاگل پر فرض نہیں۔(۴)

(۲) شہر کی تعریف متقدمین کے نزدیک یہ ہے کہ جہاں مفتی،قاضی ہوں،مقدمات فیصل ہوتے ہوں،متأخرین کے نزدیک وہ بڑی آبادی بھی ہے، جہاں روزمرہ کے معمولی ضروریات زندگی کی تمام چیزیں مل جاتی ہوں،چھوٹی بستیوں میں جہاں چند آدمیوں کی جماعت ہوتی ہو، جمعہ پڑھنے سے فرضیت ظہر ساقط نہیں ہوگی۔(۵)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۸/۷/۱۳۴۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۳۵/۲)

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جمعہ کی بحث میں لکھا ہے کہ ایسی آبادی میں جمعہ ہوسکتا ہے جسے کم سے کم ''قریہ'' کہا جاسکے اورانہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میرے نزدیک ''قریہ'' ہونے کے لئے کم سے کم پچاس افراد کا وہاں مقیم ہونا ضروری ہے:والأصح عندی أنه یکفی أقل مایقال فیه قریة ... (أقول)الخمسون یتقری بهم قریة.(حجة اللّٰه البالغة،باب الجمعة: ۱۱۵/۲،مکتبة حجاز دیوبند،مجاهد)

(۲) (هی فرض) عین (یکفر جاحدها) لثبوتها بالدلیل القطعة.(الدر المختار علی هامش ردالمحتار،باب الجمعة: ۱۳۶/۲، دارالفکر بیروت،انیس)

(۳) ﴿یٰأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اِذَا نُودِیَ لِلصَّلاَةِ مِن یَّومِ الجُمُعَةِ فَاسعَوا اِلٰی ذِکرِ اللّٰهِ وَذَرُوا البَیعَ﴾(الجمعة: ۹،انیس)

(۴) عن طارق بن شهاب قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة:عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض. (رواه أبو داؤد)(مشکوة المصابیح: ۱۲۱/۱)(سنن أبی داؤد، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱۵۹/۱-۱۶۰، مکتبة حقانیة،قدیمی)

(۵) قال فی شرح المنیة:والحدّ الصحیح ما اختاره صاحب الهدایة أنه الذی له أمیر وقاض ینفّذ الأحکام ویقیم الحدود ... فی التحفة عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث.(ردالمحتار: ۵/۳-۶)==

چھوٹی بستی میں جمعہ:

سوال: (۱) موضع ساہی ۲۵؍گھر مسلمانوں سے آباد ہے، جس میں موجودہ آدمیوں کی تعداد دس بارہ ہے۔

(۲) قبل دس، بارہ سال سے جمعہ کی نماز اس بستی میں ہوتی تھی۔

(۳) اس طرف قریب آٹھ، نو ماہ سے نماز جمعہ ترک ہے، جس کی وجہ نمازیوں کی کمی اور کبھی امام کی غیر حاضری۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

موضع ساہی میں جب کہ نماز جمعہ عرصہ سے متروک ہے تو پھر دوبارہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ظہر کی نماز پڑھا کریں اور نمازی بنانے کی اور جماعت بڑھانے کی برابر کوشش کی جائے، چھوٹی بستی میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۰؍۸؍۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۹/۲)

بڑی بستی میں جمعہ:

سوال: موضع ڈمرانواں، بہار شریف سے چار کوس پر جانب مشرق واقع ہے، وہاں ایک ایسی مسجد پختہ ہے، جس میں بستی کے اگر کل مسلمان جمع ہوں تو گنجائش ہوجائے۔ضروریات زندگی کی حسب ذیل چیزیں بلا پریشانی ہر وقت مل جاتی ہیں، مثلاً اشیاء خوردونوش، کپڑا اوادویات۔ بستی میں ڈاکخانہ ہے، چار دوکان بنیوں کی، دودوکان حلوائی کی، تین دوکان تنبولیوں کی، تین دوکان درزیوں کی، چق، حجام، سبزی فروش، بڑھی، قصاب، کمہار آباد ہیں۔ ایک معمولی پرچون کی دوکان ہے، جس میں کپڑا بھی بکتا ہے، ایک سند یافتہ طبیب بھی ہیں، ان کا مطب بھی ہے۔ یہ بستی تقریباً ڈیڑھ میل مربع کے اندر آباد ہے، جس میں ہنود بھی آباد ہیں، مسلمانان ڈیڑھ سو گھر ہیں، جس میں تین سو مرد مسلمان بالغ آباد ہیں؛ مگر مستقل قیام اسّی مرد کا رہتا ہے، بقیہ باہر رہتے ہیں۔ اس بستی میں آج تک نماز جمعہ نہیں ہوئی ہے، نماز پنج گانہ مسجد میں ہوتی ہے، جس میں تقریباً دس آمیوں کی جماعت ہوتی ہے۔ پس ان سب صورتوں کے ہوتے ہوئے ایسی بستی میں نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس بستی میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے اور مسلمانوں کو پڑھنا چاہیے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۹؍۱۱؍۱۳۴۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۹/۲-۲۵۰)

== وفيما ذكرنا اشارة الى أنه لاتجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما فى المضمرات. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) وفيما ذكرنا اشارة الى أنه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما فى المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) وتقع فرضًا فى القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق (ردالمحتار: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس

جمعہ فی القریٰ کا مسئلہ:

سوال: جس دیہات میں سو گھر مسلمان ہوں اور چار پانچ اردو، فارسی، عربی جانتے ہوں، وہاں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

دیہات میں جمعہ پڑھنے کے متعلق اختلاف ہے، چھوٹے دیہات میں امام اعظم (ابوحنیفہ) رحمۃ اللہ علیہ نماز جمعہ کو جائز نہیں فرماتے۔ آپ کی بستی میں اگر سو گھر مسلمان کے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں بھی ملتی ہیں تو وہاں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۵۰) ☆

---

(۱) اصل یہ ہے کہ اہل بادیہ وہ آبادی ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہے، ان کے لیے نماز جمعہ نہیں۔ رہے وہ لوگ جو کسی بستی میں آباد ہیں اور وہ بستی ایک مستقل آبادی کی حیثیت رکھتی ہے انہیں "قریہ" کہا جاتا ہے، قریہ کی بھی دو صورتیں ہیں: قریۂ صغیرہ چھوٹی بستی، چھوٹا گاؤں، قریۂ کبیرہ، بڑی بستی، پھر آبادی زائد ہو اور وہاں ایک حد تک شہریت اور مرکزیت بھی پیدا ہوگئی ہو تو اسے قصبہ کہتے ہیں اور باضابطہ شہر ہو تو اسے مصر کہتے ہیں۔ وجوب جمعہ کے سلسلہ میں سبھی ائمہ نے کوئی نہ کوئی قید لگائی ہے۔ کسی نے مصر کی، کسی نے قریۂ کبیرہ کی، کسی نے تعداد مصلیین کی وغیرہ وغیرہ۔ مصر کی تعریف میں بھی علما وفقہا کے الفاظ مختلف ہیں۔ ان سب چیزوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر، یا قریہ اس طرح کی اصطلاحات کو عرف پر محمول کیا جانا چاہیے، جو مختلف زمانوں، مختلف مکان اور مختلف بلاد کے اعتبار سے متغیر ہوتا رہتا ہے۔ پس جس مقام کو کسی علاقہ میں عرفاً شہر شمار کیا جاتا ہے، وہ مصر ہے اور جس کو بڑی بستی شمار کیا جاتا ہے، وہ قریۂ کبیرہ، یا قصبہ ہے اور جس کو چھوٹا گاؤں مانا جاتا ہے، وہ قریۂ صغیرہ ہے، وجوب اور جواز جمعہ کے لیے ایک درجہ مدنیت ضروری ہے۔ مصر کی تعریفات میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، دراصل وہ علامات ہیں، ان تعریفات کو جامع مانع حد نہیں سمجھنا چاہیے۔ اصول بھی یہی ہے کہ شرع نے اگر کوئی اصطلاح استعمال کی ہو اور اس کی تعریف خود بیان نہ کی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس لفظ کو یا تو اس کے لغوی معنی پر محمول کیا جائے، یا عرفی مفہوم پر۔ بہرحال تمام اقوال اور تفصیلات کو سامنے رکھ کر قول فیصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصر وقصبات میں وجوب جمعہ میں کوئی شک نہیں۔ اگر کوئی قریہ اس علاقہ کے عرف میں قریۂ کبیرہ شمار کیا جائے تو وہاں بھی جمعہ کی نماز ادا کی جائے اور بہرحال مسئلہ مجتہد فیہ ہے؛ اس لیے نہ دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے پر جمعہ نہ پڑھنے والے اور جمعہ نہیں پڑھنے والوں پر جمعہ پڑھنے والے نکیر کریں اور نہ آپس میں فرقہ بندی کریں۔ مجاہد

☆ **نماز جمعہ واجب ہونے کی شرطیں:**

(۱) مقیم ہونا، پس مسافر پر نمازِ جمعہ واجب نہیں۔

(۲) صحیح ہونا مریض پر نماز جمعہ واجب نہیں، جو مرض جامع مسجد تک پاپیادہ جانے سے مانع ہو، اسی کا اعتبار ہے، بڑھاپے کی وجہ سے اگر کوئی شخص کمزور ہوگیا ہو کہ مسجد تک نہ جاسکے، یا نابینا ہو، یہ سب لوگ مریض سمجھے جائیں گے اور نماز جمعہ ان پر واجب نہیں۔

(۵) جماعت کے ترک کرنے کے لیے جو عذر اوپر بیان ہو چکے ہیں، ان سے خالی ہونا، اگر ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود ہو تو نماز جمعہ واجب نہ ہوگی، اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرطوں کے نماز جمعہ پڑھے تو نماز ہوجائے گی؛ یعنی ظہر کا فرض اس کے ذمہ سے اتر جائے گا، مثلاً کوئی مسافر، یا کوئی عورت نماز جمعہ پڑھے۔

جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں:

(۱) مصر؛ یعنی شہر یا قصبہ، پس گاؤں، یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں، البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبہ کے برابر ہو، ==

عیدگاہ میں نماز جمعہ:

سوال: نماز جمعہ عیدگاہ میں پڑھ سکتے ہیں، یانہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز جمعہ ہر اس مقام میں پڑھنا جائز ہے، جہاں داخلہ کی عام اجازت ہو؛ اس لیے عیدگاہ میں بھی جائز ہے؛(۱) لیکن برابر پڑھنا خلاف سنت ہوگا؛ کیوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ مسجد میں پڑھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۲/۹/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۲-۲۵۳)

مکان میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: کسی خاص آدمی کے مکان میں (جہاں ہر خاص وعام بلا اذن پہونچ سکتے ہیں) جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جس جگہ کسی ایک شخص کو بھی نماز کے لیے جانے سے نہ روکا جائے، اس جگہ نماز جمعہ جائز ودرست ہے۔(۲) فقہ کی تمام کتابوں میں اس مسئلہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۷/۱۱/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۳)

== مثلاً تین چار ہزار آدمی ہوں، وہاں جمعہ درست نہیں ہے۔

(۲) ظہر کا وقت، پس ظہر سے پہلے اور ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد نماز جمعہ درست نہیں حتیٰ کہ اگر نماز جمعہ پڑھنے کی حالت میں وقت جاتا رہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اگرچہ قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد کے ہوچکا ہو اور اسی وجہ سے نماز جمعہ قضا نہیں پڑھی جاتی۔

(۳) خطبہ؛ یعنی لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔

(۴) خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا اگر نماز کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۵) خطبہ کا نماز ظہر کے اندر ہونا پس وقت کے آنے سے پہلے اگر خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۶) عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ پڑھنا، پس کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں، اگر کسی ایسے مقام میں نماز جمعہ پڑھی جائے، جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو، یا جمعہ کو مسجد کے دروازے بند کرلیے جائیں تو نماز نہ ہوگی۔ (ماخوذ: دین کی باتیں از مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(۱) **(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء ... (و)السابع (الاذن العام). (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷-۱۵۱، دار الفكر بيروت، انيس)**

(۲) اذن عام ضروری ہے؛ مگر ایک شہر، یا قصبہ میں ایک جگہ سے زائد جمعہ ہوتا ہو تو جائز ہے، انیس بشرطیکہ وجوب جمعہ کی دیگر شرطیں موجود ہوں۔ [مجاہد]

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر) ... (و) السابع (الاذن العام). (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷-۱۵۱، دار الفكر بيروت، انيس)

چھوٹی اور بڑی بستی میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: آدھ میل کی دوری پر دو بستیاں ہیں اور دونوں بستیوں میں مسجد کی دیوار پختہ ہے، ازیں قبل ایک ہی مسجد میں دونوں بستیوں کے لوگ نماز جمعہ ادا کرتے تھے، اب لوگوں کی بھی آبادی کثیر ہوگئی ہے اور لوگ دوسری بستی میں بھی نماز جمعہ ادا کرنے لگے ہیں، ایک مقامی عالم ناجائز بتاتے ہیں اور ایک دوسرے مقامی عالم اس کو جائز بتاتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر بستی چھوٹی اور دیہات ہے تو نہ یہاں جمعہ ہے اور نہ وہاں۔ ایسی چھوٹی بستیوں میں ظہر ادا کرنی چاہیے اور اگر دونوں بستیاں ''قریۂ کبیرہ'' شمار ہوتی ہیں اور وہاں کچھ شہریت کے آثار ہیں تو وہاں جمعہ درست ہے اور دونوں جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام القاسمی، ۱۰؍شوال ۱۳۹۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹۸/۲)

جیل خانہ میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: جیل خانہ، یا فیکٹری وغیرہ میں نماز جمعہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جیل خانہ، یا فیکٹری میں نماز جمعہ کی ادائیگی صحیح ہے، یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علما کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض علما جواز کے قائل ہیں، ان کے نزدیک نماز جمعہ کی ادائیگی صحیح ہوگی اور بعض کے نزدیک صحیح نہیں ہوگی، جو لوگ عدم صحت کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ صحت ادائیگی جمعہ کے لیے ''اذن عام'' شرط ہے، جو جیل خانہ، یا فیکٹری میں نہیں پائی جاتی ہے اور جو لوگ صحت جمعہ کے قائل ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ''اذن عام'' کی شرط اس وقت ہے، جب کہ پورے شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ قائم ہو، وہاں پر اگر اذن عام نہ ہو تو کچھ لوگوں کی نماز فوت ہو جائے گی؛ لیکن اگر کسی شہر میں مختلف جگہ جمعہ کی نماز قائم ہو تو وہاں پر ''اذن عام'' شرط نہ ہوگا؛ اس لیے کہ وہاں پر دوسری جگہ جا کر جمعہ کی نماز پڑھ لینا ممکن ہے، جس سے تفویت جمعہ لازم نہیں آئے گی۔ علامہ شامی کی عبارت سے یہ مسئلہ بالکل منقح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو، شامی کی عبارت: ''**قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعدّدت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت، كما أفاده التعليل، تأمل**''. (۲)

---

(۱) اگر جمعہ پہلے سے ہو رہا ہے تو بند نہ کیا جائے، نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ انیس

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ... ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كمافي المضمرات. (ردالمختار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة: ۱۵۲/۲، دارالفكر بيروت، انيس

نیز جیل خانہ، یا فیکٹری کا دروازہ بند کرنے کا مقصد دشمن کو اندر داخل ہونے، یا قیدی کو نکل کر بھاگنے سے روکنا ہوتا ہے، نہ کہ نمازیوں کو نماز سے روکنا اور مذکورہ مقصد کے لیے دروازہ کا بند ہونا صحت ادائیگی جمعہ کے لیے مضر نہیں ہے، جیسا کہ صاحب درمختار اور علامہ شامی دونوں نے اس کی وضاحت کی ہے۔(۱)

مفتی ظفیر الدین صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ جیل خانہ میں، یا فیکٹری میں نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو نماز صحیح ہوگی۔فتاوی دارالعلوم جلد پنجم، باب العیدین: ۲۱۱/۵ پر بہت اچھی بحث کی ہے، ملاحظہ کرلیا جائے۔(۲)

احقر کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ اگر جیل خانہ، یا فیکٹری میں جمعہ کی نماز ادا کر لی جائے تو نماز شرعاً صحیح و درست ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۲۷/۱۰/۱۴۱۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹۸/۲-۵۰۰)

شہر سے متصل فیکٹری کے میدان میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: بی، اے، آر، سی نام کی ایک کمپنی ہے، مذکورہ کمپنی میں تقریباً ۲۰/ہزار آدمی کام کرتے ہیں، جن میں سے چالیس، یا پچاس مسلمان ہیں، نیز یہ کمپنی شہر میں نہیں؛ بلکہ شہر کے متصل ہے۔شب و روز کمپنی میں کام ہوتا ہے، جو لوگ صبح کو کام کرنے کے لیے جاتے ہیں، وہ شام کو آجاتے ہیں اور جو شام کو جاتے ہیں، وہ صبح آجاتے ہیں۔مذکورہ کمپنی میں مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے ایک میدان متعین کرلیا ہے، حالاں کہ اس جگہ پر پنج وقتہ نماز ادا نہیں کی جاتی ہے، صرف نماز جمعہ کمپنی میں کام کرنے والے مسلمان جمع ہوکر ادا کرتے ہیں تو کیا مذکورہ صورت میں مذکورہ مقام پر نماز جمعہ ادا ہوجائے گی۔نیز اگر جمعہ ادا نہیں ہوا تو ایسی جگہ پر نماز پڑھنے والوں کے ذمہ اس دن کی ظہر کی نماز باقی رہے گی، یا ظہر کی نماز ساقط ہوجائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کی نماز مصر، فناء مصر، قصبہ اور قریۂ کبیرہ (بڑی بستی) میں شرعاً صحیح و درست ہے اور چھوٹی بستی میں نماز جمعہ عندالاحناف صحیح نہیں۔

''وتقع فرضًا فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق ... وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات''.(۳)

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب فی شروط وجوب الجمعة: ۱۵۲/۲، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) ''اذن عام'' کی شرط چوں کہ نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لیے بعض لوگوں کو رجحان عدم جواز ہے؛ لیکن خاکسار کا ذاتی رجحان جواز کی طرف ہے، موجودہ دورہ میں جب کہ ایک شہر میں تعدد جمعہ کے جواز پر فتوی اور عمل دونوں ہے؛ ''اذن عام'' کی شرط محض لغو ہے۔درمختار اور شامی میں جو بحث مذکور ہے، اس سے بھی جواز ہی ثابت ہوتا ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲۱۱/۵)

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس

علما وفقہا کی تصریحات اس باب میں موجود ہیں کہ مصر، قصبہ، قریۂ کبیرہ اور قریۂ صغیرہ کی تعریف عرف پر مبنی ہے، جہاں جس جگہ کو مصر کہتے ہوں، وہ مصر ہے، قصبہ کہتے ہوں قصبہ ہے، قریۂ کبیرہ کہتے ہوں قریۂ کبیرہ ہے، جس کو قریۂ صغیرہ سمجھتے ہوں، وہ قریۂ صغیرہ ہے۔ حضرت مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی قاضی شریعت بہار واڑیسہ نے اپنی کتاب ''چند اہم فقہی مسائل بدلتے ہوئے حالات میں'' بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہی ہے کہ فناء مصر اس جگہ کو کہتے ہیں، جو شہر کے مصالح اور ضروریات کے لیے تیار کی گئی ہوں، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان، فوجی کیمپ اور آج کے زمانہ میں ایر پورٹ اور بس اسٹینڈ وغیرہ۔

''المعد لمصالح المصر، فقد نص الأئمة علیٰ أن الفناء ما أعد لدفن الموتیٰ وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلک''. (۱)

آپ کے سوال میں یہ لکھا گیا ہے کہ یہ کمپنی شہر سے متصل ہے اور شب وروز اس میں ہزاروں آدمی کام کرتے ہیں، اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کمپنی ایسی جگہ قائم ہے، جو شہر سے ملحق ہے اور فناء مصر کا درجہ رکھتی ہے؛ اس لیے اس میں جمعہ کی نماز شرعاً صحیح ودرست ہے اور سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور اگر یہ کمپنی شہر سے دور کسی چھوٹے گاؤں میں واقع ہے تو اصولاً ایسی جگہ جمعہ قائم نہیں کیا جانا چاہیے؛ لیکن علما وفقہا نے یہ صراحت کردی ہے کہ جس جگہ وجوب جمعہ کے شرائط نہیں پائے جاتے ہوں، اگر وہاں جمعہ زمانۂ قدیم سے قائم ہو اور اس کو روکنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو روکنا نہیں چاہیے، چوں کہ وہ لوگ فرض سمجھ کر پڑھتے ہیں؛ اس لیے ان کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا اور ایسی صورت میں مذہب غیر پر عمل کر لینا جائز ہوگا۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ''کفایت المفتی'' میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لیے وجہ جواز ہیں''۔ (کفایت المفتی: ۱۹۴/۳)

لہٰذا مذکورہ کمپنی اگر کسی چھوٹے گاؤں میں واقع ہے؛ لیکن جمعہ کچھ عرصہ سے قائم ہے اور اس کو روکنے میں باہمی اختلاف وفساد کا اندیشہ بھی ہے، تب بھی اس کو روکا نہ جائے، حسب تصریحات علما وفقہا ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے ذمہ سے بھی فرض ساقط ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ صحت جمعہ کے لیے مسجد اور نماز پنجگانہ قائم ہونا شرط نہیں ہے، میدان میں بھی ضرورۃً جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۰/محرم ۱۴۱۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۵۰۰-۵۰۱)

گاؤں میں نماز جمعہ:

سوال: ہم ایسے گاؤں میں رہتے ہیں، جس میں نہ بازار ہے، نہ کوچے ہیں، نہ اسٹیشن ہے اور نہ وہاں کوئی عدالت ہے، ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو یہاں جمعۃ الوداع اور عید جائز ہے، یا نہیں؟

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب فی صحة الجمعة: ۱۳۹/۲، دارالفکر بیروت، انیس

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

ایسے گاؤں میں جہاں نہ بازار ہے، نہ کوچے ہیں، نہ وہاں کوئی عدالت ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، حنفیہ کے نزدیک وہاں جمعہ درست نہیں؛ کیوں کہ جمعہ کے ادا کے لیے مصر شرط ہے، قریہ میں جمعہ ادا نہیں ہوتا اور نہ ظہر ذمہ سے ساقط ہوتی ہے، اگر زمانہ قدیم سے وہاں جمعہ ہوتا آرہا ہے تو خیر، ورنہ نئے طریقہ پر جمعہ قائم نہ کریں، حنفیہ کی حجت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشہور اثر ہے: ''**عن علی رضی اللّٰه عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلاّ فی مصر جامع أو مدينة عظيمة**''. (۱)

جب جمعہ درست نہیں تو جمعۃ الوداع اور عید کا بھی وہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹/ جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۵۰۲)

کیمپ میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: میں دو سال سے سعودی عرب میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم ہوں، جہاں ہم لوگ رہتے ہیں، قریب میں کوئی آبادی نہیں ہے، صرف ملازمت پیشہ لوگ کمپنی کے کیمپ میں رہتے ہیں، اس کیمپ میں ہندوستانی، پاکستانی، مصری، سوڈانی مسلمانوں کی تعداد تقریباً چار سو ہوگی، کیمپ کے اندر مسجد اور دوسری تمام سہولتیں ہیں، مسجد میں لوگ پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہیں، جمعہ کے دن دوسرے سعودی لوگ بھی یہاں آکر نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ ہم لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہوتی اور دوسری نماز بھی قصر کرکے پڑھا کریں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک میں جمعہ کے واجب ہونے کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں، وہاں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصر، یا فناء مصر ہو، گاؤں جو چھوٹا ہو، اسی طرح جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں، ظہر پڑھنا ضروری ہے۔ (۲)

مذکورہ صورت میں چوں کہ آپ حضرات کا کیمپ آبادی سے کافی دور ہے اور قریب میں کوئی آبادی بھی نہیں ہے، اس لیے امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق آپ لوگوں پر وہاں جمعہ فرض نہیں، البتہ آپ لوگوں کا ارادہ وہاں پندرہ دن، یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ہو تو نماز قصر نہیں کرسکتے، پوری نماز ادا کرنی ہوگی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۶/۱/۱۴۰۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۵۰۲-۵۰۳)

---

(۱) مصنف ابن أبی شيبة، من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا فی مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس
لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر. (فتح القدير: ۲/۴۵۷، سلسلة الأحاديث الضعيفة، ص: ۹۱۷)
لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى. (نصب الراية: ۲/۱۹۵، مؤسسة الريان، انيس)

(۲) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر) ... (أو فناؤه). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷-۱۳۸، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) (من خرج من عمارة موضع إقامته)...(قاصداً)...(مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)...(حتىٰ يدخل موضع مقامه) ==

جمعہ کے دن عید آجائے تو بھی جمعہ ساقط نہیں ہوگا:

سوال: اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے، انہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن جمع ہوجائیں تو عید کے ساتھ ساتھ جمعہ کی نماز بھی واجب الادا ہے، جن روایات سے جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت معلوم ہوتی ہے، ان کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ رخصت دیہات والوں کے لیے تھی، جن لوگوں پر جمعہ واجب ہی نہیں تھا، مدینہ والوں کے لیے یہ رخصت نہیں تھی، چناں چہ حضرت عثمان غنیؓ کے اثر سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے عید کے دن لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! آج کے دن تمہارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئیں تو دیہات والوں میں سے جو لوگ جمعہ تک یہاں ٹھہرنا چاہیں، وہ ٹھہر سکتے ہیں (اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں) اور جو لوگ اپنے گھر جانا چاہیں، وہ جاسکتے ہیں، میری طرف سے اجازت ہے۔(۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ زید بن ارقمؓ کی روایت میں (جس سے قائلین رخصت استدلال کرتے ہیں) ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے، چناں چہ علامہ زیلعی اور مصنف عبدالرزاق نے ابن المنذر راور ابن القطان اور ذھبی نے میزان میں کہا ہے کہ ایاس بن ابی رملہ مجہول راوی ہے؛ اس لیے یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ (دیکھئے: بذل المجہود)(۲)

لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ جمعہ کا پڑھنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴۱۰/۳/۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۰۳/۲-۵۰۴) ☆

== ... (أو ینوی)... (إقامة نصف شهر). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صلاة المسافر: ۱۲۱/۲-۱۲۵، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) فقال أبو عبيد ثم شهدت مع عثمان بن عفان وكان ذلك يوم الجمعة فصلى قبل الخطبة ثم خطب فقال يا أيها الناس أن هٰذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن أحب أن ينتظر الجمعة من أهل العوالی فلينتظر ومن أحب أن يرجع فقد أذنت له. (الصحيح للبخاری، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحی وما يتزود منها: ۸۳۵/۲، قديمی)

(۲) وقال ابن المنذر: مجهول، قال ابن القطان: هو كما قال ... قال الذهبی فی الميزان فی ترجمة أياس بن أبی رملة فی حديث زيد بن أرقم حين سأله معاوية قال ابن المنذر: لا يثبت هٰذا فإن أياساً مجهول". (بذل المجهود، أبواب الجمعة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد: ٥٤/٦)

☆ چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم:

سوال: چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

چھوٹے گاؤں جن کی آبادی تقریباً ڈھائی تین ہزار سے کم ہو، ان میں جمعہ کسی طرح جائز نہیں۔ ==

بڑے گاؤں میں جمعہ اور فناء کا حکم:

سوال: صلوٰۃ جمعہ قریۂ کبیرہ میں جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور فنا میں بھی جائز ہے، یا نہیں؟ اور آس پاس کے چھوٹے مواضعات فناء مصر میں داخل ہیں، یا نہیں؟

الجواب

بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہے اور اس کے فنا میں بھی؛ لیکن اس کے آس پاس جو چھوٹے گاؤں ہیں، وہ اس بڑے گاؤں کے فنا میں داخل نہیں؛ بلکہ جداگانہ بستیاں ہیں؛ اس لیے وہاں جمعہ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ فناء مصر وہ جگہ کہلاتی ہے، جو مصالح مصر مثل عیدگاہ، یا جانوروں کی چراگاہ وغیرہ کے لیے چھوڑی جاتی ہے، دوسری بستیاں فنا نہیں کہلا سکتی اور بڑے گاؤں اور قصبات میں جمعہ کا جواز اسی بات پر مبنی ہے کہ وہ مصر کے حکم میں ہیں اور تعریف مشہور بڑے گاؤں کی یہ ہے کہ جس میں بازار اور گلی کوچے ہوں اور تمام ضروریات ہمیشہ وہاں ملتی ہوں۔

ویدل علٰی ما قلنا ما فی الشامی عند القهستانی: ''وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق''. (۱)

وفی الدر المختار: ''(وهو) یعنی الفناء ماحوله ... (لأجل مصالحه) کدفن الموتٰی ورکض الخیل''. (ردالمحتار: ۱/ ۵۳۷) (۲) واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/۳۳۷)

چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں:

سوال: ایک مولوی صاحب واعظ اپنے وعظ میں اعلان فرماتے ہیں کہ جمعہ فقط انہیں لوگوں پر فرض اور واجب ہے کہ جس جگہ جمعہ ہوتا ہے اور جس جگہ جمعہ نہیں ہوتا ہے، نہ اذان جمعہ، ان لوگوں پر فرض، نہ واجب جمعہ سوائے قصبوں شہروں کے جائز نہیں ہے اور جو دیہات شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہیں، وہاں جمعہ کے اذان کی آواز نہ آتی ہے، جمعہ فرض نہیں ہے۔ آیا یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

مولوی صاحب نے واعظ صحیح فرمایا، چھوٹے گاؤں والوں پر جمعہ فرض وواجب نہیں؛ بلکہ صرف اس جگہ کے باشندوں پر فرض ہے، جہاں جمعہ ہوسکتا ہے۔ (کذا فی عامة کتب الحنفیة) (امداد المفتین: ۲/۳۳۸) ☆

== جمعہ کے روز آپ کو ایسے گاؤں سے باہر چلے جانا مصلحت ہے اور اگر رہنا کسی وجہ سے ضروری ہو اور عدم شرکت میں کسی سخت فتنہ کا ڈر ہو اجس کو آپ برداشت نہ کرسکیں تو پھر شرکت کرلینا جائز ہے۔ (افتاء علی مذہب الشافعی) لیکن اس صورت میں آپ کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کرنا چاہیے؛ تاکہ امام شافعی کے مذہب کے موافق جمعہ صحیح ہوجائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/۳۳۷)

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸-۱۳۹، دار الفکر بیروت، انیس ==

گاؤں میں جمعہ کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب اوراس کی وضاحت:

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرت مولانا موصوف قدس سرہم کا مکتوب گرامی بزبان فارسی دربارہ بعض احکام جمعہ فیوض قاسمی میں طبع ہوا تھا، جس کو بعض حضرات نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے، اس مکتوب کے بعض الفاظ

==☆ گاؤں میں جواز جمعہ کے لئے وعظ کا حیلہ قابل التفات نہیں:

سوال: موضع کمہڑہ کی آبادی مع ہندو مسلم۳۷ا۱رآدمی کی ہے۔نصف مسلمان اور نصف ہندو ہیں، پانچ دکانیں پرچون اور حلوائی کی ہیں، جس پر نمک مرچ وغیرہ بھی مل سکتا ہے اور بزازوں پنساری کی کوئی دکان نہیں، نہ ضروریات دستیاب ہوتیں ہیں اور دو مسجد اور عیدگاہ ہے، جو عرصہ پینتیس ۳۵ رسال سے ایک ویران مسجد کی بنائی ہے و نیز نماز عیدین اس میں پڑھتے ہیں اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ یہ موضع کسی وقت بڑا شہر تھا، بعض جگہ سرائے کے نام سے مشہور ہیں اور اب سوائے نام کے کوئی نشان باقی نہیں؛ بلکہ وہاں پر کاشت ہوتی ہے اور عرف میں بھی قریہ صغیرہ کہا جاتا ہے اور موضع مذکور کے لیے جانب شمال موضع چتوڑہ بفاصلہ سوا میل واقع ہے، جو قریہ کبیر ہے، وہاں پر نماز جمعہ وعیدین پڑھی جاتی ہے اور جنوبی اور شرقی وشہ میں موضع ڈھانسری فاصلہ ایک میل پر آباد ہے، جو قریہ مستقلہ ہے اور مردم شماری چودہ سوآدمیوں کی ہے، چوتھائی مسلمان، باقی ہندو اور ہر ایک موضع میں کمہڑہ وڈھانسری کی اذان کی دوسرے میں پہونچ جاتی ہے تو اس صورت میں ہر دو موضع واحد کے حکم میں ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟ پہلے جمعہ ہوا کرتا تھا، مولوی محمد فاروق صاحب سلہڑی نے بالجبر نماز جمعہ بند کرادی ہے؛ لیکن پھر دو ماہ ہوئے کہ مولوی صاحب موصوف نے پھر نماز پڑھی ہے موضع مذکور میں اور کہتے ہیں کہ جمعہ کی وجہ سے نمازی زائد ہو جاتے ہیں اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے کچھ روپیہ بطور رشوت لے لیا ہے۔امید ہے کہ جواب سے مطلع کریں گے، آیا ان دونوں موضعوں میں جب کہ بزاز اور پنساری کوئی موجود نہیں، نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ عندالحنفیہ ایسے موضع میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب پر نماز جمعہ شہروں اور قصبات ہی میں ادا ہو سکتی ہے اور ایسے بڑے گاؤں جو مثل قصبات کے ہوں، ان میں بھی جائز ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے۔اس کے علاوہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں، مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور میں حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنا چاہیے اور اگر وہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں، جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے؟ جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لیے اگر جمع بھی ہو گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ؟ اس لیے مسلمانوں کو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف ہے، وہ پھر بھی پڑھے گا اور جو بدقسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں وہ اپنی قبر کا خود مان کرے گا۔دوسری بات یہ ہے کہ موضع کمہڑہ اور ڈھانسری دونوں علاحدہ علاحدہ گاؤں ہیں، ایک بستی کے حکم میں نہیں ہو سکتے، لہٰذا دونوں میں جمعہ جائز نہیں۔اگرچہ موضع کمہڑہ کسی وقت میں بڑا شہر تھا؛ لیکن اب تو حالت موجودہ کا اعتبار ہوگا۔ان میں دونوں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جو لوگ پڑھتے ہیں، ان کے ذمہ فریضہ ظہر باقی رہتا ہے، اگر ظہر ادا نہ کریں گے تو گنہگار رہوں گے اور جمعہ ادا کرنا بھی ایسے گاؤں میں خود گناہ ہے؛ کیوں کہ جب ظہر کی نیت نہیں اور جمعہ واجب نہیں تو یہ نماز نفل ہوگی اور نفلوں کا جماعت سے ادا کرنا اور دن میں جہری قرأت کرنا ناجائز ہے اور اگر کوئی بعد جمعہ پڑھ کر احتیاط الظہر پڑھے تو یہ بھی ایسے گاؤں میں بالکل ناجائز ہے؛ کیوں کہ جمعہ تو ادا نہ ہوا اور احتیاط الظہر میں ظہر کی نیت مشکوک ہوتی ہے؛ اس لیے ظہر بھی ادا نہ ہوگی، البتہ اگر کوئی یقینی طور پر یہی نیت کرے کہ فرض ظہر میرے ذمہ ہیں اور میں اس کو ادا کرتا ہوں تو نماز ظہر درست ہو جائے گی؛ لیکن ظہر سے پہلے جو جمعہ پڑھا ہے، اس کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہے گا اور جب کہ جمعہ وہاں جائز نہیں تو تبلیغ عدم جواز کرتے رہنا ضروری ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(امدادالمفتین:۳۳۸/۲-۳۳۹)

سے بعض عوام کو حنفیہ کے متفق علیہ مذہب کے خلاف اس کا شبہ ہوگیا کہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؛اس لیے اس کی توضیح کی ضرورت ہوئی ہے؛ تاکہ حنفی مسلمان اس سے شک میں نہ پڑ جائیں۔ واللہ الموفق

پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر کی شرط حنفیہ کے تمام ائمہ اور فقہا کے نزدیک متفق علیہ ہے، کسی حنفی امام وفقیہ کو اس میں کلام نہیں۔امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور تمام فقہائے حنفیہ کی تصریحات ہیں کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، صحابہ وتابعین میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حذیفہؓ، عطاءؒ اور حسن بن الحسن، ابراہیم نخعی، مجاہد، محمد بن سیرین اور سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔(كذافي الشرح الكبير للمنية: ٤٦٥) اور شمس الائمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے جب بلادعرب وعجم کو فتح کیا ہے تو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو، یا منبر قائم کیا ہو؛ بلکہ یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس پر متفق تھے کہ ادائے جمعہ کے لیے مصر شرط ہے۔(كذا في المبسوط: ٢٣/١) ہدایہ اور اس کی شروح فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، عینی وغیرہ اور کنز اور اس کی شروح بحر، نہر، عینی، مستخلص وغیرہ، قدوری اور اس کی شروح جوہر، منیرہ وغیرہ، منیہ اور اس کی شروح صغیری وکبیری وغیرہ، شرح وقایہ اور اس کی حواشی سعایہ، عمدہ، چلپی وغیرہ، نورالایضاح اور اس کی شروح وحواشی، مراقی الفلاح، طحطاوی وغیرہ، درمختار اور اس کی شروح شامی، طحطاوی وغیرہ، خلاصۃ الفتاوی، قاضی خان، عالمگیری، دررالاحکام، بدائع الصنائع وغیرہ جو حنفیہ کے مذہب کی صحیح اور نہایت معتمد ومعتبر ترجمان ہیں، سب کی سب اس شرط پر متفق ہیں اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور ان اساطین امت اور ائمہ حنفیہ کی تصریحات کے بعد اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کے خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں، تب بھی از روئے عقل ونقل حنفی المذہب مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہا کا اتباع کریں؛ کیوں کہ یہی دستور امت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعۃ کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کا کیا جاتا ہے اور اگر کسی بزرگ سے کوئی کلمہ ان کے خلاف ثابت بھی ہو، اس کی تاویل کی جاتی ہے اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو سکوت کیا جاتا ہے۔تمام علماء امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے۔علامہ محقق شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ حنفیہ کے ایک نہایت محقق امام ہیں، جن کی جلالت قدر سے کوئی حنفی، یا غیر حنفی انکار نہیں کرسکتا اور جن کے احسانات علمیہ سے تمام حنفیہ متاخرین کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، لیکن بایں ہمہ جب ان کی کوئی تحقیق جمہور حنفیہ کے خلاف واقع ہوئی ہے تو کوئی حنفی ان کی اقتدا اس مسئلہ میں نہیں کرتا اور اسی لیے مسلمہ امر ہے کہ تفردات ابن ہمام مقبول نہیں۔صاحب ہدایہ کو اگرچہ اصحاب ترجیح میں سے مانا گیا ہے اور فقہائے حنفیہ میں نہایت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں؛ لیکن بہت سے موضع میں ان کے قول کو تمام حنفیہ نے بوجہ مخالفت جمہور ترک کردیا ہے۔شامی اور درمختار جس پر آج کل حنفی فتاوی کا دارومدار ہے؛ لیکن جن بعض مسائل میں

جمہور حنفیہ سے ان کی تحقیق علاحدہ واقع ہوئی ہے، باتفاق حنفیہ وہ تحقیقات متروک ہیں اور عمل اسی قول پر ہے، جو جمہور نے اختیار کیا ہے؛ **إلا مامست إليه الضرروة الشديدة لحوادث الفتاوى.**

اس گزارش کے بعد اہل علم وفہم کے لیے احکام جمعہ کے بارے میں مکتوب مذکور کی توضیح مطلب کی زیادہ ضرورت باقی نہ رہی؛ کیوں کہ ان کے عمل کے لیے بہر حال راستہ متعین ہے کہ باتباع جمہور مصر کی شرط کو لازم سمجھیں، چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہ کریں؛ کیوں کہ بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ جس جگہ جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہو، وہاں ظہر پڑھی جائے؛ تاکہ فرض باتفاق ذمہ سے ساقط ہوجائے، البتہ صرف اس غرض سے کہ حضرت مولانا موصوف کی صحیح غرض اور اصلی مقصد لوگوں پر ظاہر ہوجائے۔ اس مکتوب کی توضیح کے لیے کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ **وهو هٰذا والله المصوب عليه التكلان:**

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت امام العارفین، حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا نانوتویؒ اپنے زمانہ میں مجدد تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اصلاح امت کے لیے ہی پیدا فرمایا تھا اور مصلح اعظم اور طبیب حاذق کا کام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اگر مریض کے بدن میں مختلف قسم کے امراض وتکالیف ہوں تو وہ سب سے پہلے ایسے امراض کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جو زیادہ مہلک اور خطرناک ہیں، معمولی تکلیفوں کی طرف التفات نہیں کرتا ہے، مثلا ایک شخص درد گردہ میں بھی مبتلا ہے اور اس کی انگلی میں خفیف سا زخم بھی ہے تو طبیب حاذق ظاہر ہے کہ تمام تر توجہ درد گردہ پر خرچ کرے گا، خفیف زخم کے لیے مرہم سازی کی فکر میں نہ پڑے گا اور تیمار دار توجہ بھی دلائیں گے تو وہ التفات نہ کرے گا۔ اسی طرح اس وقت امت مرحومہ کو سمجھانا چاہیے کہ وہ مختلف امراض روحانی میں مبتلا ہے، کہیں نمبر (۱) صریح اور قطعی معاصی کا ارتکاب اور کہیں نمبر (۲) مواقع اختلاف میں بے احتیاطی سے خواہش نفسانی کا اتباع اور کہیں نمبر (۳) آپس میں فتنہ وفساد او رجدال وقتال؛ لیکن ان سب امراض پر جب مصلح امت نظر ڈالتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اور سب امراض کا علاج سہل ہے اور کوئی ان میں سے مہلک نہیں، بجز امر سوم کے؛ یعنی آپس کا جدال وقتال اور جھگڑا فساد کے؛ اس لیے وہ ہمہ تن اس کے انسداد کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور دوسرے امراض کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا۔ موجودہ زمانہ میں بعض فتنہ پرداز غیر مقلد اور تکفیر باز مبتدعین نے یہ فتنہ اٹھایا کہ بالکل معمولی اور جزوی اختلافات کو رنگ آمیزی کرکے ایک مہیب صورت بنادی اور اولی اور غیر اولی کے فرق پر ایک اختلاف وجدال وقتال کا بازار گرم کردیا۔ کہیں آمین کے بالجہر اور بالاخفاء کا اختلاف، کہیں رفع یدین اور ترک رفع کا، حالاں کہ یہ اختلاف محض اولویت کا اختلاف ہے، نہ بالجہر کہنے سے نماز میں خلل کسی کے نزدیک آتا ہے اور نہ اخفا سے، اسی طرح رفع یدین اور ترک رفع کا قضیہ سمجھئے۔

انہی اختلاف فرعیہ وجزئیہ میں سے جمعہ فی القری کا مسئلہ بھی ہے کہ تین امام: مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبل گاؤں میں جمعہ جائز فرماتے ہیں اور امام اعظمؒ اور امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اور سفیان ثوری، ابراہیم نخعی وغیرہم ناجائز فرماتے

ہیں۔ بہر حال چوں کہ جانبین میں ائمہ ہدیٰ اور اساطین امت ہیں؛ اس لیے اس کی تو ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے امام کی تقلید واتباع کرے؛ لیکن اس کی گنجائش نہیں کہ اس جزوی مسئلہ کے لیے جدال وقتال کا بازار گرم کر دیا جائے اور جو جہاد کفار کے مقابلہ میں ہونا چاہیے، وہ مسلمانوں ہی پر صرف کر دے، چوں کہ موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین کے فتنہ انگیزی اور عوام کی جہالت سے یہ بحثیں طول پکڑ گئی تھیں اور اختلافات شدیدہ مسلمانوں کی جماعت میں رونما ہو گئے تھے؛ اس لیے مولانا موصوفؒ ان کا انسداد سب سے زیادہ اہم سمجھا اور اس مکتوب محبوب میں اس مسئلہ جزئیہ کے اتنے اہتمام سے منع فرمایا کہ جس سے آپس کے اختلافات ونفاق وشقاق کی صورتیں پیدا ہوں، حضرت موصوف کا مقصد اصلی اس مکتوب میں زیادہ تر یہی ہے اور بس، ورنہ حضرت مولانا جب کہ خود اپنے کو ہمیشہ حنفی المذہب کہتے اور اس کی تقلید پر عمل کرتے تھے، وہ کیسے جمہور حنفیہ سے اس مسئلہ میں تفرد کرتے، وہ تو عنایت تواضع سے ہر عالم وفقیہ کا بھی اتباع کرنے کے لیے تیار تھے، ان پر جمہور سے شذوذ وتفرد کا گمان وہی کر سکتا ہے، جس نے مولانا موصوف کو نہ دیکھا اور نہ آپ کے حالات کو سنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موصوف کے تمام شاگرد اور مرید ومعتقد جو اطراف عالم میں ہزارہا کی تعداد سے موجود ہیں، کسی نے بھی شرطیت مصر میں کوئی شبہ نہیں کیا، آپ کے مخصوص تلامذہ میں حضرت شیخ الہند محدث دیوبند نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہہ وحضرت مولانا عبد العلی صاحب صدر مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی وغیرہم سب نے کبھی اس شرط مصر میں کوئی شبہ بھی نہیں کیا؛ بلکہ حضرت شیخ الہند نے تو احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ میں اسی بحث پر ایسی مکمل تحقیق فرمائی ہے کہ باید شاید کئی سو صفحہ کا مجموعہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا موصوف کے اقوال واحوال اور آپ کے مکاتیب ومضامین کو یہ حضرات جتنا سمجھ سکتے تھے، آج ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ خصوصیات متکلم ومخاطب اور زمان ومکان پر جو کلام کیا جاتا ہے، متکلم کے کبھی قریبی دوست واحباب ہی اس کی حقیقت ومقصد کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں، دوسرا آدمی بغیر ان کی ہدایت کے کبھی صحیح مقصد پر نہیں پہنچ سکتے۔

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے

اس لیے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا موصوف ادائے جمعہ کے لیے وہ شرطیت مصر سے ہرگز منکر نہ تھے اور کیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت موصوف شرط مصر سے منکر تھے، حالاں کہ اسی مکتوب میں حضرت موصوف نے تمام شرائط جمعہ کو خود الفاظ آیت سے باسلوب بدیع ثابت فرمایا ہے، جن میں شرط مصر کو بھی الفاظ قرآن سے اسی طرح استنباط فرمایا ہے کہ اہل علم ہی اس کی قدر جانتے ہیں، ملاحظہ ہو مکتوب مذکور کی عبارت ذیل:

''الغرض ضروریات امیر، یا مامور وہم ضرورت جماعت مسافر را ہم از آیت وحدیث یک طرف افگند وجہہ اشتراط امیر، یا نائب امیر بوجہ ضرورت خطبہ کہ از لفظ ﴿فاسعوا إلی ذکر اللّٰہ﴾ ہویدا است بانضمام حدیث لایقص موجہ شد، باقیماند فقط شروط مصر اگر غور کنند ہمیں ضرورت امیر و مامور دست ودر کمر آن دار وچہ مصرے نباشد کہ حاکے دران

نبود خود بادشاہ وقت اگر نباشد نائب او بالضرور خواہد بود (الی قولہ) نظر بدیں صحرا او دیرا یک سوگند اشتند وکارگذاری سرکاری بذمہ اہل نہر نہاوند واز یں تقریر ہم ہویدا شد کہ جواز جمعہ بس کس مخل اشتراط مصر نیست ضرورت مصر بوجہ دیگر است بغرض فراہمی مجمع کثیر نیست، آہ''۔ (حکام الجمعہ، ص:۶)

عبارت مذکورہ میں کس قدر صاف اور واضح طور پر ادائے جمعہ کے لیے مصر کا شرط ہونا حضرت مولانا نے ظاہر فرمایا اور پھر اس کا خود الفاظ قرآنی سے ثبوت بہم پہنچایا ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا موصوف اس مسئلہ میں جمہور حنفیہ کے خلاف کوئی رائے رکھتے ہیں اور اشتراط مصر کے قائل نہیں، حاشا کلا؛ بلکہ صرف رفع خلاف اور انسداد فتنہ کے لیے لوگوں کی توجہ اس کے اتنا زیادہ اہتمام سے ہٹانا مقصود تھی، جس سے فتن کا بازار گرم ہوتا تھا اور جو احقر نے عرض کیا ہے، محض تخمینی کلام، یا محض تاویل نہیں؛ بلکہ خود اس مکتوب گرامی میں اس کے کافی مویدات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں عبارت ذیل:

''ایں اشارات کلام ربانی چوں ہمہ مردم را میسر نیست و احادیث مصرحہ، یا بمعنی بحد تواتر نرسیدہ اند، افہام علماء مختلف شدند وعوام گنجائش امید مغفرت بہر تہاون درصورت وجوب نزدیکی وعدم وجوب نزدیکی بہم رسید ورفتہ رفتہ کاہلی نوبت تا بآں رسانید کہ متعصّبان حنفیہ عمداً ترک وتہاون نماز جمعہ کردند''۔

عبارت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں حضرت مولانا مرحوم کا روئے سخن ان حنفیہ کی طرف ہے، جو باوجود شرط مصر موجود ہونے اور جمعہ واجب ہونے کے ادائے جمعہ میں سستی کرتے ہیں اور بوجہ تعصب کے دوسرے لوگوں سے جھگڑتے ہیں، سو ظاہر ہے کہ ایسے حضرات ہر شخص کے نزدیک قابل ملامت ہیں؛ لیکن اس سے یہ کہاں سمجھ میں آیا کہ ہر گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہیے۔ اسی کے بعد ارشاد ہے:

''چوں نفس جمعہ قطع نظر از شرائط ست از شعائر اسلام اگر از ادائے نماز تہاون در ادایش او دہد مردمان کم فہم را بوجہ کم فہمی مسعونت کاہلی مفقود شدن شرائط موجب ترک جمعہ شود نہ افزائش نماز ظہر، آہ''۔

یہ عبارت بھی اس کی تصریح کرتی ہے کہ تغافل وتکاسل کی وجہ سے ترک جمعہ کرنے والوں کو نصیحت فرمائی گئی ہے۔

سارے مکتوب گرامی میں جس لفظ سے شبہ پڑ سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ تقریر لطیف کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

''وچوں موافق ایں تقریر ایں شرط از میان برخاست شرط مصر ہم بیک طرف رفت چہ اشتراطش لزوم اشتراط شرط امیر بود آرے ظاہر الفاظ روایات مشعرہ ضرورت مصر عام اند لہٰذا احتیاط ہمیں است کہ تا مقدور رعایت شہر پیش نظر ماند واگر کسے در دیہے جمعہ قائم کنند دست وگریبانش نہ زنند کہ اول ایں شرط ظنی بود و باز حسب تقریر مذکور ضعفے گرد رآن بہم رسید''۔

اس عبارت میں اول تو خود حضرت موصوف کا منشا ظاہر ہے، جدال وقتال کی ممانعت مقصود ہے۔ اس کو ظاہر فرمادیا ہے کہ احتیاط یہی ہے کہ شروط مصر کا لحاظ رہے، ثانیاً یہ کلام ایک لطیف تقریر پر مبنی ہے، جو اس سے پہلے فرمائی ہے۔

حاصل اس کا یہ کہ امیر کی شرط جو جمعہ میں شرعاً ضروری ہے، یہ ہر جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے؛ کیوں کہ نصف امام کا تعلق عوام مسلمین ہی سے ہے،لہذا جس شخص کو وہ امام بنا دیں گے (دار الحرب)، میں وہ ہی امام متصور ہوگا اور یہ شرط اس طرح پوری ہو جائے گی،اسی طرح جب امیر کا تقرر مسلمانوں اور اہل بستی کے قبضہ میں ہوا اور مصر کی تعریف یہی ہے کہ وہاں امیر، یا نائب امیر موجود ہو،اس طرح مصر کی شرط ہر جگہ متحقق ہو سکتی ہے؛ لیکن اس کے بعد ہی متصلاً خود حضرت موصوف نے اپنی اس تقریر پر اعتراض کر کے مخدوش فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت ذیل:

’’مگر خلجانے ہنوز باقی ست عرض آں نیز ضروری است، چناں کہ ادای ظہر کم فہمان را موجب تہاون در جمعہ میشود ہم چناں ایں اجازت نصب امام خاص واستماع مواعظ وخطب آں موجب تہاون در نصب امام عام است‘‘۔

الغرض اول تو اس عبارت سے مقصود اشتراط مصر کی نفی ہر گز نہیں؛ بلکہ رفع فتنہ وفساد مقصود ہے، جیسا کہ خود عبارت مذکورہ میں مصرح ہے۔ دوسرے خود حضرت موصوف نے باوجود تقریر مذکور کے بھی اشتراط مصر کو احوط قرار دیا ہے۔ تیسرے جس تقریر کی بنا پر اشتراط مصر میں کچھ ضعف پیدا ہوتا تھا،اس کو خود حضرت موصوف نے مجروح ومخدوش فرما کر اس سے رجوع کر لیا ہے، پھر کسی منصف انسان کے لیے کیسے جائز ہے کہ حضرت موصوف کی طرف اس کی نسبت کرے کہ وہ اداء جمعہ کے لیے مصر کو شرط نہیں سمجھتے اور ان سب امور کے بعد عمل کے لیے پھر وہی عرض ہے، جو ابتدا میں کی گئی ہے کہ اگر فرض ہی کر لیا جائے کہ حضرت مولانا موصوف کی تحقیق بنظر دقیق اس مسئلہ اشتراط مصر میں جمہور حنفیہ سے علاحدہ ہے،تب بھی عمل تمام حنفیہ کو اسی پر کرنا لازمی ہے، جو جمہور حنفیہ کا مذہب وفتوی ہے،البتہ اس غرض اور مقصد کا سمجھنا اور باقی رکھنا نہایت اہم وضروری ہے،جس کے لیے حضرت مولانا موصوف نے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے؛ یعنی آپس میں جھگڑے اور فتنہ وفساد سے بچنا تمام مقاصد سے زیادہ اہم ہے، اگر کسی گاؤں میں کچھ مسلمان جمعہ قائم کرتے ہوں تو حنفی المذہب مسلمانوں کا انتہائی فرض یہ ہے کہ نرمی سے مسئلہ سمجھا دیں؛ لیکن اگر پھر بھی لوگ نہ مانیں تو جھگڑے وفتنہ میں ہر گز نہ پڑیں؛ کیوں کہ اس سے زائد کوئی مسلمانوں کے لیے مضر نہیں،خصوصاً بحالت موجودہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(اضافہ) دیوبند دار العلوم ۱۳۶۰ھ (امداد المفتین:۲/۳۴۴)

جمعہ فی القریٰ کا حکم:

سوال: ایک بستی جس کی مردم شماری بائیس سو ہے،جس میں ۵۹ فیصدی مسلم ہیں اور ۵ فیصدی ہندو ہیں اور لوگوں کی عام طور پر ضرورتوں کے پورے ہونے کے لیے تقریباً بیس دوکان ہیں اور اس بستی میں نماز جمعہ اور عیدین پہلے سے پڑھتے چلے آئے ہیں،اگر ترک کیا جائے تو اختلاف کا اندیشہ ہے،س بستی میں نماز جمعہ اور عیدین کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہونے کے لیے شہر، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے۔ چھوٹے گاؤں میں جمعہ

درست نہیں ہے؛ بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات مثلا غلہ کپڑا جوتا، آٹا دال ترکاری گوشت وغیرہ ہمیشہ ملتی ہوں ایسا نہ ہو کہ ہفتہ میں ایک دن یا دو دن بازار لگتا ہو اس سے ضروریات پوری کی جاتی ہوں یا کسی دوسری جگہ سے پوری کی جاتی ہوں ضروری پیشہ ور بڑھی دھوبی لوہار موچی نائی وغیرہ سب وہاں رہتے ہیں ڈاکخانہ ہو ڈاکٹر یا طبیب ہو دوائیں ملتی ہوں غرض ضروریات اور آبادی کے لحاظ سے وہ قصبہ کے مثل ہو جس گاؤں کے متعلق شبہ ہو بہتر یہ ہے کہ تجربہ کار مسائل فقہیہ کے کسی ماہر عالم کو بلا کر معائنہ ومشاہدہ کرادیا جائے پھر اس کی رائے پر عمل کیا جائے۔(۱)

کتبہ: محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۳۶/۱-۳۳۷)

دیہات میں جمعہ:

سوال: ایک دیہات میں ایک مسجد ہے، وہاں پانچ وقتہ نماز نہیں ہوتی، کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ درست ہوگی؟

(ایم، اے حسین، عنبر پیٹ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

فقہاءِ احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی؛ بلکہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی؛ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ!

عن علي رضي الله عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (۱)

(جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں۔)

لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہا نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے۔ فقہا کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے۔(۳)

---

(۱) (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

وفي الرد عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر علىٰ انصاف المظلوم من الظالم". (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس) (نیز دیکھئے: فتاویٰ عالمگیریہ ۱۴۵/۱)

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس

(۳) المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر، بيروت، انيس)

یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ کی گنجائش نکل آئے؛ کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے؛ بلکہ یہ تذکیر وموعظت کا بھی بہترین موقعہ ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔

اب آپ غور کرلیں کہ اس تشریح کے مطابق وہ جگہ دیہات ہے، یا قصبہ وشہر ہے، اگر دیہات ہے اور پہلے سے نمازِ جمعہ کا سلسلہ نہیں ہے تو ظہر ہی پر اکتفا کرنا چاہیے، البتہ پنج وقتہ نماز کے لیے آبادی کے کسی خاص معیار کی شرط نہیں؛ اس لیے اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ پنج وقتہ جماعت کا اہتمام ہو، ورنہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۳/۳۶-۳۷)

جس گاؤں میں تھانہ، یا تحصیل ہو، وہاں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک بستی موضع نیسنگ کرنال سے ۱۵ ارمیل مغرب کی طرف لب سڑک واقع ہے، جو آبادی کے لحاظ سے تخمیناً چوبیس سو کی مردم شماری ہے، گاؤں مسلمانوں کا ہے، پانچ مسجدیں ہیں، سب مسجدوں میں پنج گانہ نماز بھی التزام سے ہوتی ہے، تھانہ ڈاکخانہ اور سرکاری مدرسہ بھی ہے، عیدگاہ بھی موجود ہے، باقی ضروریات بھی قریب قریب پوری ہوجاتی ہیں۔ بعض صاحب نماز روزے کے مسائل جاننے والے بھی موجود ہیں، اگرچہ علم عربی کے ماہر نہیں، اس بستی میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے۔ اب کچھ عرصہ سے بعض لوگوں نے جمعہ پڑھنا ترک کردیا ہے اور کہتے ہیں گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔ اب گزارش ہے کہ کیا ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جس گاؤں میں تھانہ یا تحصیل ہو وہ عموماً بڑا ہی ہوتا ہے۔ پس جب مذکور گاؤں میں تھانہ موجود ہے تو یہ قصبے کے حکم میں ہے اور اس میں جمعہ جائز ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۲۵)

نماز جمعہ سے متعلق شرط مصر کی وضاحت وتحقیق:

سوال (۱) عندالاحناف جو جمعہ کے واسطے مصر کی قید ہے، اس سے یہی عرفی مصر مراد ہے، یا اور کچھ؟ اگر عرفی ہے تو قصبات اور بڑے گاؤں میں جمعہ درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ ان کو عرف میں شہر نہیں کہا جاتا، حالاں کہ فقہا ان ہر دو میں

(۱) وعبارة القهستاني: "تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق". (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، ط:سعيد)

لأن الغالب أن الأمير والقاضي الذي شأنه القدرة علىٰ تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، ط:سعيد)

جمعہ درست کہتے ہیں۔تعریف مصر میں فقہا کے کس قدر اقوال ہیں؟ اور مختار متاخرین مثل صاحب شرح وقایہ و درمختار وطحطاوی و بحر العلوم وغیرہ کیا ہے؟

(۲) قصبہ وقریۂ کبیرہ اور قریۂ کبیرہ صغیرہ میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اس کو بسط کے ساتھ تحریر فرمائیں، جس سے شہر قصبہ قریۂ کبیرہ قریۂ صغیرہ میں بین فرق معلوم ہو جائے۔

(۳) مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی اور بحر العلوم مولانا عبد العلی حنفی تھے، یا غیر مقلد؟ اول الذکر مصفٰی شرح موطاً میں شہر اور قریہ دونوں میں جمعہ واجب کہتے ہیں اور مؤخر الذکر ارکان اربعہ میں کہتے ہیں: ''**فالقابل للفتویٰ فی مذھبنا الروایة المختار للبلخی**''.

(۴) یا شرطیت سلطان و مصر میں اختلاف فاحش اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ دونوں قطعی نہیں؛ بلکہ ظنی ہیں، جیسا کہ بحر العلومؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں۔ فیوض قاسمیہ میں ہے: ''اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نزنند کہ شرط مصر ظنی است بل ہم ضعیف''۔ ایسی صورت میں تمام مشروط جمعہ موجود ہوں اور صرف مصریت مروجہ نہ ہو تو جمعہ بہتر ہے ظہر پڑھنے سے، یا اس کا عکس؟

(۵) **الجمعة واجبة علی کل قریة**. (۱) اس حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں اور مولانا شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ البالغہ میں نقل کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، یا ضعیف، یا موضوع؟ نیز اس سے مولانا شاہ ولی اللہ کا استدلال علی وجوب الجمعۃ فی القریٰ صحیح ہے، یا نہیں؟

(۶) ایسے گاؤں میں جس پر حنفی فقہا کی بیان کی ہوئی تعریفوں میں سے کوئی نہ کوئی تعریف صادق آتی ہو، جمعہ پڑھنے والے غیر مقلد ہو جاتے ہیں، یا نہیں؟ جو شخص حنفی المذہب عالم کو صرف ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے غیر مقلد کہہ کر لوگوں کو اس کی طرف سے بدگمان کرے، وہ کیسا ہے؟ جب کہ مولانا محمد قاسم، مولانا محمد یعقوب و حاجی امداد اللہ مہاجر مکی و مولانا عبد الخالق دیوبندی وغیرہم دیہات میں جمعہ پڑھتے رہے ہیں۔ کیا یہ سب حضرات دیہات میں جمعہ پڑھ کر گنہگار ہو گئے؟

(۷) جس مقام میں تین مسجدیں ہوں اور وہاں کی بڑی مسجد میں مکلّف بالجمعہ مسلمان نہیں سما سکتے؛ بلکہ تینوں مسجدوں میں بھی نہیں سما سکتے اور چار پانچ دکانیں بھی ہوں، جن سے ضروری اشیائے خوردنی و پوشیدنی دستیاب ہو سکیں، جمعہ درست ہے، یا نہیں؟ مختار شرح وقایہ و درمختار و طحطاوی و بحر العلوم کے موافق اگر مذکورہ بالا گاؤں والے جمعہ پڑھ رہے ہوں اور وہاں دوسری مسجد میں چند آدمی از راہ نفسانیت و تعصب اسی وقت بالمقابل اپنی علاحدہ اذان واقامت کہہ کر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں، جس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے، ان دو چار آدمیوں کا یہ فعل کیسا ہے؟

---

(۱) حجة البالغة، باب الجمعة: ۱۱۵/۲، مکتبة حجاز، دیوبند، انیس

حالاں کہ مجالس الابرار میں ہے: ''لو صليت الجمعة في القرية وكنت فيها يلزمك أن تحضرها، الخ''
سب سوالات کے جوابات مشرح اور مدلل بحوالہ کتب تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں؟ (خاکسار حافظ امام الدین)

الجواب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول میں لفظ مصر موجود تھا اور اشتراط مصر میں یہی قول حنفیہ کا ماخذ ہے۔ مصر اگر چہ عرف میں معروف اور معلوم المراد لفظ تھا؛ مگر فقہائے حنفیہ نے اس کی تعریف بیان کی اور تعریفیں مختلف عبارتوں میں ہوئیں؛ اس لیے تعیین مراد میں اختلاف ہوگیا، چوں کہ بعض تعریفیں ایسی بھی تھیں، جو قصبہ اور قریۂ کبیرہ پر صادق آتی تھیں؛ اس لیے فقہا نے قصبات وقریات کبیرہ کو مصر میں داخل کر دیا؛ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصر اور قصبہ اور قریۂ کبیرہ کو شرعاً تین چیزیں قرار دے کر تینوں میں جمعہ جائز قرار دیا؛ بلکہ مطلب یہ تھا کہ چوں کہ مصر کی تعریف قصبات وقریات کبیرہ پر صادق آ گئی؛ اس لیے یہ تینوں شرعاً مصر قرار پائے اور جمعہ کے جواز کا حکم دیا گیا۔

اب یہ بات کہ حنفیہ کا اصل مذہب کیا ہے؟ تو یہ بات صاف ہے کہ اصل مذہب جو متون میں منقول ہے، وہ یہی ہے کہ جمعہ کے لیے مصر شرط ہے۔ پس جو مقام کہ مصر قرار پائے گا، وہاں جمعہ جائز ہوگا۔ (خواہ وہ عرف میں شہر کہلاتا ہو، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں) مصر کی کون سی تعریف معتبر ہے؟ تو معتبر تعریف تو وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باختلاف عبارات منقول ہے، اگر چہ بہت سے متاخرین نے ''المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها'' (۱) کو اختیار کیا ہے۔ مصر کی شرط بے شک ظنی ہے؛ لیکن حنفیہ کے اصل مذہب میں مصر کا شرط ہونا ظنی نہیں ہے اور ایک حنفی بحیثیت حنفی ہونے کے اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فروع میں مذہب حنفیہ کے متبع تھے؛ لیکن چوں کہ وہ ایک متبحر اور محقق عالم تھے؛ اس لیے انہوں نے چند مسائل میں حنفی مذہب کے خلاف بھی اظہار رائے کیا ہے۔ اسی طرح مولانا بحر العلوم سے چند مسائل میں حنفیہ کا خلاف کرنا منقول ہے۔ ان بزرگوں کے قول کا یہ مطلب ہے کہ شرط مصر ہمارے نزدیک ضروری نہیں، اگر چہ حنفی مذہب اس کے اشتراط کی تصریح کرتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حنفیہ کے مذہب میں مصر شرط نہیں ہے۔ (۲)

پس اگر کوئی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے اس قول کے موافق عمل کرے، یا فتویٰ دے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اس مسئلے میں اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر شاہ ولی اللہ صاحب، یا مولانا بحر العلوم رحمہما اللہ کی تقلید کی۔ ان دونوں بزرگوں نے اس میں اگر حنفیہ کے اصل مذہب سے عدول کیا تو حنفی ہونے سے نہ نکلیں گے؛ کیوں کہ ان کا تبحر اور درجۂ تحقیق بہت اعلیٰ ہے۔

---

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد

(۲) ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد)

حدیث ''الجمعة واجبة علیٰ کل قریة'' مجھے اس کی سند اور مرفوع، یا موقوف ہونے کا علم نہیں۔(۱)

گاؤں میں (جس پر مصر کی کوئی تعریف صادق آتی ہو) جمعہ پڑھنے والوں کو غیر مقلد نہیں کہا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ ان کے فعل کو مرجوح کہا جاسکتا ہے، چوں کہ ایسے گاؤں کے مصر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے؛ اس لیے جمعہ پڑھنے والے اور ظہر پڑھنے والے دونوں ماٗ وّل ہیں، کوئی دوسرے کی تضلیل، یا تفسیق نہیں کرسکتا۔ ہاں ہر ایک اپنے فعل کو راجح اور دوسرے کے فعل کو مرجوح ثابت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، نفسانیت امر مخفی ہے، اس کا الزام کوئی دوسرے پر نہیں لگا سکتا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۶/۳-۲۲۹)

''مجموعۃ الفتاویٰ کا فتویٰ'' کیا نماز جمعہ مثل پنج گانہ کے ہے:

سوال: ابوالحسنات مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ کے فتاویٰ (۸۷/۲) اور استفتا نمبر: ۳۲۰ میں ہے:

''کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ اور عیدین؛ یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ دیہات میں پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جمعہ مثل پنج گانہ کے فرض ہے، جو شرطیں ان میں ہیں، وہ شرطیں اس میں بھی، فقط دو خطبوں کی زیادتی ہے، شہر ہو دیہات ہو، ہر جگہ بلا شرط و بادشاہ، یا نائب اس کے بغیر کراہت صحیح ہے''۔

بہت زور سے لکھا ہوا ہے۔ یہ مسئلہ مذہب حنفی کی معتبر کتابوں کے خلاف ہے، یا نہیں؟ اور بعد اس کے ایک فتویٰ مولوی حاجی شاہ محمد رکن الدین صاحب کا اس کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے، اس میں بھی غیر مذہب کی بو آتی ہے۔

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

آپ نے حوالہ بے سوچے غلط لکھا، جلد دوم میں ''کتاب الجمعہ'' نہیں، یہ سوال وجواب: ۱۹۹/۱، نمبر: ۲۸۶ میں ہے، تلاش کرنے میں بڑی تکلیف ہوئی۔(۲)

یہ جواب ایک غیر مقلد کا لکھا ہوا ہے آپ نے اس پر دستخط کرنے والے کا نام نہیں دیکھا، ایسے ہی رکن الدین ہمیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ ہر دو مسئلے مسلک حنفی کے خلاف ہیں۔ حنفی مذہب میں جن میں بڑے گاؤں میں جہاں انسانی

(۱) حضرت حدیث: ''الجمعة واجبة علیٰ کل قریة'' کے بارے میں توقف کیا ہے؛ لیکن محدث دار قطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے: ''الحديث مع ضعف رواته منقطع أيضاً فلا ينتهض لاحتجاج به. (سنن الدار قطنی، باب الجمعة علیٰ أهل القرية، ص: ۷، ط: دار النشر للكتب الاسلامية لاهور) اسی طرح سنن کبریٰ بیہقی میں ہے: ''الحكم بن عبد اللّٰه متروک ومعاوية بن يحيٰ ضعيف ولا يصح هٰذا أن الزهری، قد روی فی هٰذا الباب حديث فی الخمسين لايصح إسناده. (سنن الكبریٰ للبيهقی، كتاب الجمعة، باب العدد الذين إذا كانوا فی قرية وجبت عليهم، الخ: ۱۷۹/۳، انیس)

(۲) موجودہ جدید نسخہ میں ص: ۳۱۹/ ج: ۱ پر ہے، میر محمد کتب خانہ کراچی

ضرورت کی ضروری چیزیں دستیاب ہو جاتی ہوں، اکثر ضروری پیشہ والے اپنا پیشہ وہاں کرتے ہوں، ایسی بستی میں جمعہ جائز ہے۔ بالکل چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ظہر جماعت سے پڑھی جاوے۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم و أحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۷۰-۷۱)

چھوٹی بستی والوں کا ایک مرکزی گاؤں کو نماز جمعہ وعیدین کے لیے مقرر کرنا:

سوال: دیہاتی آبادی کے چھوٹے چھوٹے گاؤوں میں جہاں مسلمان کم تعداد میں ایک، یا دو چار گھر آباد ہیں، وہاں عیدین، یا جمعہ کی نماز جائز ہے، یا نہیں؟ اگر انہیں دیہاتوں میں کوئی گاؤں مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور وہاں تعداد بھی زیادہ ہے، ہمیشہ جمعہ وعیدین کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے تو کیا چھوٹے چھوٹے گاؤں والوں کا وہیں شرکت کرنا اولیٰ نہیں ہے؟

(المستفتی:۲۰۲۸، ایچ ایم رفیق صاحب (بلیا) ۱۱/رمضان ۱۳۵۶ھ، ۱۶/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

ایسے چھوٹے گاؤوں میں کہ ان میں صرف ایک یا دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں جمعہ کی نماز پڑھنا درست نہیں، ہاں ان میں سے کوئی بڑا گاؤں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور اس میں آس پاس کے مسلمان مرکزی حیثیت سے جمع ہو سکیں اس کو جمعہ یا عیدین کی نماز کے لئے مقرر کر لینا بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۸-۲۴۹)

قیام جمعہ کے متعلق شافعی مسلک پر عمل کی گنجائش:

سوال (۱) بلحاظ شرع شہر کسے کہتے ہیں؟

(۲) جس موضع کی مسجد میں صرف بیس، یا تیس تقریبا، یا اس سے اور کم مجتمع ہوں، کیا ایسے دیہات میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اگر دیہاتوں میں ایسی حالت پر نماز جمعہ پڑھ لیں تو حکم شرعی کیا ہے؟

(المستفتی:۲۴۰۴، نبی یار خاں صاحب (فیض آباد) ۳/رجب ۱۳۵۷ھ، ۳۰/اگست ۱۹۳۸ء)

الجواب

(۱) جمعہ کے مسئلے میں شہر سے مراد ایسی بستی ہے، جہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں، تھانہ، یا تحصیل اور ڈاکخانہ ہو، کوئی عالم یعنی مسائل ضروریہ بتانے والا اور کوئی معالج موجود ہو۔(۲)

---

(۱) فی ما ذکرنا إشارة إلیٰ أنہ لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیھا قاضٍ ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، ط: سعید)

(۲) وعن أبی حنیفة: أنہ بلدة کبیرة فیھا سکک وأسواق ولھا رساتیق وفیھا والٍ، الخ. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، ط: سعید)

(۲)　حنفی مذہب کے موافق ایسی چھوٹی بستی میں جمعہ نہیں ہوتا؛ مگر آج کل حنفی اس مسئلے میں شافعی مذہب کے اوپر عمل کر سکتے ہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۹/۳-۲۵۰)

چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز نہ پڑھی جائے؛ مگر یہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو

سوال:　اعظم پور میں قریب ۲۰-۲۵ گھر مسلم آباد ہیں، قربانی ہر سال ہوتی ہے، چھوٹی سی مسجد ہے، پنج وقتہ نماز میں دو تین افراد اور نماز جمعہ میں دس بارہ افراد شرکت کرتے ہیں، عیدین بھی وہیں ادا کرتے ہیں۔

(المستفتی: محمد ادریس اعظمی، ۱۱/اپریل ۱۹۵۱ء)

الجواب

اعظم پور چھوٹا سا موضع ہے، اس میں جمعہ کی نماز نہ پڑھنی چاہیے اور اگر کوئی دینی مصلحت ہو کہ وہاں جمعہ پڑھنا مناسب ہے تو پھر حنفیہ کے نزدیک تو جمعہ جائز نہیں۔ دیگر ائمہ کے قول کے موافق پڑھ لیں تو گنجائش ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۳/۳)

اقامت جمعہ کے متعلق ایک خط کا جواب:

سوال:　متعلقہ اقامت جمعہ بجواب مکتوب حضرت مولینا میرک شاہ صاحب کشمیری؟

الجواب

مکرمی محترمی دام فضلہم　　　بعد سلام مسنون

فتویٰ مرسلہ پہنچا، مولانا اس مسئلے میں میرے پیش نظر یہ بات ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ نے اقامت جمعہ کو اس قدر اہم سمجھا ہے کہ ظاہر روایت کی تمام شرائط کا گلا گھونٹ کے ان کو کالعدم بنا دیا، شرطیت مصر یقیناً متفق علیہ ہے؛ یعنی متون اس پر متفق ہیں؛ لیکن مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ تھی کہ وہاں امیر و قاضی ہو، جو تنفیذ احکام و اقامت حدود کرتا ہو؛ لیکن اسلامی زمانے میں ہی تنفیذ احکام و اقامت حدود میں سستی واقع ہوئی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ جمعہ بند ہو جائے گا فوراً۔

"**ینفذ ویقیم**" (**الهداية**) کی جگہ "**یقدر**" (**علی التنفيذ والاقامة**). (**الدر المختار، باب الجمعة**) کر دیا ہے اور جب بلاد اسلامیہ پر کفار کی حکومت ہوگئی تو انہوں نے "**فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين**". (۳) کہہ دیا؛ یعنی ظاہر روایت کی تعریف کے بموجب وہاں مصریت

(۱-۲)　في ما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعید)

(۳)　رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٤٤/۲، دار الفكر بيروت، انیس

باطل ہو جانے کے بعد بھی جمعہ قائم رکھا،اسی طرح سلطان کی قیدوشرط کا گلا گھونٹ دیا اور سب سے آخر میں ''**المصر وهو ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها**''(۱) کہہ کر اور بلا دِ محکومۂ کفار میں اجازت دے کر دونوں شرطوں کو عملاً باطل کر دیا۔اس کے علاوہ شرطیت مصر وجوب جمعہ کے لیے تو صحیح؛لیکن جواز کے لیے بھی ہو، یہ میں نہیں سمجھ سکا اور اس زمانے کی ضروریات اس کی مقتضا ہیں کہ اگر حنفی مذہب کی رو سے کسی طرح بھی اجازت نہ نکلے تو دوسرے ائمہ کے مذہب پر ہی عمل کر کے دیہات میں اقامت جمعہ سے نہ روکا جائے اور قائم شدہ جمعہ کو بند کرنا تو بہت خطرناک چیز ہے،کم از کم میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا اور ایک مجتہد فیہ مسئلہ میں ترک ظہر کی بنا پر مسلمانوں کو فاسق، یا گنہ گار کہنا امر عظیم ہے۔امید ہے کہ مزاج مقدس بخیر ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،۵؍ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ،شنبہ۔(کفایت المفتی:۳؍۲۵۳-۲۵)

جمعہ کی جماعت کے لئے تین مقتدیوں کا ہونا کافی ہو:

سوال: متعلقہ تعداد مقتدیان نماز جمعہ؟

الجواب

نماز جمعہ میں علاوہ امام کے اگر تین مقتدی ہوں تو نماز جمعہ جائز ہے، جماعت کے لیے تین مقتدیوں کا ہونا کافی ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳؍۲۵۳-۲۵۴)

جہاں اکثر چیزیں مہیا ہوں، وہاں جمعہ جائز ہے:

سوال: ایک قریہ میں ایک جامع مسجد زیر تعمیر ہے، مسلم آبادی کا مرکز ہے، یک صد سے زائد دکانات کا بازار ہے، مڈل اسکول، تھانہ، ڈاکخانہ وغیرہ واقع ہونے کی وجہ سے صدہا نمازی موجود رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے، جو عدم جواز کے شبہ، یا بہانہ سے جمعہ کے دن تارک الجماعۃ رہتے ہیں؟

الجواب

ایسے مقام میں جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے، نماز جمعہ جائز ہے،(۳) جو لوگ کہ وہاں جمعہ کو ناجائز سمجھ کر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے ،ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں برتنی چاہیے کہ ان کا خیال بھی مذہبی وجوہ پر مبنی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳؍۲۵۵)

(۱) رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) (والسادس:الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال (ولوغير الثلاثة الذين حضروا) الخطبه سوى الامام بالنص؛لأنه لا بد من الذاكر ،وهوالخطيب وثلاثة سواه.(الدر المختار على هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۵۱/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

(۳) تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق.(رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲،ط:سعيد)

وعن أبي حنيفة: أنه بلدةٌ كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ على انصاف المظلوم من الظالم،الخ (رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

بڑی آبادی میں اقامت جمعہ جائز ہے:

سوال (۱) زید ایک ایسے موضع میں جمعہ پڑھتا ہے، جس میں نو مسجد ہیں اور تعداد کثیر مسلم عاقلان بالغان پر مشتمل ہے، جو بوجہ اتم لایسع اکبر مساجدہ کا مصداق ہے، زید پکا حنفی اور اسلامی درس گاہ سے سند یافتہ اور لوگوں میں معتمد علیہ ہے، کیا زید کو حق ہے کہ جمعہ قائم کرے؟

(۲) بصورت نہ ہونے بادشاہ اسلام کے جو ایک شخص پر اتفاق کیا جاتا ہے، اس میں شہر کے کل افراد کی رائے دہی ضروری ہے، یا بعض کی، یا کثیر کی؟

(۳) بوجہ نہ ہونے بادشاہ اسلام کے اور تعریف اول مصر کی ''**کل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود**'' (۱) زید پر مبتدع ہونے کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ بصورت اول ہندوستان کا اہل سنت والجماعۃ اسی روایت وقایہ کو اعتبار دے کر ہر مصر میں نماز جمعہ کیوں پڑھاتے ہیں؟

(۴) نیز صاحب عمدۃ الرعایہ نے **بلاد تحت الكفرة** میں شرط سلطان کو ضروری جاننے والے کو **فضل وأضل** سے منسوب کیا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ حالاں کہ سب کتب فقہ حنفیہ میں سلطان کا شرط بلا کسی قید کے موجود ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) ایسے موضع میں اقامت جمعہ جائز ہے، اس موضع میں اقامت جمعہ کرنے والا قابل اعتراض اور مستحق ملامت نہیں۔ (۲)

(۲) موجودہ زمانے میں شرط سلطان کی جگہ مسلمانوں کا اتفاق کر لینا کافی سمجھا گیا ہے اور اتفاق کے لیے مسجد کے نمازیوں کا اپنے امام پر اتفاق کافی نہیں ہے؛ کیوں کہ بڑے شہروں میں متعدد جگہ مساجد میں جمعہ قائم ہوتا ہے اور تمام شہر، یا اکثر شہر کے مسلمانوں کا اتفاق تمام ائمہ مساجد کے لیے نہ آسان ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ (۳)

(۳) وقایہ کی روایت اکثر علماء کے نزدیک معمول اور مفتی بہا ہے اور اس پر شبہ کرنے کی کوئی مضبوط اور مستحکم وجہ نہیں ہے۔ (۴)

(۴) یہ تحقیق مولانا بحر العلومؒ کی طرف منسوب کرنی چاہیے کہ انہوں نے رسائل الارکان میں تحریر فرمائی ہے، مولانا عبد الحی صاحب نے عمدۃ الرعایہ میں رسائل الارکان سے ہی نقل کی ہے اور ان کی یہ ذاتی رائے ہے، جو اکثر

---

(۱) الهداية، باب الجمعة: ۱۴۸/۱، ثاقب بک دپو، انیس

(۲) (المصر وهو ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ إقامة الحدود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، ط: سعيد)

(۳-۴) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، و يجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، ط: سعيد)

علمائے حنفیہ اور فقہا کے خلاف ہے۔ شرطیت سلطان کے لیے مولانا عبدالحیؒ نے جو آثار اسی حاشیے میں نقل فرمائی ہے، وہ کافی ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۵/۳-۲۵۶)

موضع پیر جی میں جمعہ کا حکم:

(الجمعیۃ، مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء)

سوال: ہمارا گاؤں موضع پیرغنی ایک مسلمان رئیس اعظم کی واحد ملکیت ہے، جس کی تمام آبادی ایک سوستر گھروں پر مشتمل ہے اور تمام آبادی سوائے چند ہندو دکانداروں کے اہل اسلام کی ہے اور تین بستیاں اہل اسلام کی اس کے جوار میں ایک میل کے حدود کے اندر آباد ہیں، خاص پیرغنی میں دو پختہ مسجدیں ہیں اور تمام آبادی حنفی المذہب مسلمانوں کی ہے، اس گاؤں میں ہندو اور مسلمانوں کی سات دکانیں ہیں، جن میں کافی خرید وفروخت ہوتی ہے اور گاؤں کی ضرورت کی تقریبا تمام اشیاء ان میں مہیا رہتی ہیں۔ ان حالات میں ہم کو جمعہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس بستی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، حنفیہ کے مذہب میں بھی اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ حد مصر میں ''لایسع اکبر مساجدہ، الخ'' پر بہت سے فقہائے حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۶/۳-۲۵۷)

جس ریاست میں جمعہ کی ادائیگی ممنوع نہ ہو، وہاں جمعہ پڑھنا راجح ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۹ / جون ۱۹۳۶ء)

سوال: حیدرآباد دکن، بھوپال، رامپور اور دیگر مسلمان ریاستیں جو ہندوستان میں ہیں، انہیں کے جیسے اختیارات مثلا: جیل، پھانسی، جرمانہ وغیرہ ہندو ریاستوں کو بھی ہیں اور بڑی سے بڑی بڑودہ، کشمیر، گوالیار، اندور، اور چھا اور چھوٹی ریاستیں جو کمشنری شملہ میں ہیں، مثلا کوٹھار جس کی کل آبادی ۱۵۰/ ہے اور انھار، دھامی، کیونکھل جس کی کل آبادی ۵۰۰ ہے، ٹھیور، ٹیڑھی اور جیل وغیرہ بھی ایسے اختیارات رکھتے ہیں۔ اب ان شہروں میں جو مسلمان آبادی ہیں، ان کے لیے نماز جمعہ ظہر سے راجح ہے، یا نہیں؟ ان پہاڑی ریاستوں کی راجدھانی شہر، یا قصبہ، یا گاؤں کس چیز میں شمار ہیں؟

الجواب

ہندوستان تمام کا تمام غیر مسلم؛ یعنی انگریزوں کے زیر حکم ہے، اسی طرح ہندو ریاستیں بھی اسی حکم میں ہیں، جس

(۱) (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ اقامة الحدود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، ط: سعيد)
تقع فرضاً فى القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعيد)

ریاست میں مسلمانوں کونماز جمعہ ادا کرنے سے ممانعت نہ کی جائے، وہاں جمعہ پڑھنا راجح ہے۔رہی یہ بات کہ کس مقام کوشہر کہا جائے تو یہ مصر کی مختلف تعریفوں کے لحاظ سے قدرے مختلف ہوسکتا ہے؛ تاہم جس جگہ کم از کم دو مسجدیں ہوں اوران میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلّف بالجمعہ نہ سما سکیں، وہ شہر کا حکم رکھتی ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۵۷)

جمعہ کے لیے شہر ہونا ضروری ہے (یعنی رسالہ اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القری):

(الجمعیۃ مورخہ ۹/جون ۱۹۳۶ء)

سوال: چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ درست نہیں،اس کی کیا تعریف ہے؟اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے، وہ کتنے آدمیوں کا ہوتا ہے؟ اور اگر چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھیں تو پھر ظہر پڑھنا ضروری ہے، یانہیں؟اور بڑے گاؤں میں بعد جمعہ ظہر پڑھیں، یانہیں؟

(جواب از غیر مقلدین)

الجواب

واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بات شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہوئی؛ بلکہ شرعی دلیل سے ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے،خواہ شہر ہو یا گاؤں،خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں، چناں چہ: ﴿**یٰأَیُّھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ وذروا البیع**﴾(۲)(یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکار ہوتو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔)

اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں جناب باری نے عام طور پر ہر مسلمان کوفرمایا کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہوتو لوگ فوراً حاضر ہوں، لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جمعہ کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لیے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہوجاوے، چناں چہ بیہقی اور ابوداؤد میں ہے:

عن طارق بن شھاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الجمعۃ حق واجب علیٰ کل مسلم فی جماعۃ إلا أربعۃ عبد مملوک أو امرأۃ أو صبی أو مریض. (رواہ أبو داؤد انتھی مختصرًا)(۳)

(۱) فلو الولاۃ کفاراً یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین،ویجب علیھم أن یلتمسوا والیاً مسلماً. (ردالمحتار،باب الجمعۃ: ۲/۱٤٤،ط:سعید)

(المصر وھو ما لا یسع أکبر مساجدہ أھلہ المکلفین بھا)، وعلیہ فتویٰ أکثر الفقھاء. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار،باب الجمعۃ: ۲/۱۳۷-۱۳۸،ط:سعید)

نوٹ: یہ ۱۹۴۷ء سے قبل کے ہندوستان کے بارے میں ہے۔انیس

(۲) سورۃ الجمعۃ: ۹،انیس

(۳) سنن أبی داؤد،باب الجمعۃ للمملوک و المرأۃ: ۱/۱٦۰،مکتبۃ حقانیۃ،انیس

یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے بجز چار کے مملوک،غلام، یاعورت، یابچہ، یا بیمار۔خلاصہ یہ کہ جمعہ کے لیے اتنے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہوجاوے اور جماعت کے لیے سب سے کم درجہ دوعدد ہے اور دوشخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے، چناں چہ نیل الاوطار میں ہے:

”أما الاثنان فبانضمام أحدهما إلى الآخريحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع اسم الجماعة عليهما،فقال:الاثنان فما فوقهما جماعة، كما تقدم فی أبواب الجماعة“. (۱)

خلاصہ یہ کہ دوشخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے۔اب ظاہر ہے کہ آیت اور دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ قدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں، جن کا کم سے کم درجہ دوعدد ہے،لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو اس پر بھی جمعہ فرض ہے۔ہاں حنفیہ کے نزدیک البتہ جمعہ کے لیے مصر؛یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اوراس کے لیے دلیل یہ قول بیان کیا گیا ہے:”**لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى إلا فی مصر جامع**“ (۲) اوراس قول کو صاحب ہدایہ نے یہ حضرت کا قول قرار دیا ہے؛ مگر صحیح یہ بات ہے کہ یہ حضرت کا قول نہیں ہے؛ بلکہ حضرت علی کا قول ہے، چناں چہ فتح القدیر میں ہے:

”قوله:لقوله عليه السلام:”لاجمعة ولاتشريق،الخ“رفعه المصنف وإنما رواه ابن أبی شيبة موقوفاً على علی رضی الله تعالىٰ عنه:”لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحىٰ إلا فی مصر جامع أومدينة عظيمة“وصححه ابن حزم“. (۳)

یعنی مصنف نے اس قول کو مرفوع قرار دیا ہے؛ یعنی حضرت کا قول کہا ہے، حالاں کہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے؛ یعنی ان ہی کا قول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مصر؛ یعنی شہر کا ہونا شرط ہے۔اس کے بعد خود حنفیہ میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ مصر کس کو کہتے ہیں اور اس بارہ میں علماء حنفیہ کے مختلف اقوال موجود ہیں، چناں چہ یہ اقوال ہدایہ اور اس کی

(۱) **نيل الأوطار،باب انعقاد الجمعة بأربعين انعقاد بأربعين واقامتها فی القرىٰ: ۲۸۳/۳،انيس**

اگر دو ہوں تو ایک کا دوسرے سے مل جانا اجتماع کا حصول ہے اور شارع نے ان دونوں پر جماعت کا لفظ کہا ہے، چناں چہ ارشاد ہے: ”دو اور ان سے زیادہ جماعت ہیں“ جیسا کہ یہ حدیث پہلے ابواب الجماعۃ میں گزر چکی ہے۔

(۲) جمعہ وتشریق وعیدالفطر وعیدالاضحیٰ بجز شہر جامع کے اور کہیں نہیں ہوتے۔

(۳) **فتح القدير،باب الجمعة: ۴۹/۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس**

اس کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ اور تشریق نہیں ہے، الخ تو مصنف نے اس کو مرفوع کہا ہے، حالاں کہ ابن ابی شیبہؒ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف روایت کیا ہے کہ نہ جمعہ ہے، نہ تشریق، نہ عیدالفطر، نہ عیدالاضحیٰ؛ مگر جامع شہر میں، یا بڑے شہر میں اور اس کو ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔

شرحوں میں موجود ہیں؛ لیکن واضح ہو کہ جمعہ کے لیے مصر کا ہونا خود حنفیہ کے اصول اور قاعدہ کی رو سے حجت نہیں ہے، اس واسطے کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع؛ یعنی حضرت کا قول موجود ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے لیے مصر ہونا شرط نہیں ہے، چناں چہ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے اور حنفیہ کا قاعدہ ہے کہ جو قول صحابی ایسا ہو کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع موجود ہو تو وہ حجت نہیں ہے، چناں چہ فتح القدیر میں ہے:

"قول الصحابی حجة فیجب تقلیده عند نا إذا لم ینفه شيء آخر من السنة". (۱)

یعنی قول صحابی حجت ہے، لہذا اس کی تقلید ہمارے اوپر واجب ہے؛ مگر اس وقت کہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرے۔ اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ قول صحابی حجت نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع موجود ہے، لہٰذا جمعہ کے لیے شہر کا شرط ٹھہرانا باطل ہو گیا اور قابل تسلیم نہیں رہا اور جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنا ضروری نہیں دو وجہ سے، ایک یہ کہ اس کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ آج کل جمعہ کے بعد ظہر پڑھنی بتاتے ہیں، وہ یہ وجہ کہتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے، اس واسطے احتیاطاً ظہر پڑھ لینی چاہیے؛ لیکن اوپر معلوم ہو چکا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے دیہاتوں میں جمعہ فرض ہے، لہذا اب جمعہ کی فرضیت میں شک نہیں رہا اور جب شک جاتا رہا تو احتیاطی ظہر بھی جاتی رہی اور اس کے پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں باقی رہی۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ: ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: إن أول جمعة جمعت فی الإسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثٰی قریة من قرٰی البحرین. قال عثمان: قریة من قرٰی عبد القیس. (۲)

اور امور معلومہ ظاہرہ سے ہے کہ عبدالقیس میں بغیر امر حضرت صلی اللہ علیہ سلم کی اقامت جمعہ نہیں ہوا، حالاں کہ عادت صحابہ کرام سے یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے ،خصوصاً زمانہ نزول وحی میں اور خصوصاً ابتداء اسلام میں، مع ہذا اگر یہ امر اقامت جمعہ من جملہ ممنوعات شرعیہ سے ہوتا تو البتہ اس کی نہی میں نزول وحی ہوتا اور عدم نزول وحی اقوی ادلہ جواز سے ہے، چناں چہ حضرت جابر اور ابوسعید نے جواز عزل پر اسی طرح استدلال کیا ہے اور کہا: **"کنا نعزل والقرآن ینزل هٰکذا.** (۳) اور شواہد اس کے بہت ہیں وایضاً نماز جمعہ مانند سائر صلوٰۃ کے ہے، إلا

(۱) فتح القدیر، باب الجمعة: ۶۴/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

صحابی کا قول حجت ہے، اس کی تقلید واجب ہے، ہمارے پاس جب کہ سنت سے کوئی اور چیز اس کے منافی نہ ہو۔

(۲) سنن أبی داؤد، باب الجمعة فی القرٰی: ۱۶۰/۱، مکتبة حقانیة ملتان، انیس

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اول جمعہ جو اسلام میں اس جمعہ کے بعد جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوا تھا، جواثی میں ہوا، جو بحرین کے دیہات میں سے ایک قریہ ہے۔ حدیث کے راوی عثمان کا کہنا ہے کہ وہ عبدالقیس کا ایک قریہ تھا۔

(۳) ہم عزل کیا کرتے تھے، جب کہ قرآن اترتا تھا (عزل کہتے ہیں عورت سے صحبت کرنے کے بعد انزال باہر کرنا؛ تاکہ نطفہ نہ ٹھہرنے۔)

ماورد به النص بالتخصیص کالخطبة وغیره، (۱)اور بالاتفاق جمیع صلوات سب جگہ بلافرق قریٰ ومدن کے لازم ہے، یہ بھی ویسا ہی ہے اور ایضاً حدیث ''الجمعة واجب علی کل محتلم'' (۲) عام ہے جمیع امکنہ کو بلاتخصیص بلاو عظمیہ وغیرہ کے اور حسب قاعدہ اصولیہ عام جب تک کوئی مخصوص صحیح موازن اس کی توقیت وغیرہ میں نہ ہو عموم پر محمول ہوتا ہے، باقی وہ حدیث جس پر فرقہ متعصبہ نازاں وفرحان ہے: ''عن علی قال: لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطرٍ ولا أضحٰی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة''. (۳) امام احمد نے اس حدیث کے رفع میں بہت کلام کیا اور اخیر فیصلہ کیا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے اور ابن حزم نے فرمایا: ''الصحیح وقفه''. (۴) نیل الاوطار میں ہے: ''وللا جتهاد فیه مسرح فلا ینتهض للا حتجاج''.(۵)

پس یہ حدیث موقوف کیوں کر معارضہ اس حدیث مذکورہ بالا کا کر سکتی ہے؛ بلکہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے، امام نووی فرماتے ہیں: ''حدیث علی متفق علی ضعفه''. (۶) علاوہ اس کے اور احادیث اس کی مؤیدات ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: ''قال یونس: کتب رزیق بن حکیم إلٰی ابن شهاب وأنا معه یومئذٍ بوادی القرٰی هل تریٰ أن أجمع ورزیق عامل علی أرض یعملها وفیها جماعة من السودان و غیرهم ورزیق یومئذٍ علٰی أیلة فکتب ابن شهاب وأنا أسمع یأمره أن یجمع''. (۷) ابن أبی شیبة من طریق أبی رافع عن أبی هریرة عن عمر سے لائے ہیں: ''أن عمر کتب إلٰی أهل البحرین أن اجمعوا حیث ما کنتم، قال: هٰذا یشتمل القریٰ والمدن''، وصححه ابن خزیمة. (۸)

---

(۱) مگر یہ کہ جس کے متعلق نص خصوصیت کی وارد ہو، جیسے کہ خطبہ وغیرہ۔

(۲) عن حفصة رضی اللّٰه عنها أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: رواح الجمعة واجب علٰی کل محتلم. (سنن الکبریٰ للنسائی، باب التشدید فی التخلف عن الجمعة: ۵۱۷/۱، انیس)

ونیز حدیث جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے۔

(۳) مصنف ابن أبی شیبة، من قال: لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع، رقم الحدیث: ۵۰۵۹، انیس

(۴) صحیح یہ ہے کہ وہ موقوف ہے۔

(۵) نیل الأوطار، تابع کتاب الصلاة، باب انعقاد الجمعة بأربعین، الخ: ۲۸۶/۳، انیس

اور اس میں اجتہاد کے لیے راہ کھلی ہے تو اس کو بطور دلیل نہیں کھڑا کیا جا سکتا۔

(۶) علی کی حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

(۷) صحیح البخاری، باب الجمعة فی القریٰ والمدن: ۱۲۲/۱، قدیمی، انیس

یونس نے کہا ہے کہ زریق بن حکیم ابن شہاب کو لکھا (اور میں اس وقت ان کے ساتھ وادی القریٰ میں تھا) کہ کیا تم مناسب سمجھتے ہو کہ میں جمعہ شروع کروں اور زریق زمین پر عامل ہے کہ اس پر حکومت کر رہا ہے اور اس میں ایک جماعت سوڈانیوں وغیرہ کی ہے اور زریق اس ایلہ میں تھا، ابن شہاب نے لکھا ہے کہ میں سن رہا تھا کہ انہوں نے اس کو حکم دیا کہ پوری حدیث جمع کر دے۔

(۸) ابن ابی شیبہؒ ابی رافع کی روایت سے ابی ہریرہ عن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں عمرؓ اہل بحرین کو لکھا تم جہاں کہیں ہو جمعہ پڑھو، ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ یہ حکم دیہات اور شہروں پر شامل ہے اور اس کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

امام بیہقی طریق ولید بن مسلم سے لائے ہیں: ''عن ولید بن مسلم قال: سألت الليث بن سعد؟فقال: كل مدينة أوقرية فيها جماعة وعليهم أمير أمروا بالجمعة فليجمع بهم فإن أهل الأسكندرية ومدائن مصرومدائن سواحلها كانوا يجمعون الجمعة علىٰ عهد عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضی اللّٰه عنهما بأمرهما وفيها رجال من الصحابة''.(۱)

القصة: أحاديث كثيرة ما بين ضعافٍ وحسان اس بارے میں اسفار معتبرہ میں موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ جہاں جمعہ پڑھنا ضروری ہے،ازآنکہ وعید تارک جمعہ سب پر عائد ہے۔باقی جمعہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے اورتعیین جماعت متیقن،اقوال مختلفہ وارد ہوئے،چناں چہ صاحب فتح الباری نے ۱۵/اقوال نقل کئے۔اماوہ تعیین جوخود شارع شریف سے ثابت ہے،تیقن وواجب التسلیم ہے۔فرمایا:''إثنان فما فوقهما جماعة''.(۲)

قال في النيل: لم يثبت دليل علىٰ اشترا ط عدد مخصوص وقد صحت الجماعة في سائر الصلوات باثنين ولافرق بينها وبين الجماعة ولم يأت نص من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بأن الجمعة لا تنعقد إلا بكذا .(۳)

پس حاصل یہ کہ جب دو شخص کسی مکان میں مل کر جماعت سے جمعہ پڑھ لیں تو وہ ادائے ماوجب علیہما سے بری ہوگئے۔ہذا ہوالحق

سید محمد نذیر احمد،سید محمد عبدالسلام غفرلہ،سید محمد ابوالحسن

آیت سے فرض ہونا جمعہ کا عام طور پر ہر جگہ ثابت ہوا،شہر ہو یا قریہ۔پس تخصیص شہر کی نص کے مقابلہ میں موافق قاعدہ اصول حنفیہ کے احناف کوکرنا چاہیے،وإذ ليس فليس. (۴)اورخلاف قواعد اپنے مذہب کے فتویٰ دینا کالحباری فی الصحاری(۵) باطل ہے؛بل هوهوس من هوسات الشيطان. (۶)اورابوداؤد میں ہے:''باب

(۱) سنن الكبرىٰ للبيهقي،باب العدد الذين إذا كانوا في قرية وجبت عليهم الجمعة:۱۷۸/۳،انیس

کہا میں نے لیث بن سعد سے ان کی رائے دیہات میں جمعہ کے متعلق دریافت کی تو فرمایا: ہر جگہ شہر ہوکہ دیہات،جہاں لوگ ہوں، وہاں جمعہ کا حکم دیا جائے؛ کیوں کہ اہل مصر اوراس کے کناروں پر رہنے والے عمرؓ وعثمانؓ کے زمانے میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھتے تھے اوران میں بہت سے صحابہ تھے۔

(۲) فتح الباری،کتاب الصلاة،باب إثنان فما فوقهما جماعة:۱۸۵/۲،دار السلام الرياض،انیس

(۳) نيل الأوطار،باب انعقاد الجمعة بأربعين،الخ:۲۸۳/۳،انیس

دواور دو سے زیادہ جماعت ہیں۔نیل میں ہے کہ کوئی بات اس بات پر ثابت نہیں کہ عدد مخصوص مشروط ہے اور جماعت ہر نماز میں دو سے صحیح ہوجاتی ہے اوراس میں اور جمعہ میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص ثابت ہے کہ جمعہ اتنے اوراتنے سے ہوگا۔

(۴) اور یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

(۵) جیسے جنگل میں سرخاب۔

(۶) بلکہ یہ شیطان کی ہوسنا کیوں میں سے ایک ہوس ہے۔

الجمعة فی القریٰ حد ثنا عثمان بن أبی شیبة و محمد ابن عبد اللّٰہ المخزمی لفظه قالا نا وکیع عن ابراهیم بن طهما ن عن أبی جمرة عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال: إن أول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی قریة من قری البحرین،قال عثمان: من قری عبد القیس" (۱)اورصلوۃ جمعہ ادا کر کے پھر ظہر پڑھنا ایک محدث امر ہے اوروسوسہ شیطانی۔حدیث میں آیا ہے:"کل محدث بد عة". (۲)

تلطف حسین

(جواب ازحضرت گنگوہیؒ)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم حامداً للّٰہ علیٰ جزائل نعمائه وشاکراً له علیٰ جلا ئل آلائه و مصلیاً علیٰ رسولہٖ محمد أفضل أنبیاء ہ ومبلغ انباء ہ وعلیٰ سائر الصحب والآل ومن سلک مسالک اقتفاء ہ أقول وبا للّٰہ التو فیق!

یہ جواب فتویٰ کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ فرض ہے،اگر چہ وہاں دو ہی مسلمان ہوں۔ہرگز صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ روایات معتبرہ صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیت نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت ہو چکی تھی؛مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں اقامت جمعہ کی بسبب غلبۂ کفار کے قدرت نہ تھی،لہذا اقامت جمعہ سے عاجز رہے؛ لیکن اہل مدینہ کوآپ نے واسطے اقامت جمعہ کے امرفرمایا تھا اورحسب حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں جمعہ ہوا اورتا مقدم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں جمعہ جاری رہا،چناں چہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:

"وذلک أن الجمعة فرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وهو بمکة قبل الهجرة،کما أخرجه الطبرانی عن ابن عباس فلم یتمکن من إقامتها هنالک من أجل الکفار فلما هاجر من هاجر من أصحابه إلی المدینة کتب إلیهم یأمرهم أن یجمعوا فجمعوا"،انتهیٰ عبارته.(۳)

اورنواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی عون الباری میں اورعلامہ قسطلانی اورعلامہ ابن حجر عسقلانی اپنی اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"تحت(قوله:فهدانا اللّٰہ له بأن نص لناعلیه ولم یکلنا إلیٰ اجتهادنا لاحتمال) ... أن یکون النبی

---

(۱) سنن أبی داؤد،باب الجمعة فی القریٰ: ۱/۱٦۰،مکتبة حقانیة ملتان،انیس

(۲) ہرنئی چیز بدعت ہے۔

(۳) نیل الأوطار تابع کتاب الصلاة،باب انعقاد الجمعة واقامتها: ۳/۲۸۳،شاملة،انیس

اوراس لیے کہ جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں ہجرت کے پہلے فرض ہوا تھا،جیسا کہ طبرانی نے اس کی روایت ابن عباسؓ سے اس طرح بیان کی ہے کہ آپ وہاں کفار کی وجہ سے جمعہ قائم نہ فرما سکے؛لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جن کوہجرت کرنی تھی، ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو آپ نے ان کولکھا اورحکم دیا کہ وہ جمعہ ادا کریں،چناں چہ انہوں نے جمعہ ادا کیا۔

صلى الله عليه وسلم علمه بالوحى وهو بمكة فلم يتمكن من إقامتها، ثم فقد ورد فيه حديث عن ابن عباس عند الدارقطني ولذلک جمع بهم أول ما قدم المدينة،كما ذكره ابن اسحاق وغيره". (۱)

اور نیز سنن ابوداؤد میں ہے:

"عن عبد الرحمٰن بن كعب بن مالک وكان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره عن أبيه كعب بن مالک رضى الله تعالىٰ عنهما كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن ذرارفقلت له اذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن ذرارة قال؛لأنه أول من جمع بنا فى هزم النسيت من حرة بنى بياضة فى قيع يقال له نقيع الخصمات، قلت: كم كنتم يومئذٍ؟ قال:أربعون". (۲)

ور واه ابن ما جة وقال فيه: كا ن أول من صلى بنا صلاة الجمعة قبل مقدم البنى صلى الله عليه وسلم من مكة،انتهى. (۳)

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اول جمعہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہاں ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور اس وقت تک آیت جمعہ ہرگز نہ نازل ہوئی تھی؛ بلکہ ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہے، چناں چہ اتقان میں ہے:

"سورة الجمعة الصحيح أنها مدنية لماروى البخارى عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: كنا جلوساً عند النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فأنزلت عليه سورة الجمعة :﴿وآخرين منهم لما يلحقوا بهم﴾ قلت:من هم يا رسول الله.(الحديث) ومعلوم أن إسلام أبى هريرة بعد الهجرة بمدة وقوله:﴿قل يأيها الذين هادوا﴾خطاب لليهود وكانوا بالمدينة وآخرالسورة نزل فى انفضاضهم حال الخطبة لما قدمت العير،كما فى الأحاديث الصحيحة فثبت أنهامدينةكلها"،انتهٰى عبارة الإتقان. (۴)

---

(۱) فتح البارى،باب فرض الجمعة: ۴۵۸/۲،دار السلام رياض،انيس

"اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی ہدایت کی" کے تحت بیان کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا اور ہم کو اجتہاد کی طرف نہ متوجہ کیا، اس احتمال سے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی سے بتادیا ہو، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے اور وہاں اس کو قائم نہ کرسکے اور اس بارے میں دارقطنی کے پاس ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے اور اسی بنا پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول اول مدینہ آئے تو ان کو جمعہ پڑھایا، جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(۲) سنن أبى داؤد،باب الجمعة فى القرىٰ: ۱۶۰/۱،مكتبة حقانية،انيس

(۳) عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت ہے اور وہ اپنے والد کی بصارت جانے کے بعد ان کو لے جایا کرتے تھے، اپنے والد کعب سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ جمعہ کے دن اذان کی آواز سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لیے دعا فرماتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہی شخص ہے، جس نے پہلی مرتبہ ہم کو اپنے گھر کے نچلے حصے میں بنی بیاضہ کے پتھریلے میدان میں ایک جگہ جس کو نقیع الخصمات کہا جاتا تھا، جمع کیا تھا، میں نے پوچھا کہ اس وقت تم کتنے آدمی تھے تو فرمایا چالیس آدمی۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ان کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ سے آنے سے پہلے انہوں نے ہی ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔

(۴) الإتقان فى علوم القرآن،فصل فى تحرير السور المختلف فيها: ۴۴/۱،انيس ==

پس ان روایات سے ثابت ہو چکا کہ نزول آیت جمعہ کا بعد فرضیت جمعہ کے ہے۔اس آیت کے نزول سے ابتداء فرضیت جمعہ امت پر نہیں ہوئی؛ بلکہ نزول آیت کا بعد فرضیت جمعہ کے ہوا ہے، بہت سے احکام اس قبیل سے ہیں کہ اول حکم نازل ہو گیا اور آیت اس باب میں بعد میں نازل ہوئی، یہ آیت بھی اسی قسم میں داخل ہے۔سیوطی اتقان میں کہتے ہیں:

"النوع الثاني عشر ما تأخر حكمه عن نزوله وما تأخر نزوله عن حكمه إلى أن قال ومن أمثلته أيضا آية الجمعة فإنها مدينة والجمعة فرضت بمكة إلى أخر ما قال". (۱)

پس جو علما فرماتے ہیں کہ فرضیت جمعہ بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوئی اس آیت سے، سواگر ان کی یہ مراد ہے کہ وہ آیت جس سے فرض ہونا جمعہ کا ہم کو معلوم ہوتا ہے، مدینہ میں نازل ہوئی تو یہ قول ان کا درست اور بجا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں بعد ہجرت اس آیت سے ہی فرض ہوا تو ہر اہل بصیرت پر واضح ہے کہ یہ رائے خلاف واقعہ کے ہے، چناں چہ اوپر کی احادیث سے ظاہر ہو گیا اور یہ روایت ابوداؤد وغیرہ کی ہے کہ!

"عن ابن سيرين جمع أهل المدينة قبل أن يقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سمرها الجمعة فقالت الأنصار لليهود: يوم يجتمعون فيه كل سبعة أيام وللنصارىٰ أيضاً مثل ذلك فهلم فلنجعل يوماً نجتمع ونذكر الله تعالىٰ ونصلي ونشكره فيه أو كما قالوا: يوم السبت لليهود ويوم الأحد للنصارىٰ فاجعلوه يوم العروبة وكانوا يسمون يوم الجمعة يوم العروبة فاجتمعوا إلى أسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذٍ ... فأنزل الله في ذلك بعد ذلك إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله". (۲)

== سورۂ جمعہ کے متعلق صحیح تو یہی ہے کہ وہ مدنی ہے، جیسا کہ بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی، جس میں یہ آیت بھی تھی ﴿واخرين منهم لما يلحقوا بهم﴾ تو میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ (آخر حدیث تک) اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہجرت کے ایک مدت بعد اسلام لائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نبی کو کہ ﴿قل يا أيها الذين هادوا﴾ یہود سے خطاب ہے، جو مدینہ میں آئے تھے اور یہ آخری سورہ ہے، جو بوقت خطبہ ان کے پراگندہ ہو جانے کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب کہ قافلہ آیا تھا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آتا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ سورہ پوری مدنی ہے۔

(۱) الاتقان في علوم القرآن في بحث ما تأخر حكمه عن نزوله،الخ: ۱/ ۱۰۶-۱۰۸،انیس

بارہویں قسم وہ ہے، جس کا حکم نزول سے متاخر ہے اور جس کا نزول حکم سے متاخر ہے، یہاں تک کہ فرمایا: اور ان کی مثالوں سے جمعہ کی آیت بھی ہے؛ کیوں کہ وہ مدنی ہے اور جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔

(۲) مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة،باب أول جمع: ۳/ ۱۵۹،انیس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں آنے اور سورۂ جمعہ کے نازل ہونے کے پہلے اہل مدینہ جمع ہوئے اور انصار نے کہا کہ یہود کا ایک دن ہے کہ وہ اس میں ہر ہفتہ جمع ہوتے ہیں اور نصاریٰ کا بھی اسی طرح تو آؤ ہم بھی ایک دن ایسا مقرر کر لیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں اور شکر ادا کریں، چناں چہ جمعہ کے دن کو "یوم العروبہ" (عربوں کا دن) قرار دیا اور اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے، انہوں نے ان کو نماز پڑھائی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة﴾ الخ کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے۔۔۔۔

سو یہ روایت معارض اس پہلی روایت کے کہ جس میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقامت جمعہ ثابت ہوتا ہے، ہرگز نہیں ہے، چوں کہ یہ اجتماع انصار کا از رائے خود قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوا تھا اور وہ صلوٰۃ تنفلاً تھی، اس کے سبب سے انہوں نے فرض ظہر تک نہ کیا، کیوں کہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اپنی رائے سے ایک امر ایجاد کر کے فریضہ حق سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے اور بعد امر رسول اللہ علیہ وسلم فریضہ جمعہ دو رکعت پڑھی گئی اور اس کو مسقط ظہر ٹھہرایا گیا، پس ان دونوں واقعوں میں کچھ مخالفت اور تعارض نہیں ہے۔

الحاصل محقق ہوگیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظمہ میں ہوچکی تھی اور مکہ میں اقامت جمعہ سے تعذر رہا اور مدینہ طیبہ میں کہ مصر تھا اور مسلمانوں کو تمکن اقامت جمعہ کا تھا۔ جمعہ بامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاری رہا اور جو مواقع محل اقامت جمعہ نہ تھے، مثل عوالی قبا وغیرہ وہاں جمعہ جاری نہیں ہوا، حالاں کہ وہاں بہت مسلمان مقیم تھے اور کبھی نہ بعد میں وہاں جمعہ پڑھا گیا، چناں چہ ابوداؤد میں روایت ہے:

"عن ابن عباس: أن أوّل جمعة جمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالمدينة لجمعة جمعت بجواثى قرية من قرىٰ البحرين، قال عثمان: قرية من قرى عبد القيس، انتهىٰ". (۱)

پس اگر ہر قریہ میں اگر چہ صغیرہ ہو، جمعہ فرض تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو امر نہ فرمایا، جیسا کہ اہل مدینہ کو امر فرمایا تھا، حالاں کہ تبلیغ احکام آپ کی ذات پاک پر ہر بشر کی طرف فرض تھی اور جب بعد اس کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو اول نزول آپ کا قبا میں ہوا اور وہاں چودہ روز آپ نے اقامت فرمائی، اگر چہ عدد ایام اقامۃ میں اختلاف ہے؛ مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں، وہ سب سے راجح ہے اور ان ایام اقامت قبا میں آپ کو دو جمعہ پیش آئے؛ کیوں کہ آپ پیر کے روز قبا میں فروکش ہوئے اور پیر ہی کے روز پندرہویں دن مدینہ کو تشریف لے گئے؛ مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا میں اقامت جمعہ نہ فرمائی اور نہ اہل قبا کو حکم فرمایا کہ تم پر نماز جمعہ فرض ہے، تم اقامت جمعہ کرو اور نہ اس پر سرزنش فرمائی کہ مدینہ میں جمعہ ہوتا ہے، تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں پڑھا تو اہل قریہ پر اگر جمعہ فرض تھا تو اس ترک نماز جمعہ کی اہل قبا سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا وجہ تھی، جو صاحب مدعی وجوب جمعہ بر اہل قری ہیں، ان پر اس کا جواب واجب ہے۔ بخاری میں ہے:

حدثنا أنس بن مالک قال: لما قدم رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم المدينة نزل في علو المدينه في حي يقال لهم بنو عمرو بن عوف، قال: فأقام فيهم أربع عشرة ليلة. (الحديث) (۲)

(۱) سنن أبي داؤد، باب الجمعة في القرىٰ: ۱/۱٦۰، مكتبة حقانية ملتان، انيس

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں پڑھا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مدینہ میں جمعہ ادا کرنے کے بعد، وہ جمعہ ہے جو بحرین کے دیہات میں سے ایک گاؤں جواثی میں ہوا، جو عبدالقیس کے دیہات میں تھا۔

(۲) صحيح البخاري، باب مقدم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه المدينة: ۱/۵۵۹-۵٦۰، قديمي، انيس==

اور جن علما کواس روایت جمعہ جواثی سے شبہ وجوب جمعہ براہل قری ہوا ہے، وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے اوراول تو یہ کہ جواثی گاؤں نہ تھا؛ بلکہ شہر تھا اور جب اس میں احتمال ان معنی کا ہوا تو استدلال درست نہ رہا کہ ’’إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال. في العيني شرح البخاري وحكى ابن التين عن الشيخ أبي الحسن أنها مدينة وفي (الصحاح) للجوهري و (البلدان) للزمخشري جواثىٰ حصن بالبحرين وقال أبوعبد البكري: وهي مدينة بالبحرين لعبد القيس. قال أمرأ القيس:

ورحنا كأنا من جواثىٰ عشية نعالي النعاج بين عدل ومحقب

يريد كانا من تجار جواثىٰ لكثرة ما معهم من الصيد أراد كثرة أمتعة تجار جواثىٰ، قلت: كثرة الأمتعة تدل غالباً علىٰ كثرة التجار وكثرة التجار تدل علىٰ أن جواثىٰ مدينة قطعاً؛ لأن القرية لا يكون فيها تجار كثيرون غالباً، انتهىٰ. (۱)

اور باآنکہ بعض اوقات اطلاق قریہ کا باعتبار اس کے معنی لغوی اجتماع کے مدینہ پر بھی ہوجاتا ہے۔ قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وقالوا لولا أُنزل هٰذا القران علی رجل من القريتين عظيم﴾ (۲) یعنی مکہ وطائف اوراگر تسلیم ہی کرلیا جاوے کہ جواثی قریہ تھا تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہل جواثی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت واذن سے وہاں جمعہ ادا کیا تھا اور آپ کو اس کی اطلاع ہوئی اور آپ نے اس کی تقریر بھی فرمائی، آج تک یہ کسی سے ثابت نہیں ہوا ہے کہ یہ فعل ان کا باذن واجازت آپ کے تھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہو تو اب صراحۃً اجازت آپ کی کسی حدیث صحیح سے ثابت کرے اور یہ خیال کہ صحابہ جو کچھ کرتے تھے، آپ کی اجازت سے کرتے تھے، چناں چہ بعض علماء مثل علامہ شوکانیؒ وغیرہ نے عذر کیا ہے، درست نہیں ہے؛ کیوں کہ بہت افعال صحابہ کرام سے بلا اذن صریح واجازت آپ کے ہوا کرتے تھے، چناں چہ خود اسی امر جمعہ میں اسعد بن زرارہ نے قبل امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ قائم کیا تھا،

== حضرت انس بن مالکؓ نے ہم سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے اوپر ایک حصہ میں ایک قبیلہ اترے، جس کو بنوعمر بن عوف کہا جاتا ہے کہ وہاں (۱۴) رات ٹھہرے۔

(۱) عمدة القاري، كتاب الجمعة في القرىٰ والمدن: ۳۹/۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

جب احتمال آ گیا تو استدلال باطل ہوگیا، عینی شرح بخاری میں ہے اور ابن قیس نے شیخ ابوالحسن سے روایت کی ہے کہ وہ (جواثی) شہر ہے اور جوہری کی صحاح میں اور زمخشری کی بلدان میں ہے کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ ہے اور ابوالبکری فرماتے ہیں کہ وہ بحرین میں ایک شہر ہے، جو عبدالقیس کا ہے۔ امراء القیس کہتا ہے: (شعر) اور ہم روانہ ہوئے اس طرح کہ گویا وہ جواثی سے شام کے وقت بھیڑیں بلند تھیں گھڑیوں اور رسیوں کے درمیان) یعنی گویا وہ جواثی کے تجار سے تھے کہ ان کے ساتھ شکار زیادہ تھے اور مال کی زیادتی سے مراد جواثی کے تجار سے تھے، میں کہتا ہوں کہ سامان کی زیادتی اس بات کی دلیل ہے کہ تجار کی کثرت تھی اور تجار کی کثرت اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جواثی شہر تھا؛ کیوں کہ گاؤں میں غالباً زیادہ تجار نہیں ہوتے۔

(۲) سورة الزخرف: ۳۱، انيس

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ’’وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس شخص پر کیوں نہ اترا جو ان دونوں گاؤں میں سے بڑا ہو‘‘۔

جیسا کہ حدیث ابوداؤد سے اوپر ثابت ہوا اور چوں کہ جواز اقامت جمعہ کا جواثی میں درصورت قریہ صغیرہ ہونے جواثی کے موقوف تھا اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، یا بعد خبر ہونے کے تقریر اور سکوت پر اور یہ دونوں امر ہرگز ہرگز ثابت نہیں تو علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواز کے لیے یہ تجویز فرمائی کہ جس کو مجیب صاحب نقل فرماتے ہیں:

"عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: إن أول جمعة جمعت في الاسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة لجمعة بجواثى قرية من قرىٰ البحرين، قال عثمان: قرية من قرىٰ عبد القيس. (۱)

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر چہ یہاں اذن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے نہ ہو، یا کسی نے خبر اس اقامت کی آپ کو نہ دی ہوتا کہ آپ کی تقریر اور سکوت موجب جواز ٹھہرائی جاوے؛ مگر چوں کہ آپ کی حیات میں اہل جواثی نے یہ اقامت جمعہ کی تھی تو اگر یہ اقامۃ ناجائز ہوتی تو بالضرور بذریعہ وحی کے آپ کو اطلاع دی جاتی اور آپ اس کو منع فرماتے، پس جب کہ آپ کو اس کی ممانعت کا حکم نہ آیا تو یہ اقامت درست اور جائز ہوگئی اور اس کی نظیر میں واقع عزل کو پیش فرماتے ہیں۔

اب بندہ عرض کرتا ہے کہ جو امر صحابہ نے اپنی رائے سے بدون علم واطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عملدرآمد فرمایا اور اس کی ممانعت میں نزول وحی نہ ہوا تو اس امر کے جواز کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ اس میں کوئی نص ممانعت کی موجود نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ عامہ صحابہ اس پر تعامل فرمادیں، نہ چند نفر اصحاب اگر کوئی نص ممانعت موجود ہوتو ہرگز صحابہ کا تعامل معتبر نہ ہوگا بمقابلہ نص صریح صحیح کے اور نہ یہاں ضرورت نزول وحی کی ہوگی کہ وہ نص ممانعت خود بمنزلۂ وحی کے موجود ہے، چناں چہ سب پر واضح ہے اور اگر بدون اطلاع نص کے اکثر صحابہ نے بھی کوئی عمل کیا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ بھی قابل اعتماد کے نہ ہوگا اور ضرورت نزول وحی کی نہ ہوگی؛ کیوں کہ قول اور فعل رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل وحی کے ہے؛ بلکہ ایسے مواقع میں اس کے مقابل دوسری نص کی حاجت ہوتی ہے، جو مؤید رائے صحابہ کے ہو، چناں چہ باب متعہ میں بعد اوطاس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو ابدالآباد تک حرام من کل الوجوہ فرمادیا تھا اور بعد اس کے بسبب ہجری اس تحریم کے بعض صحابہ نے اس کو ناجائز جانا اور اکثر نے اس پر عمل بھی کیا، اس میں نزول وحی کا نہیں ہوا، پھر بھی کوئی اس کو جائز نہیں کہہ سکتا اور اس کے اور نظائر بھی موجود ہیں اور باب عزل میں خود جواز کی نص موجود ہے کہ خود جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں:

قال: قلنا يارسول الله إناكنا نعزل فزعمت اليهود أنه المؤودة الصغرىٰ، فقال: كذبت اليهود إن الله إذا أراد أن يخلق شيئاً لم يمنعه". (۲)

(۱) سنن أبي داؤد، باب الجمعة في القرىٰ: ۱/۱۶۰، مكتبة حقانية ملتان، انيس

(۲) سنن الترمذي، أبواب النكاح، باب العزل: ۱/۲۱۵-۲۱۶، انيس

کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عزل کیا کرتے ہیں (یعنی صحبت کر کے انزال باہر کرتے ہیں) تو یہود کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ بچوں کا گاڑنا ہے چھوٹے قسم کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود جھوٹ کہتے ہیں، اگر اللہ کسی مخلوق کو پیدا کرنا چاہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

پس جب کہ جابر رضی اللہ عنہ کو جواز اس کا معلوم ہو چکا تھا اور اکثر صحابہ اس پر تعامل رکھتے تھے اور کوئی نص اس کی حرمت کی نہ تھی اس پر بھی جب بعض نے اس فعل کا انکار کیا تو حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ فعل باجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے اور کوئی وحی اس کے ترک کی نہیں آئی تو کس وجہ سے یہ فعل ناجائز ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر یہ فعل خلاف اولیٰ ہو تو یہ دوسرا امر ہے، بخلاف مسئلہ اقامت جمعہ کے اس میں کوئی دلیل جواز جمعہ کی موجود نہیں ہے؛ بلکہ نص صریح فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تعامل صحابہ اہل عوالی وغیرہ سے اس کی ممانعت بدیہی وصریح ہے اور اہل جواثی کہ بزعم علامہ رحمہ اللہ علیہ وہ قریۂ صغیرہ تھا، چند نفر صحابہ تھے کہ چند روز صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے تھے اور بیشتر قری صغیرہ میں بھی چالیس پچاس آدمی ہوتے ہیں، پھر یہاں نزول وحی کے باوجود ایسی نص مخالف موجود ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ پس اس کو باب عزل پر قیاس کرنا ایسے علامہ محقق سے بہت بعید ہے۔ مع ہذا اگر کوئی اس رائے کو باوجود عدم صحت قبول بھی کرلے تو اس سے جواز اقامت فی القری نکلتا ہے نہ فرضیت، پھر یہ روایت مجیب صاحب کو کیا مفید ہوگی کہ وہ دو آدمی قریہ پر بھی جمعہ فرض فرماتے ہیں، نہ معلوم نقل اس عبارت سے مجیب صاحب کو کیا تائید ملی اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ جواثی مدینہ تھا، چناں چہ محققین لغت حدیث نے تصریح فرمائی ہے، کما ذکرنا اور عادت ہے کہ مدینہ پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور قریہ کو مدینہ کوئی نہیں کہتا، لہٰذا اگر کسی نے جواثی کو قریہ کہا تو وہ حجت اس پر نہیں ہے کہ جواثی قریہ تھا؛ بلکہ وہ مدینہ ہی تھا۔ پس دریں صورت اقامت جمعہ اہل جواثی کی بنص صریح و باجازت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ اس میں کچھ اشکال نہیں۔

بعد اس کے مجیب صاحب نے فتح الباری سے آثار حضرت عمر و حضرت عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین نقل فرمائے ہیں اور یہ ان کو مفید نہیں؛ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامہ میں جو لفظ ''حیثما کنتم'' واقع ہے، اس سے یہ صاحب عموم امکنہ ثابت کرتے ہیں کہ مدن اور قری کو شامل ہے۔ سواولا ہم کہتے ہیں کہ اگر حسب الحکم مجیب صاحب عموم امکنہ ہی مراد ہو تو یہ عموم صحاری اور بحار کو بھی مشتمل ہے اور صحاری میں کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا تو جس طرح صحاری و بحار کو وہ تخصیص کریں گے، اسی طرح سے ہم قری صغیرہ کو تخصیص کریں گے اعنی بالنص المرفوع۔ ثانیا اگر مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی تعمیم ہے تو کیوں کر مظنون ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ دس سال تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کو مشاہدہ فرما دیں، پھر آپ کے تعامل کے خلاف پر جرأت فرما دیں، حاشا وکلا یہ ہرگز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوسکتا۔ ثالثا بفرض محال اگر مراد ان کی عموم ہی ہے تو خلاف نص قطعی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس طرح معتبر ہوگی، لہٰذا مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عموم مدن ہے، نہ اشتمال قری۔ علیٰ ہذا اثر حضرت عثمان وغیرہ کا یہی جواب ہے اور اسی وجہ سے صاحب فتح الباری نے یہاں اشتمال قری خیال فرمایا ہے۔ وہ اول آثار کو خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ ان کے نزدیک موقوف ہے اور بسبب موقوفیت ان ہرسہ آثار کے ان کو مثبت مدعا نہ جان کر فرماتے ہیں کہ رجوع طرف مرفوع کے واجب ہے۔

پس حنفیہ عامل اس پر ہوئے کہ نص مرفوع؛ یعنی فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر کیا اور اقوال اور افعال صحابہ کو ہرگز وہ مختلف نہیں جانتے اور نہ وہ فی الواقع مختلف ہیں؛ بلکہ سب کے نزدیک وہی معتبر ہے کہ جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمیشہ دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ وہی حکم دیتے تھے کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حذیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے، پس کوئی ادنیٰ صحابہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ اکابر صحابہ۔ پس جملہ اصحاب کرام کے کام کو بالاتفاق موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل کرنا چاہیے اور اگر خلاف متبادر ہو تو تاویل کرنا واجب ہے اور اگر تاویل بھی نہ ہوسکے تو ترک کر دینا چاہیے اور مذہب اپنا موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنا چاہیے اور اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ جتنی احادیث موقوفہ، یا مرفوعہ بلفظ عموم آئی ہیں، وہ سب مخصوص ہیں، اس میں عموم مدن ہے، نہ قری اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے، وہاں مراد مدینہ ہے، حسب لغت قرآن نہ کہ قریہ صغیرہ، ورنہ دس سال کے فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سخت مخالفت ہوگی، چناں چہ اوپر ذکر ہو چکا۔

الحاصل نہ اقوال صحابہ میں اختلاف ہے اور نہ رجوع الی المرفوع سے جواز اقامت قری ثابت ہے۔ پس مذہب حنفیہ پر کسی طرح کا اشکال نہیں ہے، البتہ نظر غائر درکار ہے اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ میں کسی قدر تاکید فرماتے تھے اور ترک جمعہ پر تغلیظ فرماتے اور اس کو تمام اہل عوالی سنتے، مع ہذا کسی نے اپنے قریہ میں یہ جمعہ قائم نہ کیا اور نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس سال حیات خود میں ان کو اقامت جمعہ کا حکم فرمایا، نہ ترک جمعہ پر تغلیظ فرمائی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تاکید اور تغلیظ انہی لوگوں پر ہے، جن پر جمعہ فرض ہے۔ اہل قریٰ اہل صحاری اس سے خارج اور مستثنیٰ ہیں، علی ہذا آیت کے عموم اور عموم الفاظ جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ سے بھی یہ لوگ خارج ہیں۔

لہٰذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا اور اگر کسی شخص کو اس کا دعویٰ ہے کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا تو اس کو ثابت کرے، ورنہ معاذ اللہ یہ لازم آئے گا کہ تمام اہل عوالی بترک جمعہ فرض قطعی فاسق ہوں۔ (استغفر اللہ، استغفر اللہ) اور احادیث سے صریح ثابت ہے کہ عوالی سے لوگ مدینہ طیبہ میں نوبت نبوبت آتے تھے کہ ایک جمعہ کو چند آدمی آئے اور باقی اپنے گھر پر رہے اور دوسرے جمعہ کو دوسری جماعت جو پہلے جمعہ کو نہ آئی تھی، جمعہ کے واسطے مدینہ آتے اور وہ جماعت جو پہلے جمعہ کو مدینہ آئی تھی، اپنے گھر پر رہتی اور جو لوگ اپنے گھر پر رہتے تھے، وہ ظہر پڑھتے تھے۔ وہاں کبھی انہوں نے جمعہ ادا نہیں کیا اور یہ امر بعلم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؛ بلکہ بامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا تو اگر اہل قری پر جمعہ فرض تھا تو معاذ اللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقامت جمعہ کا حکم ان لوگوں کو نہ فرمانے میں کیا مخالف حکم ﴿بلغ ما أنزل إليك من ربك﴾ (۱) کرتے، ہرگز نہیں؛ بلکہ اہل قری پر جمعہ فرض ہی

(۱)　آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا، وہ سب پہنچا دیجئے۔

نہ تھا اور نوبت بنوبت ان کا آنا واسطے تحصیل برکات زیارت کے تھا اور بغرض تعلیم مسائل دینیہ کہ ہر ہر جماعت اپنی اپنی نوبت میں شرف زیارت سے مشرف ہوجاوے اور مسائل دینیہ سیکھ کر پسماندگان کو تعلیم کرے۔ بخاری میں ہے:

”عن عروة بن الزبیرعن عائشة رضی اللّٰه عنها زوج البنی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قالت: کان الناس ینتابون الجمعة من مناز لهم والعوالی“. (الحدیث)(۱)

قال العلامة ابن حجرفی شرحه: قال القرطبی: فیه رد علی الکوفیین حیث لم یوجبوا الجمعة علٰی ما کان خارج المصر، کذا فیه نظر؛ لأنه لو کان واجباً علٰی أهل العوالی ما یتنابون ولکانوا یحجرون جمیعاً، انتهٰی. (۲)

سبحان اللہ، ابن حجر مرحوم نے کیا انصاف اور دیانت کا کام فرمایا کہ باوجود تصلب اپنے مذہب شافعی کے حق کو ظاہر کر گئے کہ اہل قری پر فرضیت جمعہ کی ہرگز اس حدیث سے نہیں ثابت ہوتی، جیسا کہ قرطبی کو غلطی ہوئی؛ بلکہ وہ مان گئے کہ اس حدیث سے اہل قری پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے؛ مگر ہاں اتنی کمی رہی کہ ابن حجر بنظر انصاف یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قریہ میں جمعہ کا ادا نہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، ورنہ باقی ماندگان عوالی اپنی قری میں جمعہ ادا کیا کرتے، اس واسطے کہ جمعہ کے فضائل اور کثرت ثواب جو ان کے دلوں میں رچا ہوا تھا تو تمام عمر اس سے محرورمی کیوں کر گوارا کر تے؛ بلکہ صحابہ کرام بنظر ان کی کثرت حرص حسنات مسابقت الی الخیرات ایک جمعہ کا ترک بھی گوارا نہ فرماتے اور خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو ارحم الناس اپنے صحابہ پر تھے اور نوافل وسنن وفضائل ومستحبات کے لیے ان کو امر ندب فرماتے تھے، اس کا بھی ضرور امر فرماتے، حالاں کہ کہیں اس کا پتہ نہیں ہے، اس سے خود ہویدا ہے کہ قریہ محل اقامت جمعہ بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ ان پر فرض ہوتا۔

پس مجیب اور ان کے معاونین کا یہ لکھنا کہ وجوب جمعہ کے لیے خاص کسی بستی کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ہر چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہوسکتا ہے۔ احادیث صحیحہ کے صریح خلاف اور محض دعویٰ بلا دلیل ہے اور مجیب صاحب جو عموم آیت سے یہ نکالتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے تو اول تو وہ خود حدیث طارق بن شہاب مروی ابوداؤد سے تخصیص آیات کی کر تے ہیں کہ مریض اور مملوک اور مرأۃ اور صبی کو خارج کرتے ہیں، جس سے عموم آیت بحال خود نہ رہا۔ دوسرے مسافر اس آیت سے خارج ہے اور اہل صحرا بھی۔ اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفات پر نماز جمعہ نہیں پڑھی؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے اور نیز اس وجہ سے عرفات صحرا ہے، نہ بستی۔ ایک روایت رجا

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب من أین تؤتی الجمعة وعلی من تجب: ۱۲۳/۱، قدیمی، انیس

(۲) عروہ بن زبیر، حضرت عائشہؓ (ام المؤمنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ جمعہ کے لیے اپنے مکانوں سے اور اطراف مدینہ سے نائب بنایا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرطبی نے فرمایا کہ اس میں اہل کوفہ کی تردید ہے کہ ان کے نزدیک اس پر واجب نہیں ہے، جو شہر کے باہر ہو، یہ مسئلہ محل غور ہے کہ اگر اطراف والوں پر واجب ہوتا تو وہ نائب نہ بناتے؛ بلکہ خود حاضر ہوتے۔

ءابن المرجاء نے تمیم داری سے نقل کی ہے، جس میں پانچ شخصوں کو استثنا کیا ہے۔ چار یہ اور ایک مسافر اور ایسے ہی صحرا میں جمعہ درست نہ ہونا اور صحرا والوں پر فرض نہ ہونا علماء مجتہدین کا متفق علیہ ہے۔ تیسرے یہ سابق مثل آفتاب کے روشن ہوگیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی قریہ عوالی، یا غیر عوالی میں اقامت جمعہ نہیں ہوئی، لہذا اہل قریہ اس آیت سے مستثنیٰ ہیں۔ پس استدلال مجیب کا عموم آیت سے فرضیت جمعہ اہل قری پر درست نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ فرضیت جمعہ پہلے محقق ہو چکی تھی۔ اب جس پر اور جس جگہ جمعہ فرض تھا اور جہاں ادا ہوتا تھا، وہ سب پہلے معلوم اور مقرر ہو چکی تھی اور قبل نزول آیت سب قواعد ممہد ہو لیے تھے۔ پس اس آیت کے اندر جو مومن مخاطب ہیں، یہ وہی مومنین ہیں کہ جن پر فرضیت جمعہ مقرر ہو چکی تھی، پاس اس کے عموم سے کسی کے استثنا کی حاجت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ سر ے سے داخل ہی نہیں تھے۔ علی ہذا القیاس جن احادیث میں عام لفظوں سے وجوب جمعہ بیان کیا گیا ہے، ان سب سے وہ لوگ مذکورہ بالا سب مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ آیت شریف: ﴿ان الذین کفروا سواء علیهم أ أنذرتهم أم لم تنذرهم لا يؤمنون﴾ (۱) میں اگر چہ لفظ موصول عام ہے؛ مگر مراد اس سے وہی معدودے چند کافر ہیں کہ جو سابقہ روز ازل میں کافر مقدر ہو چکے تھے، جیسے: ابوجہل ابولہب وغیرہ، نہ کل کفار؛ کیوں کہ بعد نزول اس آیت کے لاکھوں کافر مسلمان ہوئے۔ اگر اس آیت سے عموم جنس مراد ہوتا تو کسی طرح درست نہیں ہوسکتا، علی ہذا۔

جملہ احادیث وارد ہ باب جمعہ وآیت جمعہ میں لفظ موصول میں اہل قری وغیرہ داخل ہی نہیں ہیں کہ تخصیص کی ضرورت پڑے؛ مگر چونکہ مجیب صاحب نے غور اور فکر کو کام نہیں فرمایا، جو چاہا لکھ دیا اور اوپر اشارہ ہو چکا ہے آپ کے قبا کے قیام میں اختلاف ہے کہ کتنے روز ہوا؛ مگر جب ہم نے بخاری اصح الکتب پر اعتماد کیا تو ان روایات کی مخالفت کچھ مضر نہیں، ہر چند کہ وہ روایات صحیح ہوں؛ مگر صحت روایت منافی اس کے خلاف واقعہ ہونے کے نہیں ہوتی، مثلاً صحیح بخاری میں عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین روایتیں ہیں: ساٹھ برس، تریسٹھ برس، پینسٹھ برس۔ سو یہ ہر سہ روایت بروئے سند صحیح ہیں؛ مگر موافق ومطابق واقعہ کے ان میں سے ایک ہی روایت تریسٹھ برس کی ہے اور دو روایتیں خلاف واقعہ کے ہیں، سوان دو روایات کو یا غلط کہا جاوے، یا کوئی معنی مجازی لے کر ان کی تاویل کی جائے گی۔ بہر حال معنی ظاہری کو خود دو صحیح روایات خلاف واقعہ کے ہیں۔ ایسے ہی باب قیام قبا میں چند روایتیں ہیں کہ خلاف صحیح بخاری کے ہیں، ازاں جملہ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز جمعہ مدینہ تشریف لے گئے اور آپ نے بنی سالم میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس روایت سے بھی بعض علما نے جواز جمعہ قری تجویز کر لیا، اگر چہ ہم کو بعد اعتماد روایت بخاری اس پر وثوق کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ یہ خلاف واقع ہے؛ کیوں کہ جب آپ پیر کو قبا میں تشریف لائے اور پندرہویں روز پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو پھر راہ میں بنی سالم میں جمعہ پڑھنے کے کیا معنی ہوئے، یہ

(۱) سورة البقرة:٦، انیس
بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں، خواہ آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے۔

روایت صحیح نہیں ہے؛ بلکہ غلطی راوی کی ہے؛ لیکن اگر کسی طرح نماز جمعہ بنی سالم میں تسلیم بھی کی جائے تو بنوسالم محلّہ مدینہ طیبہ کا ہے اور فناء مدینہ میں واقع ہے کہ وہ آباد نہیں ہے اور اس وقت آباد تھا اور مدینہ طیبہ کا محلّہ شمار کیا جاتا تھا؛ کیوں کہ فناء مدینہ میں واقع تھا، جیسا کہ حرۃ البیت بھی فناء مدینہ میں خارج مدینہ واقع ہے۔

سو یہ حجت مجوزین جمعہ قری کو مفید نہیں ہے، حنفیہ کو مضر نہیں اور بمقابلہ روایات کے جواوپر مذکور ہوئیں، کچھ معتبر بھی نہیں اور یہ سب تقریر بر تقدیر وجوب جمعہ بحالت قیام مکہ ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر بپاس خاطر بعض علماء یہ تسلیم کرلیا جاوے کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا، تب بھی اعتراض جوانب مدینہ میں جمعہ نہ ہونے کا اور اہل عوالی کے تناوب کا باقی ہے اور حنفیہ کے لیے عدم وجوب جمعہ بر اہل قری وعدم صحت جمعہ قری کے لیے دلیل کافی ہے، چناں چہ ابن حجر نے اس کا اقرار کرلیا، پھر یہ کہ مجیب صاحب نے اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کلام کیا ہے، جس سے ان کی ناواقفیت اصول حدیث وفقہ سے معلوم ہوگئی۔

پس سنو کہ جو حدیث موقوف کہ اس میں قیاس کو دخل ہو، قول صحابی کا ہوتا ہے اور ایسے ہی موقوف کو صاحب فتح القدیر حسب قاعدہ اصول فقہ فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حدیث مرفوع معتبر نہیں ہوتے اور جو حدیث موقوف کہ قیاس کو اس میں دخل نہ ہو، یا وہ مؤید ومشید بحدیث مرفوع ہو، وہ خود بحکم مرفوع ہوتی ہے اور یہ اثر علی رضی اللہ عنہ قسم ثانی ہے، نہ اول سے؛ کیوں کہ شرطیت عبادات کی رائے اور قیاس سے ثابت نہیں ہوسکتی؛ بلکہ اس کے لیے نص صریح ہونا درکار ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحت جمعہ کے واسطے مصر کا شرط فرمانا بدون نص شارع علیہ السلام نہیں ہوسکتا، ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حسب زعم مجیب اور اس کے شیوخ اور اتباع کی آیت: ﴿**یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ**.(الآیۃ)

عام ہو اور دیگر احادیث بھی باب جمعہ میں سے عام ہوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو جانتے ہوں اور پھر نصوص قطعیہ کو وہ اپنی رائے سے مخصوص بناویں اور تخصیص نسخ ہوتا ہے، قدر مخصوص میں۔ معاذ اللہ علی کرم اللہ وجہہ سے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آیت قرآنی وحدیث رسول کو اپنی رائے سے نسخ کردیں، یہ تو کسی عامی کا بھی کام نہیں ہے تو بالضرور علی کرم اللہ وجہہ کے پاس وہ علم تھا کہ جس سے تخصیص ان نصوص کی ہوتی ہوا اور اس سے انہوں نے تخصیص فرمائی اور خود ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین روز بعد ہجرت فرما کر قبا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے تھے اور باوجود فرضیت جمعہ کے مکہ میں پھر آپ کا قبا میں جمعہ نہ پڑھنا انہوں نے دیکھا اور یہ نص قطعی عدم فرضیت جمعہ اہل قری کے ان کو معلوم ہوئی اور پھر مدینہ طیبہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر دس سال تک دیکھتے رہے کہ کبھی کسی قریہ اور گاؤں میں نہ جمعہ ہوا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود علم کے کسی اہل قریہ کو حکم اقامت جمعہ کا دیا اور نہ کسی کے عدم اقامت جمعہ پر اس کو سرزنش فرمائی اور نہ استحبابًا ارشاد فرمایا: پس یہ نص

قطعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کومعلوم تھی ،جس سے آپ نے یہ شرط مصر ارشاد فرمائی ، یہ موقوف اوراثر علی نہیں ہے؛ بلکہ مرفوع ہے اعلیٰ درجہ کا اور یہ بات اہل علم پر تو ظاہر ہے؛مگر بعد اس تقریر کے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی نافہم بلید بھی اس کا انکار نہ کرے گا۔

باقی رہا یہ کہ رفع اس کا ضعیف ہے بحسب سند،سو یہ ضعف منجبر ہوگیا ،دوسری حدیث مرفوع سے اور جب دوسری احادیث صحاح سے یہ ضعف منجبر ہوگیا تو اثر مذکور ضعیف نہیں رہا؛ بلکہ حسن ہوگیا۔پس ایسی حدیث حکماً مرفوع کو ضعیف کہنا جس کی تائید دوسری حدیث صحاح کررہی ہیں،خلاف قاعدہ مقررہ اہل اصول ہے۔اب اس اثر کو ضعیف کہنا اہل علم کی شان نہیں ہے اور ثبوت شرطیت مصر واسطے اقامت جمعہ کے اسی اثر سے کافی ہے، چہ جائیکہ اور بھی بہت سی احادیث اس کی مئوید موجود ہیں۔(تالیفات رشیدیہ،ص:۳۲۹-۳۴۵)

قریہ میں جمعہ پڑھے، یا ظہر:

سوال: اگر قریہ میں جمعہ پڑھ لیوے بایں وجہ کہ احادیث میں وارد ہے اور محدثین اور شافعی صاحب رحمہم اللہ کا وہ مذہب ہے تو ہوجائے گا، یا گناہ گار ہوگا؟ اور ظہر اس کے ذمہ باقی رہے گی؟

الجواب

قریہ میں جمعہ حنفیہ کے نزدیک ادا نہیں ہوتا تو ان کے نزدیک قریہ میں جمعہ نہ پڑھے کہ ان کا جمعہ درست نہیں ہوتا اور نہ ظہر ذمہ سے ساقط ہوتی ہے اور جماعت نماز جمعہ کی نفل نماز کی جماعت ہوکر کراہت تحریمہ ہوتی ہے کہ جماعت نوافل کی ابتدا مکروہ تحریمہ ہے فقط،البتہ حسب مذہب شوافع وبعض محدثین کے جمعہ ادا ہوگیا اور ظہر ساقط ہوگئی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۴۵)

قریہ میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط ہوگا، یا نہیں:

سوال: قریہ میں عندالحنفیہ جمعہ جائز ہے، یانہ؟ اور گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط ہوجاوے گا، یانہ؟

الجواب

قال فی رد المحتار: وفیما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوزفی الصغیرة التی لیس فیها قاض ومنبر ... والظاهرأنه أرید به الکراهة لکراهة النفل بالجماعة ألا ترٰی أن فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر،الخ.(۱)

وفی باب العیدین من الدر المختار:وفی القنیة: صلاة العید فی القری تکره تحریماً أی لأنه اشتغال بما لایصح؛لأن المصرشرط الصحة.

(۱) رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الجمعة:۱۳۸/۲،دار الفکر بیروت،انیس

(قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة، الخ. (شامی)(۱)
ان عبارت سے واضح ہے کہ قریۂ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہے اور ادا نہیں ہوتا اور اگر پڑھیں تو ظہر ساقط نہ ہوگی۔
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۵)

گاؤں جس کے لوگ مسجد میں نہ سما سکیں، جمعہ کا حکم:

سوال: گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے گناہ لازم تو نہیں آتا اور ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوتی ہے، یا نہیں؟ اور وہ جو مصر کی تعریف شرح وقایہ میں لکھی ہے معتبر ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۹۴، عبدالعزیز حسین پور ڈاکخانہ کلیانہ پور ضلع جالندھر، ۱۵/شوال ۱۳۵۲ھ، ۳۱/جنوری ۱۹۳۴ء)

الجواب

اگر آپ کے موضع میں عرصے سے جمعہ جاری ہے اور متعدد مساجد؛ یعنی دو یا دو سے زائد مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلّف بالجمعہ اشخاص نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ پڑھتے رہنے میں مضائقہ نہیں اور فرض ظہر ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ شرح وقایہ کی یہ تعریف قابل عمل ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۲/۳) ☆

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب العيدين: ۱٦٧/٢، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) وعند البعض هو موضع اذا اجتمع أهله فى أكبر مساجدهم لم يسعهم فاختار المصنف، هٰذا القول وما لا يسع أكبر مساجده أهله مصر أو انما اختار هٰذا القول دون التفسير الأول، لظهور التوانى فى أحكام الشرع. (شرح الوقاية، باب الجمعة: ١٩٨/١، ط: سعيد)

☆ جواثی شہر تھا، یا قریہ:

سوال (۱) پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں ادا کیا گیا۔ یہ مقام شہر تھا، یا گاؤں؟ اگر شہر تھا تو اس کا شہر ہونا اور کس سال میں جمعہ پڑھا گیا؟ بیان فرمائیں۔

(۲) خطبہ قوم کو سنانا فرض ہے، یا مستحب؟

الجواب

متعدد اہل لغت اور تاریخ سے منقول ہے کہ ''جواثی'' شہر تھا۔ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس میں چار ہزار سے زیادہ آدمی رہتے تھے: كان يسكنها فوق أربعة آلاف نفس، آه. علامہ ابن اثیرؒ نہایہ میں لکھتے ہیں: '' جواثیٰ هو إسم حصن بالبحرين'' (اور قلعے شہروں میں ہوتے ہیں) علامہ جوہریؒ کی صحاح، علامہ زمخشریؒ کی بلدان اور سیوطی سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ ابوعبید بکری سے منقول ہے: ''إنهامدينة بالبحرين''. (إعلاء السنن، ص: ١٤)

لفظ قریہ سے شبہ نہ کیا جائے؛ کیوں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی قرآن وحدیث اور لغت سے ثابت ہے: ﴿لولا أنزل هٰذا القرآن علىٰ رجل من القريتين عظيم﴾ (الآية) ''وجواثی'' میں جمعہ وفد عبدالقیس کے آنے کے بعد پڑھا گیا۔ اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وفد عبدالقیس فرضیت حج کے بعد آیا ہے، البتہ سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واقدی نے ۸ھ قبل فتح نقل کیا ہے اور ابن اسحاق نے ۹ھ کہا ہے۔ (إعلاء السنن، ص: ١٤، انيس) ==

عدمِ جواز جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مجوزین کے شبہات اور ان کے مسکت جواب:

سوال (۱) بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت ﴿فاسعوا إلی ذکر اللہ﴾ (الآیة) سے ثابت ہو رہی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نماز جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب چھوٹے گاؤں والے فقہا کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار رہوں گے اور بموجب حکم احادیث ان کے قلوب پر مہر لگائی جائے گی۔ اب عرض یہ ہے کہ واقعی اس آیت سے ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز نکلتا ہے، یا نہ؟ اور آیت کریمہ کے حکم کے موجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوڑنے پر حنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت کے مخالف ہوں گے، یا نہ؟ یا اس آیت کا مصداق ہر قروی شہری اور گاؤں والے ہیں۔ حنفی مذہب کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

آیت مذکورہ بالا جماع عام مخصوص منہ البعض ہے؛ کیوں کہ جنگلات اور ایسی آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں، اتفاقاً جمعہ جائز نہیں تو آیت شریفہ میں عموم امکنہ کا مراد ہونا منتفی ہوگیا۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات پر ہوگا، جس کی تعیین حنفیہ نے ''حدیث علی رضی اللہ عنہ'' سے کی ہے، جو کہ مرفوع حکمی ہے۔ پس آیت مذکورہ سے ہر مقام پر فرضیت جمعہ ثابت نہ ہوگی، لہٰذا احناف ترک جمعہ فی القریٰ کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ آیت کا خطاب صرف اہل مصر کو ہے۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو، اذان سنتے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو؛ لیکن محل اذان جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام پر دی جاتی ہے اور کس مقام پر نہیں۔ پس آیت مذکورہ سے جمیع امکنہ میں وجوب جمعہ پر استدلال کرنا غلط ہے۔

(۲) بخاری شریف (۵۵۹/۱-۵۶۰) کی اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از ہجرت قبا میں جملہ چودہ دن مع رات سکونت فرمائی تھی، پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چناں چہ:

عن أنس بن مالک قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینة نزل فی علو المدینة فی حی یقال لهم بنو عمرو بن عوف فأقام فیهم أربع عشرة لیلة. (الحدیث)(۲)

اور اہل سیر لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام وہاں صرف چار دن (دوشنبہ سے پنج شنبہ تک) رہا اور بروز جمعہ وہاں سے آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا اور وہاں چار

== (۲) نفس خطبہ شرائط جمعہ سے ہے، بایں معنی کہ خطبہ کا ہونا ضروری ہے، کسی کو سنے، یا نہ سنے۔ ''ویشترط لصحتها سبعة أشیاء (إلی قوله) والرابع الخطبة فیه فلو خطب قبله وصلی فیه لم تصح، آه''. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۲/۶/۱۳۹۹ھ۔ الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۴۳/۳)

(۱) صحیح البخاری، باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ سلم وأصحابه إلی المدینة: ۵۵۹/۱، قدیمی

آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی اور أشعة للمعات ترجمہ مشکوٰۃ (۵۶٦/۱) میں جناب مولانا عبدالحقؒ راقم ہیں:

''چہ اول جمعہ کہ گزادہ بعداز قدوم بمدینہ بود''۔

ہٰکذا کتاب مبسوط (۱۷/۱۱) پر یوں ہے:

''ولهٰذا جهر في الجمعة والعيدين (إلٰی قوله) بها قوة الأذٰی. (۱)

اب عرض یہ ہے کہ مبسوط واشعۃ اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جمعہ اول بعداز ہجرت مدینہ میں پڑھا اوراس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا اور اہل سیر کی روایت اس کے خلاف ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جمعہ قبا میں پڑھا۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات وعبارات میں سے کون سی مستند اور قابل وفائق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا، قبا میں، یا بنوسالم میں، یا مدینہ میں جاکر جمعہ پڑھا اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے ثابت کرکے اپنی تصنیفات میں یوں راقم ہیں، چناں چہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب ''أوثق العریٰ'' اور حضرت شیخ الہندؒ ''احسن القریٰ'' میں لکھ گئے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے؛ مگر آپ نے وہاں دونوں جمعہ نہیں پڑھے۔ ان کا یہ لکھنا اور فرمانا مذکورہ بالا حدیث بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے، یا نہ؟ اگر ان کا یہ فرمانا صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ انہوں نے مذکورہ حدیث سے یہ مضمون کیسے لیا ہے؟ اور مذکورہ بالا روایت کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں؛ کیوں کہ اس روایت میں تو صرف عدد ایام کا ذکر ہے؟ باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ بنوسالم میں ادا فرمایا ہے، بنوسالم مدینہ منورہ کا ایک محلّہ ہے (بستی نہیں)۔ اس پر محدثین اور اہل سیر کا اتفاق ہے، جب بنوسالم مدینہ منورہ کا ایک محلّہ ہے تو أشعة اللمعات، مبسوط، اہل سیر کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہ رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں (۲) اکابر دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث ''فأقام فيهم أربع عشرة ليلة'' (۳) سے بھی استدلال کی ہے کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوچکی تھی اور بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ روز قیام کیا، جس میں ایک

(۱) المبسوط للسرخسي: ۲۹/۱، دار المعرفة بيروت، انيس

(۲) ومن ادعٰی فعليه البيان

(۳) عن أنس بن مالک قال: لما قدم رسول الله صلی الله عليه وسلم المدينة نزل في علو المدينة في حي يقال له بنو عمرو بن عوف، قال: فأقام فيه أربع عشرة ليلة، الخ. (صحيح البخاري، باب مقدم النبي صلی الله عليه وسلم وأصحابه الی المدينة: ۵۵۹/۱-۵٦۰، قديمي، انيس)

جمعہ یقیناً آیا ہوگا؛ لیکن قبا میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں؛ بلکہ اس کے برخلاف اہل سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ (محلّہ بنی سالم) میں پڑھا گیا ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قبا جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ اس کی صحت کے لیے شہر کا ہونا ضروری ہے، ورنہ قبا میں ترک جمعہ کی نوبت نا آتی۔

(۳) غیر مقلدین نے اس حدیث ”لا جمعة و لا تشريق“ (الحديث) پر تبصرہ کیا ہے اوراس کے انہوں نے پندرہ جواب دیئے ہیں۔ اول جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ سے عندالمتقدمین ثابت نہیں اوراس کی سند ضعیف اورنا قابل احتجاج ہے، البتہ موقوفاً اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے، یا نہ؟ اگران کا یہ جواب صحیح ہے تو پھران کے جواب کا کون سا جواب ہے؟

الجواب

روایت بالا موقوفاً قطعاً صحیح ہے او غیر مدرک بالراء ہے، لہذ اُحکماً مرفوع ہوئی، پس بلا شبہ قابل احتجاج ہوگی۔

وفی عمدة القاری: ۲٦٤/۳: فإن قلت قال النووی حديث علی رضی الله عنه ضعيف متفق علی ضعفه وهو موقوف عليه بسند ضعيف منقطع؟ قلت: كأنه لم يطلع إلا علی الأثر الذی فيه الحجاج بن أرطاة ولم يطلع علیٰ طريق جرير عن منصور فإنه سند صحيح ولو اطلع لم يقل بما قاله وأما قوله متفق علی ضعفه فزيادة من عنده ولا يدری من سلفه من ذلک. (۱)

علاوہ ازیں امام ابوزید دبوسی نے ”اسرار“ میں نقل کیا ہے کہ!

”إن محمد بن الحسن قال: رواه مر فوعاً معاذ وسراقة بن مالک رضی الله عنهما“.

تو امام محمد مجتہد ہیں، ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں حجت بن سکتا ہے۔ نیز امام خواہر زادہ نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابو یوسف نے امالی میں حدیث ہذا کو مرفوعاً مسنداً بیان کیا ہے، پس بہر تقدیر حدیث علیؓ قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین اسے ضعیف قرار دینا جہالت ہے۔

(۴) غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث طبقہ ثالثہ سے ہے، جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ وہ طبقہ اولیٰ وثانیہ کی حدیثیں ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ”عجالۂ نافعہ“ میں لکھا ہے کہ!

”وکتب آنہا در شہرت وقبول در طبقہ اولی ثانیہ نرسیدہ“۔

(یعنی طبقہ ثالثہ کی کتب مشہور اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ وثانیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔)

نیز یہ لکھا ہے کہ!

”اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند؛ بلکہ اجماع بخلاف آں منعقد گشتہ“۔

(۱) عمدة القاری، باب الجمعة فی القریٰ والمدن: ٤١/٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(یہ قول ہمارے دلائل قطعیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس کا جواب فرمائیے۔)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

روایت بالا (حدیث علیؓ) قرآن، یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ معارضہ کا سوال پیدا ہو۔ شاہ صاحبؒ کی عبارت کا مطلب اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ طبقۂ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کو نہیں پہنچتیں تو اس سے اور اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کتب کی تمام احادیث مردود ہیں اور ان کی کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے، خواہ اس کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھئے کہ احتجاج کا مدار صحت سند اور دیگر شرائط معتبرہ عندالمحدثین پر ہے، خواہ کسی کتاب میں ہو، لہٰذا حدیث علی کو صحت سند کے باوجود صرف اس وجہ سے نا قابل اعتبار اور ساقط قرار دینا محض جہل اور ناانصافی ہے۔

(۵)　غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریر راوی وارد ہے، جس کو اخیر وقت میں وہم ہوگیا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ روایت انہوں نے کس حالت میں بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ بعد از وہم بیان کی ہو تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ روای ہے، جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے؛ کیوں کہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول ہیں جواب فرمائیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

حدیث علی موقوفاً بلا شبہ صحیح اور قابل استناد ہے، جیسا کہ محققین واہل فن نے اس کی تصریح کی ہے، چناں چہ علامہ عینی کی تصحیح عمدۃ القاری سے ہم جواب نمبر:۳ میں نقل کر چکے ہیں کہ طریق جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "**فإنه سند صحيح**" اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی نے "درایۃ" میں فرمایا ہے کہ "**إسناده صحيح**"، یہ حدیث مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے، جس کی سند یہ ہے:

رواه عبد الرزاق في مصنفه عن الثوري عن زبيد الأيالي عن سعيد بن عبيدة أبي عبد الرحمن السلمي عن علي قال: "لا جمعة، إلخ".

لیجئے اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں، جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں، نیز علامہ ابن حزمؒ نے بھی "محلی (۵۳/۵)" میں حدیث ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔ هٰذا نصه:

فقد صح عن علي: "لا جمعة ولا تشريق، الخ". (۱)

پس محققین کا حدیث مذکور کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لیے حجت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ کی تعیین کے بارے میں خلجان ہورہا ہے تو محض تعصب کی بنا پر ہے۔ ان اعلام نے رواۃ کی معرفت اور پوری تحقیق وتفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

(۱)　المحلى بالآثار، مسئلة المسافر والمقيم والعبد والحر سواء: ۲۵۶/۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۶) حدیث بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اور احادیث مرفوعہ کے خلاف ہے، جب قول صحابی حدیث کے خلاف ہو تو متروک ہوتا ہے۔ "فتح القدیر: **قول الصحابی حجة فیجب تقلیده عندنا إذا لم ینفه شیئ آخرین السنة**"(۱) میں ہے کہ قول صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلاف حدیث نہ ہو۔

الجواب

یہ حدیث علی آیت اور احادیث مرفوعہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے، **کما بینا و من ادعی فعلیه البیان** ۔خط کشیدہ احادیث مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہیے، نہ کہ ہم سے۔

(۷) حدیث مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ قول متروک الظاہر ہے؛ کیوں کہ بظاہر نفی جمعہ کی ہے، حالاں کہ مراد نماز ہے؟

الجواب

جب حدیث علی میں بالا جماع قطعی طور پر نماز جمعہ ہی مراد ہے اور یوم جمعہ کی نفی کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

(۸) غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر: ۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرض عین ہے، جس کا ثبوت قطعی ہے اور شہر کی شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ ظنی ہے اور دلیل ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ "**شرط الفرض لایکون إلا فرضاً**" اصول مسلمہ ہے، آہ۔ براہ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں؟

الجواب

آیت شریفہ ﴿**إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا**﴾ بالا جماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آ گئی۔ اب خبر واحد حدیث علی رضی اللہ عنہ: "**لا جمعة**..." سے اس کی تخصیص درست ہوئی، جیسا کہ پہلے استفتا کے جواب میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

(۹) غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر: ۷ یہ دیتے ہیں کہ قول علی: "**لا جمعة**" جو وارد ہے، اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لیے احادیث نبویہ میں بکثرت وارد ہے، آہ۔ جواب محقق لکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی مؤیدات میں جو روایات ہوں، وہ بھی لکھیں؟

الجواب

حدیث "**لا جمعة**" الخ خود مرفوع حکمی ہے۔ گویا کہ خود فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس تائید کی کیا حاجت ہے؟ کیا ایک حدیث کا قابل عمل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ کوئی دوسری حدیث بھی اس کی مؤید ہو۔ اگر نہیں

(۱) فتح القدیر، باب الجمعة: ۲/۶۴، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

تو اس حدیث ''لا جـــمـــعة''، میں خصوصیت کیا ہے؟ علاوہ ازیں چند احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جن سے حدیث مذکور کی تائید بھی ہوتی ہے۔

(۱)　آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں جمعہ ادا نہیں فرمایا، حالاں کہ آپ نے وہاں چودہ روز قیام فرمایا،(۱) اور مدینہ منورہ میں تشریف لاکر جمعہ ادا فرمایا۔

(۲)　باوجودیکہ مدینہ منورہ کے اردگرد دور دور تک اسلام پھیل چکا تھا؛ لیکن کسی جگہ مدینہ کے علاوہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک کے مدت بعد'' جواثی'' میں جمعہ قائم کیا گیا۔

(۳)　جب صحابہ کرامؓ نے ممالک فتح کیا تو صرف شہروں ہی میں جمعہ کی ادائیگی کا انتظام کیا گیا، **کما صرح به غير واحد.**

(۱۰)　غیر مقلدین مذکورہ حدیث کا جواب نمبر:۸ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا یہ حکم سیاسی تھا شرعی نہ تھا ؛ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بغاوت اور فسادات شروع تھے، انہوں نے جمعہ اور عید کا حکم شہریوں میں کردیا؛ تاکہ خطبوں میں کوئی باغیانہ تقریر نہ کرسکے، آہ۔

اس کا جواب مفصل لکھنے کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیا حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں یہ حکم شہریوں کے لیے کیا تھا، یا اپنی خلافت سے پہلے فرمایا تھا۔ عبارات سے مدلل کریں؟

الجواب

بقول غیر مقلدین اگر دیہات میں جمعہ فرض تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خلیفہ راشد سیاسی مصالح کی بنا پر ایک فرض قطعی کی ادائیگی کو ممنوع قرار دے دے، حاشا وکلا یہ تو ایک فاسق وفاجر حاکم اور بادشاہ بھی نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

اور کیا خیر القرون میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اس کثرت کے باوجود اس امر شنیع کے وقوع کا امکان بھی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے اس کمزور درجے تک پہنچ چکے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرائض میں قطع وبرید کریں اور کوئی نکیر نہ کرے۔ الحاصل یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا۔

(۱۱)　غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر:۹ یہ دیتے ہیں کہ پھر یہ قول حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے۔ بایں طور کہ ردالمحتار (۲/۵۲۷) میں ہے کہ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہا کے نزدیک

---

(۱)　عن أنس بن مالک قال لما قدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة نزل فی علو المدینة فی حيٍ یقال لهم بنو عمرو بن عوف قال فأقام فیهم أربع عشرة لیلة الخ. (صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب مقدم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأصحابه المدینة: ۵۵۹/۱ـ ۵۶۰، قدیمی، انیس)

وہاں جمعہ درست ہے،اب یہ دلیل بے کار ہوئی اور شہر کی شرط نہ رہی،آہ۔اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب

جزئیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو یہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے۔عجیب فہم ہے،خدا ہدایت فرمائے۔نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا۔(کما في الشامية: ۷۲۸/۲)(۱)

(۱۲) غیر مقلدین جواب نمبر:۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی شرح بخاری،ص:۴۶ میں ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود وقصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہو جائے گا،جس میں جمعہ جائز ہوگا،جب نائب کو معزول کر دے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا۔پس دراصل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے،شہر کی شرط لغو ہے،آہ۔ان کے اس جواب کا جواب بالجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں؟

الجواب

بشرط صحت نقل جزئیہ ہذا کا بھی وہی جواب ہے،جو اس سے پہلے میں مذکور ہو چکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود وقصاص کے اجرا کے لیے اپنے نائب کو بھیجنا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے۔پس اس گاؤں میں جمعہ بلا شبہ جائز ہوگا؛ کیوں کہ صحت جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت کا مصر ہونا) یہاں متحقق ہے،اگر چہ حکماً ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین حدیث مذکور کے متعلق جواب نمبر:۱۱ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں مصر جامع کی شرط ہے۔مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے،اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا۔قریب تیس اقوال درج ہیں،جو سب متضاد ہیں۔بعض تعریف ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ،بمبئی،دیوبند،سہارنپور،کراچی،لاہور،حیدرآباد،ملتان وغیرہ میں بھی جمعہ جائز نہیں رہے گا،چناں چہ ہدایہ میں ہے کہ مصروہ ہے،جہاں امام اور والیٔ ملک ہو،جو احکام شرعیہ نافذ کرے اور حدود قائم کرے۔کیا خوب شرط ہے۔گویا اس دن جامع مسجد میں مجرم لوگ جمع ہوں گے،جن پر مقدمات چلائے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔بہر حال یہ شرط مفقود ہے تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہندو پاک میں ناجائز ہے اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تیس گھر آباد ہوں۔(دیکھو ہدایہ مع الکفایہ،فتح القدیر،عمدۃ الرعایۃ،کبیری شرح منیۃ المصلی)ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔اس آخری تعریف کی رو سے ہر بستی میں جمعہ جائز ہو جائے گا؛کیوں کہ اکثر دیہات کی آبادی تیس گھر،یا اس سے زائد ہے،"لا قليل والقليل كالعدوم"۔اس

(۱) تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق فيها قال أبو القاسم:هٰذا بلاخلاف إذا أذن الولي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة؛لأن هٰذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه.رد المحتار، باب الجمعة:۱۳۸/۲،دارالفكر بيروت،انيس)

تعریف کو حنفی تو حقیر تصور کرتے ہیں اوراس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں، ورنہ اختلاف رفع نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس فرض الٰہی پر لوگ لڑتے جھگڑتے رہیں گے، جن کا فیصلہ کوئی نہ کر سکے گا تو پھر یہ پیشن گوئی بھی سچی ہو جائے گی، جو حدیث میں ہے کہ ''**تظهر الفتن حتٰى يختلف الاثنان في الفريضة لا يجدان من يقضي بها**''(۱) تو یہ اختلاف ایسا ہے کہ جمعہ فرض عین بالا جماع ہے؛ مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا۔ اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں، خواہ عرب ہو یا عجم ،منصف نایاب؛ کیوں کہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا حصر کرنا ہوتا تو شرعی طور پر اس کی تعریف کی جاتی؛ مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وارد نہیں، لہٰذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا بکواس کا مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب

مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں شہر کے ہیں اور شہر، گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے، جسے عوام وخواص عالم، جاہل، بچے، بوڑھے،سب جانتے ہیں، چناں چہ سفیان بن ثوریؒ فرماتے ہیں:

''**المصر الجامع مايعده الناس المصر عند ذكر الأمصار المطلقة كبخارى أو سمرقند،إلخ**''.(۲)

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا نہ عرب میں مل سکتا ہے، نہ عجم میں، محض بے ہودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریفات کا تعدد اور اختلافات، سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں۔ اولاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب ابوحنیفہؒ سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے، اگرچہ بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے:

''**أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر علٰى انصاف المظلوم من الظالم بحشمة وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح**''. (نقله الشامي عن التحفة: ۷۴۸/۱)(۳)

یہی ظاہر مذہب ہے۔

''**وبه أخذ أبويوسف وهوظاهر المذهب،كما في الهداية واختاره الكرخي والقدوري وفي العناية هوظاهر الرواية وعليه أكثر الفقهاء،إلخ**''.(۴)

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے، باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ ہیں۔ اگر تعریف مذکور کی طرف راجع نہ ہوسکیں تو بمقابلہ قول صاحب مذہب مرجوع قرار پائیں گی، پس تعدد واختلاف مضر نہیں۔

(۱) المستدرك على الصحيحين، كتاب الفرائض: ۳۶۹/٤،انيس

(۲) حاشية عمدة الرعاية علٰى شرح الوقاية: ۲٤۰/۱،قديمي،انيس

(۳) رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۴) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،باب صلاة الجمعة،ص: ۵۱۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

ثانیاً: اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف کی سی ہے۔ درجہ معنوں میں کوئی اختلاف نہیں، پس تعدد مضر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تعریف پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے؛ کیوں کہ تنفیذ احکام سے مراد بالفعل تنفیذ نہیں؛ بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے، **کما فی الطحطاوی والشامی وغیر ذالک**. پس یہ اعتراض ساقط ہے اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے، اس میں ''**یقدر**'' کی تصریح ہے، پس تعریف مصر میں کوئی اشکال نہیں۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

(۱۴) غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر:۱۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید پڑھنے کی بھی نفی ہے، حالاں کہ وہ شعار اسلام ہے، جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی قائم ہونا ضروری ہے، چناں چہ بخاری شریف (۱۳۴/۱) میں ہے:

''**ومن كان فى البيوت والقرىٰ لقول النبى صلى الله عليه وسلم هٰذا عندنا ياأهل الإسلام**''.(۱)

اور ایک باب یوں منعقد کیا ہے: ''**باب العيد لأهل الاسلام**''، اسی کے ماتحت یہ حدیث مذکور ہے: ''**يا أبابكر إن لكل قوم عيداً أوهٰذا عيدنا**'' پھر لکھا ہے: ''**باب إذا فاتت العيد**'' میں کہ انس بن مالکؓ نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو حکم دیا کہ زاویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کرو۔ اس نے جمع کیا تو حضرت انسؓ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تکبیریں کہیں۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھیں، جیسے امام پڑھائے۔ حضرت عطاء نے کہا کہ اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتویٰ حنفیہ کا کہ جو شرط اور حکم جمعہ کا ہے، وہی عید کا ہے، یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز نہیں؛ لیکن عید کی نماز صحرا میں جائز ہے اور اس کی قضا ہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جا سکتی ہے، فتدبر۔

جناب عالی:

مہربانی فرما کر اس جواب نمبر:۱۲ پر بھی غور فرما کر اس کے ہر ایک فقرہ کا بھی محقق اور مسکت جواب دیں؟

الجواب

احناف عید اور جمعہ کے تماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں، مثلاً عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے، خطبہ جمعہ کے لیے شرط ہے، نہ کہ عید کے لیے۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید و جمعہ ہر دو کے لیے شرط ہے۔ دلیل اس کی وہی حدیث حضرت علیؓ ہے، جس کی قبل ازیں تحقیق ہو چکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے۔ سابقہ جوابات میں یہ بتایا گیا کہ حدیث ''**لا جمعة**'' مرفوع حکمی ہے تو اس کے منطوق اور عبارت النص کے مقابلہ میں ''**هٰذا عيدنا ياأهل الاسلام**'' یا نیز ''**ياأبابكر إن لكل قوم عيداً، إلخ**'' سے وجوب عید فی القریٰ کا استنباط اور اجتہاد قابل قبول نہیں؛ کیوں کہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اضافت قوم کی طرف سے اس سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی حیثیت سے تو کسی درجہ میں

(۱) صحيح البخارى، كتاب العيدين، باب اذا اقامة العيد يصلى ركعتين، انيس

مفہوم ہوسکتا ہے؛ لیکن ہر ہر فرد پر وجوب عید یہ اس سے ہرگز نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہؓ کے قول کو بھی حدیث صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابل اسنادنہیں گردانا جائے گا، لظهور ترجيح المرفوع على الأثر المقطوع اور حضرت عطاء کا فرمانا: مانحن فيه سے خارج ہے، كما هو الظاهر ۔ رہا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زاویہ میں عید پڑھنا، سواولاً تو یہ مفید وجود نہیں، ممکن ہے بطور نفل عید کے طریقہ پر ویسے دو رکعت ادا کی ہوں، جیسا کہ بعض سلف فائت العید، یا عاجز کے لیے دو رکعت، یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جو ابھی ابھی گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالراء سے تو یہ موقوف ہے اور حدیث علی رضی اللہ عنہ مدرک بالراء نہیں، وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقت تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی، پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ عید کے لیے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۵)　غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر: ۱۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول "لا جمعة" میں جیسے جمعہ کی نفی ہے، ایسے ہی قربانی کی بھی نفی ہے، حالاں کہ قربانی سب دیہاتی حنفی کر رہے ہیں۔ قربانی کی نفی دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا، چوں کہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں؛ اس لیے عید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں اور تشریق میں دونوں کی نفی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نماز عید ہے، تب بھی قربانی کی نفی ہے؛ کیوں کہ قربانی نماز عید کے تابع ہے، نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں، چناں چہ حدیث میں ہے:

"عن البراء قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال: إن أول ما نبدأ من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد أصاب سنتنا ومن نحر قبل الصلاة فإنما هو لحم يقدمه لأهله". (۱)

دوسری حدیث بخاری کتاب العید میں ہے:

"عن أنس رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم من ذبح قبل الصلاة فليعد". (۲)

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے؛ بلکہ نماز عید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھائے۔ حدیث میں ہے:

"ولا يأكل يوم النحر حتى يصلي".

(جب نماز ہی نہ پڑھی گئی تو قربانی کاہے کی کرنی ہے۔)

اور قرآن سے بھی ثابت ہے، چناں چہ سورۂ کوثر میں ہے:

﴿فصل لربك وانحر﴾

(۱)　صحيح البخاري، كتاب الأضاحي، باب الذبح بعد الصلاة: ۸۳۴/۲، قديمي، انيس

(۲)　صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الأكل يوم النحر: ۱۳۰/۱، قديمي، انيس

پس جو لوگ بغیر عید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تیرہ جوابات حنفیہ کی اس بڑی دلیل کے ہیں، لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کریں اور جمعہ وعیدین جیسے شعار اسلام کو ضائع کر کے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔

جناب عالی:

حضرات غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کے قول ''**لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة** ''(۱) کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کر کے اکڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس چوں کہ اتنی کتابیں نہ تھیں کہ ان سے ان کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے؛ اس لیے آپ کی طرف سے روانہ کرتے ہیں۔ ریزہ ریزہ کر کے صحیح جواب تحریر فرمائیں، نہایت مہربانی ہوگی۔

الجواب

حدیث ''**لا جمعة**'' میں نفی تشریق سے مراد تکبیر تشریق کی نفی ہے، نہ کہ قربانی یا نماز عید کی نفی؛ کیوں کہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں مصرح ہے: ''**ولا اضحى**)''. پس اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث: ''**عن البراء قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال: إن أول ما نبدأ من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد أصاب سنتنا**''(۲) اور حدیث ''**عن أنس رضي الله عنه قال النبي صلى الله عليه وسلم: من ذبح قبل الصلاة فليعد**'' (۳) وغیرہ احادیث سے یہ استدلال کرنا جن پر نماز عید واجب ہے، ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے، بالکل بے محل اور غلط ہے۔ احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید قربانی ہر دو واجب ہیں، ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتباً ادا کریں؛ یعنی پہلے نماز عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ بس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کا تائید میں احادیث بالا سے تشبث کرنا بھی درست نہیں، پس متعصب معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور دینا مردود ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خواہش پرستی سے نکال کر تقلید شریعت کی توفیق بخشیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۸۰/۴/۱۷ھ۔ الأجوبۃ صحیحۃ: عبد اللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۸۰/۴/۱۸ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۵۰-۶۲)

قائلین جمعہ فی القریٰ کے دو مغالطوں کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں آپ کے قائلین جمعہ فی القریٰ کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لیے چند شرائط ہیں، جو کہ فقہائے کرامؒ نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، رقم الحديث: ۵۰۵۹، انيس

(۲-۳) صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الأكل يوم النحر: ۱/۱۳۰، قديمي، انيس

ہےاوران میں سے اگرایک، یادوشرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو بھی بلاچوں وچراجمعہ جائز ہے؛ کیوں کہ ایک، یادوشرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے،اس کی امثلہ بہت مل سکتی ہیں،مثلاً قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنا شرط ہے،اگرکسی نے تحری کرکے نماز ادا کرلی تو نماز ہوجائے گی،حالاں کہ فقدان شرط ہےاورحکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے،قضانہ کرےاوراس بات کی تائیداس سے بھی ہوتی ہے،مثلاً جمعہ کی صحت کے لیے تنفیذ حدود شرط ہےاور دور حاضرہ میں کہیں ایسا نظرنہیں آ رہاہے کہ حدودشرعیہ جاری ہوں،باوجوداس کے عدم قائلین جمعہ فی القریٰ بھی فتوے دیتے ہیں کہ مصرمیں جمعہ پڑھواوراس پرعمل ہورہاہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کےفقدان سےفرضیت ساقط نہیں ہوتی ہےاور یہ بھی دیکھا گیاہے کہ ''إذا فات الشرط فات المشروط''کا قانون عام نہیں ہے۔

(۲) بیہقی شریف میں ایک حدیث آتی ہے:''عن طارق بن شهاب الجمعة حق واجب على كل مسلم'' (۱)مرفوع ہےاور''عن علي رضي الله عنه قال:لاجمعة ولا تشريق ولاصلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أومدينة عظيمة'' (۲)یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہےاورحدیث مرفوع اورقول صحابی کااگرتعارض ہوتو حدیث مرفوع کوترجیح ہوتی ہے،چناں چہ فتح القدیرمیں ہے:

''قول الصحابي حجة فيجب تقليد ه عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنة''.(۳)

الجواب ــــــــــــــــــــ

افسوس اس بات پر ہے کہ ہرصاحب مدعی اجتہاد ہوکراپنے قیاس کے ساتھ محکم احکام شریعت کوردکرنے کے لیے تیارہوجاتے ہیں۔واضح رہے کہ جمعہ کے شرائط دوقسم ہیں:بعض شرائط وجوب ہیں اوربعض شرائط صحت۔شرائط وجوب فوت ہوجائیں توجمعہ واجب نہ ہوگا؛مگرادا کرنے سے جمعہ اداہوکراس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا،مثلاً اعمی،اعرج،مسافر پرجمعہ واجب نہیں؛لیکن اگر یہ حضرات جمعہ اداکرلیں توجائز ہوجائے گا۔دوسرے شرائط صحت ہیں،ان کےفوت ہونے پر یہ حکم ہے:''إذافات الشرط فات المشروط''. اسی طرح یہ حکم ''فات الشرط'' عام ہے۔پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں:''إذا فات شرط الجواب فات الوجوب دون الصحة''. بہرحال مصرہوناشرائط صحت میں سے ہے،اگرمصریت نہ ہوگی توجمعہ صحیح نہ ہوگااورجوآپ نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لیے تنفیذ حدودبھی شرط ہے،یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذ حدود بالفعل ہوناضروری ہے۔فقہاء نے تو یہ لکھاہے کہ!

''المصرعند أبي حنيفة كل موضع له مفت وأمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود''. (نور الإيضاح)(۴)یہ مصرکی تعریف ہے۔

---

(۱) سنن أبو داؤد،باب الجمعة للمملوك والمرأة:۱/۱۶۰،مكتبة حقانية،انيس

(۲) مصنف ابن أبي شيبة،من قال:لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع،رقم الحديث:۵۰۵۹،انيس

(۳) فتح القدير، كتاب الصلاة،باب الجمعة:۲/۶۴،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۴) باب الجمعة:۱/۱۱۶،مكتبة رحمانية،انيس

وفی الشروح: المراد به القدرة علٰی ذلک، کما صرح به فی التحفة.

''إقامة الحدود'' سے مراد إقامة بالقوة ہے، نہ بالفعل۔ پس مصرکو قیاس کرنا اقامت حدود پر صحیح نہیں۔

(۲) یہ روایت ''عن طارق بن شهاب الجمعة حق واجب علٰی کل مسلم''. (رواه أبو داؤد) (۱) مخالف روایت ''عن علی رضی اللّٰه عنه قال: لاجمعة ولاتشریق ولاصلاة فطرٍ ولاأضحٰی إلا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة'' (۲) والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اول آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں، تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ عن طارق بن شهاب الجمعة حق واجب علٰی کل مسلم. (أبو داؤد) (۳) میں مسلمانوں پر جمعہ کا فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث ''لا جمعة ولاتشریق'' میں ایک شرط صحت جامعہ بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ بلکہ ہر ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا ''الجمعة حق علی کل مسلم'' سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لیے جماعت بھی ضروری نہیں؛ کیوں کہ ''علی کل مسلم'' میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے تو کیا اس حدیث کی بنا پر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر وحضر میں تنہا جمعہ قائم کرسکتا ہے، خطبہ و جماعت کی بھی ضرورت نہیں ہے تو کیا اس کا دعویٰ صحیح ہوگا؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کرلیا اور پھر اپنی رائے سے ترجیح بھی دے دی، حالاں کہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، ۲۴/۱/۱۳۷۷ھ۔

جواب صحیح ہے:

استفتاء میں جواز جمعہ فی القریٰ کی تائید میں چند امثلہ ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلہ شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحری پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جواز جمعہ کے لیے مصر شرط ہے اور اس کے فقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو فہم سلیم عطا فرمائے اور وہ موقوف ہے فناء دعویٰ پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ، مہتمم خیر المدارس ملتان، ۲۴/۱/۱۳۷۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۷۷)

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونتی آبادی نہ ہو، وہاں جمعہ جائز نہیں:

سوال: بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں؛ مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں، چند دیہاتوں کے درمیان

(۱) سنن أبو داؤد، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/۱۶۰، مکتبة حقانیة، انیس

(۲) مصنف ابن أبی شیبة، من قال: لاجمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع، رقم الحدیث: ۵۰۵۹، انیس

(۳) سنن أبو داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوک والمرأة: ۱/۱۶۰، مکتبة حقانیة، انیس

بازار ہے، دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں، اس مقام پر جمعہ صحیح ہے، یا نہیں؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی؟ (حضرت مفتی رشید احمد صاحب، دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی)

الجواب ــــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں، البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ اتنے لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں، جن کی آبادی ومکانات کو عرفاً بستی وقریہ کہا جا سکے اوران کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منی کی تھی تو جمعہ جائز ہوگا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شرنبلالیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''وبلغت أبنيته أبنية منى، آه. (۱) معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے حضرات شیخین منیٰ میں ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہا ہے، اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ بازار و مستقل آبادی جائز کہا جائے گا، جب کہ اتنی آبادی پائی جائے، مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے، جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کئی دیہاتوں کے درمیان چشمہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں اور چشموں پر جمعہ بالاجماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے:

''أنهم مجمعون علىٰ أن الجمعة لاتجوز في البوارى ومناهل الأعراب'' آه. (۲)

نیز صحت جمعہ کے لیے استیطان اقامت باتفاق ائمہ اربعہ شرط ہے، (كما في الأوجز) اوراس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے؛ کیوں کہ اقامت شب باشی سے متحقق ہوتی ہے، کمافی حاشیۃ المراقی:

''أن موضع إقامة المرء حيث يبيت فيه ألاترىٰ إنك إذاقلت لشخص: أين تسكن؟ فيقول: في محلة كذا وهوبالنهار يكون بالسوق، نقله السيد عن العلامة مسكين، آه''. (۳)

مسئلہ زیر بحث میں شاید جزئیہ ذیل سے بھی تمسک ہو سکے۔

''عسكر المسلمين إذا قصدواموضعًا ومعهم أخبيتهم وخيامهم وفسطاطيطهم فنزلوامفازة في الطريق و نصبواالأخبية والفساطيط وعزموا فيها علىٰ إقامة خمسة عشريوماً لم يصيروا مقيمين لأنهاحمولة وليست بمساكن، كذافي المحيط. (عالمكيرى: ۷۲/۱) (۴)

کیوں کہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام منتفی ہے تو خاص بھی منتفی ہوگا اور لیست بمساکن کی علت مقام زیر بحث کو بھی شامل ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان، ۲/۲/۱۳۹۹ھ بروز منگل۔ (خیر الفتاویٰ: ۷۹/۳)

(۱) نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۱۱٦، مكتبة رحمانية، انيس

(۲) أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة: ۳۳۷/۵، مكتبة بيروت، لبنان، انيس

(۳) حاشية الطحطاوى على المراقى، باب صلاة المسافر، ٤۲٦، انيس

(۴) الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱۳۹/۱، انيس

حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل سوالات میں:

(۱) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا، وہ کون سا دن تھا؟ جمعہ کا دن تھا، یا کوئی دوسرا دن؟ اگر جمعہ تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی، یا ظہر کی نماز باجماعت ادا فرمائی تھی؟

الجواب

یہ دن جمعہ کا تھا؛ لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا؛ بلکہ نماز ظہر ادا کی گئی تھی۔ امر اول کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو بخاری شریف (۱/۱۱) میں مذکور ہے اور امر دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف (۱/۲۲۵) میں موجود ہے۔

(۲) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ پڑھا تھا اور فرض ظہر باجماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا؟ اور کس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر فرض پڑھے؟ مہربانی کر جواب مدلل لکھیں؛ یعنی یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا، یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل اقامت جمعہ کے لیے نہ تھا؟ نیز حجۃ الوداع والے واقعہ میں حجاج کی کتنی مردم شماری تھی؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں؛ اسی لیے جمعہ نہیں پڑھا گیا، ترک جمعہ کا سبب مسافر ہونا نہ تھا؛ کیوں کہ حجاج میں سے بہت سے مکی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقین ہوگا؛ لیکن کسی سے بھی یہ پڑھنا ثابت نہیں، نہ مسافرین سے اور نہ مقیمین سے، ومن ادعی فعلیه البیان. نیز اہل ظاہر تو مسافر پر بھی وجوب جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترک جمعہ بوجہ سفر کا قول کرنا بھی ممکن نہیں، لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں، نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے، روایت مختلف ہے۔

(۳) بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں جمعہ چھوڑا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے، نہ اس وجہ سے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہ تھا۔ یہ وجہ ہرگز نہ تھی؛ بلکہ وہ محل اقامت جمعہ نہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا بالکل صحیح ہے، یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں؟

الجواب

اس کا جواب سوال نمبر:۲ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

(۴) اوپر والے بعض علما میں سے بعض جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر

فرض نہیں ہے؛لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہوجاتا ہے، پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہوجاتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ہے، ملتا ہے اور یہ بھی سب کے ہاں مسلم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے جمعہ کو کیوں چھوڑا۔ وجہ بیان کیجئے تو اس سے صاف صاف یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا؛ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اول بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے، یا نہ؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک ترک جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں اور یہی صحیح ہے۔

(۵) اگر کسی مسئلہ میں اہل سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہوجائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے؟ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو عملاً چھوڑ کر اہل سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر گنہگار رہوگا، یا نہ؟

الجواب

جب تک روایت مسئولہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آجائے، حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا؛لیکن عام حالات میں قابل اعتماد بخاری کی روایات ہوں گی، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے۔ بخاری شریف کی روایت سے مدت قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی اور سیر کی روایت ناقابل اعتبار۔

(۶) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعہ پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے، یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں، جہاں جمعہ قائم کیا؟ اور وہ محل اقامت تھے، یا نہ؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

سفر ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ بلا شبہ کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا، یا وہ محلّہ مدینہ عالیہ کا تھا، یا میدان جنگل تھا؟ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریہ صغیرہ تھا، یا کبیرہ؟ اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی؟

الجواب

بنی سالم مدینہ منورہ کا محلّہ تھا۔ (کذافی إعلاء السنن ناقلاً من خلاصة الفتاویٰ)

(۸) بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریۂ صغیرہ تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہو جاتا ہے، ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جو کہ قریۂ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریۂ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے، یا وہ اس دعوے میں جھوٹے ہیں؟

الجواب

بنی سالم مدینہ منورہ کا محلّہ تھا، لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مقلدین کا استدلال کرنا درست نہیں، غلط ہے۔

(۹) اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے، پھر میری عرض ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا، یا جمعہ فرض ہو چکا تھا؟ اگر جمعہ کی فرضیت آجانے کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم آکر جمعہ پڑھا تھا، یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا؟ اگر مدینہ منورہ پہنچ کر بعدہ بنی سالم میں جمعہ پڑھا تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے جو مدینہ عالیہ کو چھوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آئے تھے؟

الجواب

جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلّہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا ہو، مخالفین کے لیے مفید نہیں، جمعہ کی فرضیت بناء قول محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی، لہٰذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، معین مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: عبداللہ غفر اللہ لہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳/۱۱/۹۷ھ۔

(خیر الفتاویٰ: ۳/۶۵-۶۶)

جوشہر قریۂ صغیرہ بن جائے، وہاں جمعہ کا حکم:

سوال: ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا؛ مگر دریا کی کٹائی کی وجہ سے اب چند صد گھر باقی بچ گئے۔ کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

صحت جمعہ کے لیے اقامت جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر، یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا اب مذکورہ جگہ ظہر باجماعت ادا کریں۔

" وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرہ التی فیها أسواق".(ردالمحتار: ۱۳۸/۱) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۰/۷/۱۳۹۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۳/۳)

بڑے گاؤں میں جمعہ فرض ہے، پولیس تھانہ ہو، یا نہ ہو:

سوال: ہمارا ایک قریہ ہے، جس کا نام کربلا ہے، جس کی آبادی تقریباً دس ہزار پر مشتمل ہے، جس میں نو مسجدیں بھی ہیں، چار مسجدیں تو اتنی بڑی ہیں کہ ایک وقت پر تقریباً ڈیڑھ سو افراد ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اس قریہ میں ضروریاتِ زندگی کا سامان ہر وقت مل سکتا ہے۔ ہائی اسکول، پرائمری اسکول، ڈاک خانہ، اسپتال، ٹیلیفون، بجلی غرض یہ سب چیزیں موجود ہیں، مدرسہ بھی ہے، جس میں تقریباً بڑے چھوٹے تقریباً ۳۰۰ رطلبہ پڑھ رہے ہیں؛ لیکن یہاں پر جمعہ کی نماز نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں سے تقریباً آٹھ میل کی مسافت پر ضلع پشین میں جمعہ کی نماز باقاعدہ ہوتی ہے اور علمائے دین نے فتوی جاری کیا ہے کہ یہاں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے، فتویٰ جن علما نے دیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:
مفتی عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کورنگی، مفتی زین العابدین فیصل آباد، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کراچی

مقامی علمائے دین فتویٰ کو نہیں مانتے، ہمارے علما کا کہنا یہ ہے کہ یہاں پر پولیس تھانہ نہیں ہے اور اس طرح جمعہ آس پاس گاؤں والوں پر واجب ہو جائے گا اور اگر آپ لوگ کوئی بھی یہاں جمعہ پڑھو گے تو آس پاس کے گاؤں والے جھگڑا کریں گے۔ اب بتائیں کہ کیا اس قریہ میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب ــ

اگر آپ کے مقامی علما اتنے بڑے بڑے علما کے فتویٰ کو نہیں مانتے تو مجھ طالب علم کی بات کب مانیں گے؟ تاہم ان سے گزارش ہے کہ اس قصبے میں جمعہ فرض ہے، (۱) اور وہ ایک اہم فرض کے تارک ہو رہے ہیں، اگر تھانہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو جھگڑے کا شبہ ہے تو اس کا حل تو بہت آسان ہے، اس سلسلے میں گورنمنٹ سے استدعا کی جاسکتی ہے کہ یہاں ایک پولیس چوکی بٹھادی جائے، بہرحال تھانے کا وہاں موجود ہونا صحتِ جمعہ کے لیے شرط لازم نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۱۲/۴)

---

(۱) وعبارة القهستاني: تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق،قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة؛لأن هٰذا مجتهد فیه فاذا اتصل به الحکم صار مجمعا علیه.(رد المحتار،باب الجمع: ۱۳۸/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

وحاصله:إدارة الأمر علیٰ رأی أهل کل زمان فی عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصرف فی عرفهم جازت الجمعة فیه، وما لیس بمصر لم یجز فیه إلا أن یکون فناء المصر.(الکوکب الدری،أبواب الجمعة: ۱۹۹/۱،طبع مکتبة یحیویة سهارنفور)

جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں:

سوال: جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں، وہ جمعہ ترک کردیں، یا پڑھتے رہیں؟ اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں، یا نہ کریں؟

الجواب

جمعہ ترک کردیں اور ظہر باجماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کرکے ان کی بھی قضا کریں۔
"فی الجواهر: لو صلوا فی القریٰ لزمهم أداء الظهر". آه.(۱) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۱۱۳)

شہر سے دور جانے والے پر جمعہ کی نماز ہے:

سوال: کوئی مسلمان نمازی جمعۃ المبارک کی نماز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہیں چلا جائے، جہاں نمازِ جمعہ نہ ہوتی ہو؛ یعنی شکار کھیلنے اور اسے معلوم بھی ہو کہ آج یومِ جمعہ ہے اور نمازِ جمعہ پڑھنا ہے، پھر بھی وہ جمعہ کی نماز کے لیے نہ ٹھہرے؛ یعنی قصداً قضا کرے؟

الجواب

جمعہ چھوڑ کر جانا تو بُری بات ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص صبح کو شہر سے دور باہر چلا گیا تو اس پر جمعہ فرض نہیں۔(۲)
(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۵۱-۱۵۲)

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجائے تو اس کے لیے جمعہ کا حکم:

سوال: دیہاتی آدمی شہر میں آیا اشیاءِ ضرورت خریدنے کے لیے اور جمعہ کا وقت ہوگیا، کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہوگیا اور اس پر جمعہ فرض ہوگیا؛ لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہوگیا، یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا؛ مگر پھر بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

"القروی إذا دخل المصر ونویٰ أن یمکث یوم الجمعة لزمته الجمعة؛ لأنه صار کواحد من

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: أنه کان یقرأ فی الفجر یوم الجمعة: ﴿الم تنزیل﴾ و﴿هل أتیٰ﴾. (صحیح لمسلم، باب مایقرأ فی یوم الجمعة، رقم الحدیث: ۸۸۰، انیس)

أهل المصر في حق هذا اليوم وإن نوى أن يخرج في يومه ذلك قبل دخول الوقت أو بعد الدخول لاجمعة عليه ولو صلى مع ذلك كان ماجوراً"، آه.(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاوی:۳/۸۷)

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں:

سوال: ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں، ایک امیر صاحب اور دس مامور ہیں، بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے ڈیڑھ میل ہے؛ لیکن امیر صاحب نے اجازت نہیں فرمائی۔ ایسی صورت میں کیا کریں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

ومن كان مقيماً بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارا لاجمعة على أهل ذالك الموضع وإن كان النداء يبلغهم.(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۹/۴/۱۴۰۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

(خیر الفتاویٰ:۳/۷۵)

جس مسجد میں امام مقرر نہ ہو، وہاں بھی نماز جمعہ جائز ہے:

سوال: کیا ایسی مسجد میں جمعۃ المبارک جائز ہے، جہاں کوئی مستقل امام مقرر نہ ہو؟ البتہ مختلف نمازی نماز پنج گانہ میں امامت کے فرائض رضا کارانہ طور پر سرانجام دیتے ہوں؟

الجواب

ایسی مسجد میں بھی جمعہ جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۴/۱۲۳)

جس قصبہ کی مردم شماری پچیس سو ہو، اس میں جمعہ جائز ہے:

سوال: ایک جگہ جس کی آبادی زمانہ غدر سے پہلے آٹھ نو ہزار تھی اور ایک صوبہ دار بھی رہتا تھا، تحصیل بھی تھی، بعد غدر تحصیل بھی موقوف ہوگئی اور صوبہ دار کا رہنا بھی موقوف ہوگیا اور رفتہ رفتہ حوادثات زمانہ سے پچیس سو آدمی رہ گئے ہیں اور اشیاء ضروری معمولی اب بھی بہم پہنچتی ہیں اور گیارہ مسجدیں وہاں پر موجود ہیں اور ہفتہ میں ایک روز بازار بھی لگتا ہے اور جامع مسجد تیار ہو رہی ہے۔ اس صورت میں وہاں پر جمعہ ہوجائے گا، یا نہیں؟

الجواب

اس بستی میں جس کا ذکر سوال میں ہے، جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے، وہاں جمعہ ادا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ درحقیقت وہ

(۱-۲) الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة في بحث ولأدائها شرائط، الخ: ۱/۱۴۵، انیس

آبادی قصبہ ہے، اگر چہ حوادثات زمانہ سے آبادی اب کم ہوگئی ہے اور قریۂ کبیرہ کی برابر اب بھی ہے، وہاں آبادی موجود ہے۔ شامی میں ہے کہ قصبات اور قریۂ کبیرہ میں عندالحنفیہ جمعہ ادا ہوتا ہے، بناء علیہ اس آبادی میں جمعہ پڑھنا چاہیے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۰/۵)

کیا جواز جمعہ کے لیے آبادی کی تعداد میں مسلم، غیر مسلم، عورتیں اور بچے سب شامل ہیں:

سوال: جواز جمعہ کے لیے آبادی کی تعداد کیا ہے؟ کیا آبادی کی تعریف میں عورتیں، بچے اور غیر مسلم بھی شامل ہیں، یا نہیں؟ کیا سول اور فوج کو ملا کر مطلوبہ آبادی پوری کی جاسکتی ہے؟

اگر سول اور فوج کو ملا کر مطلوبہ آبادی پوری کی جائے تو اس صورت میں کیا فوج اپنے لیے الگ جمعہ کا اہتمام کرے گا، یا وہ سول میں جا کر جمعہ ادا کریں گے؟

کچھ فوجی کیمپ سول آبادی سے دور اور کچھ قریب ہیں، اس لحاظ سے متصل اور منفصل شرعی حیثیت کیا ہے؟

کچھ فوجی مقام ایسے ہیں، جہاں فوجی ۱۰۰ سے لے کر ۳۰۰ تک کی تعداد میں بغیر بیوی بچوں کے سال بھر رہتے ہیں، کیا وہاں جمعہ جائز ہے، جب کہ وہاں دُشمن کا فوری خطرہ بھی نہیں ہے؟

الجواب

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ صرف شہر، یا قصبات میں جائز ہے، چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں ہے۔ عموماً جس بستی کی آبادی دو اڑھائی ہزار پر مشتمل ہوں اور وہاں روزمرہ کی ضروریات دستیاب ہوں اور اگر درپیش کے لوگ ضروریات زندگی کی خرید وفروخت کے لیے وہاں آتے ہوں، ایسی آبادی میں جمعہ جائز ہے۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق. (۲)

أیضا عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (۳)

(۲) فوج کی اگر وہاں مستقل چھاؤنی رہتی ہو تو اس کو بھی اس آبادی میں شمار کیا جائے گا، اگر فوج کا وہاں مستقل قیام نہیں تو ان کو شمار نہیں کریں گے۔ مستقل باشندے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، مرد ہوں یا عورتیں، بڑے ہوں یا بچے ان سب کو شمار کیا جائے گا۔

---

(۱) تقع الجمعة فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۱، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) رد المحتار، باب الجمعة: ۲ / ۱۳۸، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) رد المحتار: ۱۳۷/۲، باب الجمعة، دار الفکر بیروت، انیس

(۳)　　جس بستی میں جمعہ جائز ہے، وہاں فوج اپنے جمعہ کا الگ انتظام کرسکتی ہے۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق.(۱)

أیضا عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غیره، یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث، وهذا هو الأصح.(۲)

(۴)　　جس بستی کو ہم ''بڑی بستی''، یا قصبہ شمار کریں گے، اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کی آبادی (مکانات) متصل ہوں، پھر اسی بستی سے ملحقہ آبادی میں فوج کا جمعہ پڑھنا بھی جائز ہے اور اگر اصل آبادی کے لحاظ سے وہ جگہ چھوٹی بستی شمار ہوتی ہے تو کچھ فاصلے پر اگر فوجی کیمپ ہو تو اس بستی میں شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ یہ مستقل آبادی شمار ہوگی۔

(۵)　　صرف چند فوجیوں کی رہائش گاہ میں جمعہ صحیح نہیں، خواہ ان کا قیام سال بھر رہا کرتا ہو، دیکھنا یہ ہے کہ جس جگہ ان کا قیام ہے، وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں جمعہ جائز ہو؟ اس نکتے کی وضاحت اُوپر کر چکا ہوں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۱۴/۴-۱۱۵)

آبادی کے بڑے ہونے میں جملہ اقوام کا اعتبار:

سوال:　　قریہ سرسولی شہر سے سترہ میل کے فاصلہ پر ہے اور مسلمانان کی مردم شماری مع مرد و زن ۳۰۰ کی ہے، اس قریہ میں مسجد بھی ہے، نماز جمعہ وعیدین ہمیشہ سے ہوتی ہے، مدرسہ سرکاری وڈاک خانہ بھی ہے، ہفتہ میں دو بازار ہوتے ہیں، دس بیس دوکانیں بھی ہیں اور بارہ قریہ اس قریہ کے متعلق ہیں، جن کی مردم شماری ۳۰۰۰ ہے اور خاص قریہ کی مردم شماری ہر قوم ۱۵۰۰ کی ہے۔ جمعہ وہاں درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

قریہ کے بڑے چھوٹے ہونے میں جملہ اقوام کی مردم شماری کا اعتبار ہوتا ہے جس قریہ کی مردم شماری باعتبار جملہ اقوام کے کثیر ہے وہ قریہ کبیرہ ہے جمعہ واجب الادا ہوتا ہے جیسا کہ شامی میں اس کی تصریح ہے، پس اگر وہ قریہ بڑا شمار ہوتا ہے تو حسب تصریح فقہا اس میں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۵۲/۵)

دو ہزار سے زیادہ آبادی میں جمعہ درست ہے:

سوال:　　قصبہ سلیم پور بستی متصل قصبہ سہنسپور قریب ایک میل جس میں جمعہ واجب ہے اور اس کی متصل گڑھی ہے

(۱)　　رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　　رد المحتار: ۱۳۷/۲، باب الجمعة، دار الفکر بیروت، انیس

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی: ۲۵۸/۱-۲۶۹، وأما بیان شرائط الجمعة، طبع ایچ ایم سعید

(۳)　　تقع فرضافی القصبات والقریٰ الکبیرةالتی فیهاأسواق.(ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۱، دار الفکر، ظفیر)

کہ ہر دو بستیاں کے درمیان ایک باغ ہے اور پانچ وقت اذان کی آواز آتی ہے اور دونوں جگہ کی مردم شماری چار ہزار پانچ سو کی ہے، سلیم پور کی مردم شماری دو ہزار تین سو ہے اور گڑھی کی دو ہزار دو سو ہے۔ سلیم پور میں غدر سے پہلے تحصیل تھی اور مردم شماری بھی قریب سات ہزار کی تھی؛ لیکن حوادث وانقلاب کی وجہ سے آبادی کم ہوگئی ہے؛ تاہم ہر قسم کی ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، لہذا جمعہ وعیدین واجب ہیں، یا نہیں؟

الجواب

سلیم پور اب بھی قریۂ کبیرہ ہے اور قریۂ کبیرہ میں جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے۔ (کما صرح بہ الشامی) پس سلیم پور میں جمعہ پڑھنا چاہیے اور اسی طرح گڑھی میں جمعہ ہوسکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۲/۵-۱۵۳)

پہلے شہر تھا، اب دوڈیڑھ ہزار آبادی ہے، کیا جمعہ جائز ہے:

سوال: جو جگہ پہلے شہر ہو اور اب آبادی کم ہوکر دوڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہوں۔ اس میں جمعہ جائز ہے، یا نہ؟ اگر جائز ہے تو موجودہ حالت کے لحاظ سے، یا قدیمہ حالت کے؟

الجواب

قریۂ کبیرہ جس میں بازار ہوں، وہ مثل قصبہ کے ہوتا ہے اور مصریت کی شان اس میں پائی جاتی ہے۔ پس جو بستی پہلے بڑا شہر ہو اور اب اس میں دوڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہوں اور بازار ودوکانیں وغیرہ اس میں ہوں، اس میں جمعہ واجب ہے، وہ درحقیقت مصر ہے، اس میں جمعہ ہونے میں کچھ تردد معلوم نہیں ہوتا اور قریۂ کبیرہ کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ مثل قصبہ کے معلوم ہوتا ہو۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۴/۵)

ڈھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: موضع راکھیڑہ میں مسلمانوں کی آبادی ڈھائی ہزار کی ہے، چار مسجدیں ہیں اور بزازوں وعطاروں کی بہت دوکانیں ہیں اور ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے، اس گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا کیا؟

الجواب

ظاہراً وہ بڑا گاؤں ہے اور بڑے قریہ میں جمعہ عندالحنفیہ واجب وادا ہوتا ہے، **کما فی الشامی: "وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة" الخ.** (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۵)

چار ہزار کی آبادی میں جمعہ جائز ہے:

سوال: جس کی آبادی چار ہزار آدمیوں کی ہو اور ایک میل کے فاصلہ پر اسٹیشن ہے اور اس کی وجہ سے بازار بھی

(۱-۲) تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیہا أسواق. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دارالفکر، ظفیر)

قائم ہوگیا ہے، تھانہ اور مدرسہ بھی ہے اور بازار کی آبادی تین ہزار کی ہوگئی ہے، مجموعہ آبادی موضع اور اسٹیشن و بازار کی سات ہزار ہے۔ اس صورت میں اس موضع میں جمعہ وعیدین پڑھ سکتے ہیں، یا نہ؟

الجواب

ایسی بستی میں نماز جمعہ وعیدین واجب ہے اور ادا ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ شامی نے تصریح کی ہے کہ قصبہ اور بڑے قریہ میں جمعہ فرض ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بستی مذکور بڑا قریہ ہے۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۱/۵)

بارہ سو جس قریہ کی آبادی ہے اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں:

سوال: یہاں ایک موضع سمریا ہے، جس کی آبادی قریب بارہ سو کے ہے، اس میں سے مسلمان قریب بارہ سو کے نہیں ہیں؛ بلکہ کل مسلمان آٹھ سو نو سو ہوں گے اور یہاں نہ کوئی بازار ہے، نہ ڈاکخانہ، نہ کچہری؛ بلکہ ہر وقت ہر قسم کی ضرورتیں بھی یہاں پوری نہیں ہوسکتیں۔ ہاں چھ سات معمولی معمولی دوکانیں ہیں، ایک دوکان کپڑے کی ہے، اس میں محض معمولی کچھ کپڑا مارکین وململ وغیر ملتا ہے، اس دوکان میں مال قریب پچاس روپے کے ملتا ہے اور ایک دوکان حلوائی کی ہے اور یہاں صرف ایک ہی مسجد ہے، جس میں جمعہ کے روز ساٹھ ستر نمازی جمع ہو جاتے ہیں اور اس موضع میں مدرسہ بھی ہے، جس میں اسی پچاسی طالب علم رہتے ہیں تو اس وقت موضع سمریا میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں: زید کہتا ہے کہ یہاں برابر پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے، اب کس طرح ترک کردیں؟

الجواب

یہ ظاہر ہے کہ موضع مذکور جس کی آبادی قریب بارہ سو کے ہے، قریۂ کبیرہ نہیں ہے؛ بلکہ قریۂ صغیرہ ہے، جس کو فقہا نے بحکم قصبہ لکھا ہے، لہٰذا حسب قواعد فقہیہ وتصریح فقہاء موضع سمریا میں ظہر باجماعت ہونا چاہیے، جمعہ پڑھنا اس میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ردالمحتار شامی ہے:

”وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیھا أسواق (إلیٰ أن قال) وفیما ذکرنا إشارۃ إلیٰ أنھا لاتجوز فی الصغیرۃ“، الخ. (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۷/۵-۱۶۸)

دو ہزار آٹھ سو کی آبادی میں جمعہ جائز ہے:

سوال: موضع رابدھنہ میں دو ہزار آٹھ سو آبادی ہے اور یہاں پر پیٹھ لگتی ہے؛ یعنی کل چیزیں تو فروخت نہیں ہوتیں، ہاں نمک مرچ ترکاری بکتی ہے۔ سولہ دکانیں نمک، مرچ، گڑ، چاول دالوں کی کہیں آباد ہیں، ایک جگہ پر بازار کی شکل میں نہیں، چار مسجدیں اس جگہ ہیں اور دو مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے۔ اب فرمائیے کہ یہ قصبہ کا حکم رکھتا ہے، یا گاؤں کا؟ اور حنفیوں کی نماز غیر مقلدین کے پیچھے ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

(۱-۲) تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیھا أسواق. (ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، دارالفکر، ظفیر)

الجواب

آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ موضع رابدھنہ میں قریب تین ہزار آدمیوں کے آباد ہیں، بندہ کے خیال میں وہ بڑا قریہ ہے اور شامی میں لکھا ہے کہ بڑے قریہ میں جمعہ واجب وادا ہوتا ہے۔عبارت اس کی یہ ہے:

"وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیہا أسواق"، الخ. (۱)

اگر چہ موضع مذکور میں بازار نہیں ہے؛ مگر باعتبار آبادی کے اس کو ملحق بالقصبہ کر سکتے ہیں اور حنفیوں کی نماز غیر مقلدوں کے پیچھے ہو جاتی ہے؛ مگر احتیاط بہتر ہے، فی الواقع جہاں تک ہو سکے، ان لوگوں کو امام نہ بنایا جاوے۔(۲) فقط واللہ اعلم

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۸/۵)

ڈیڑھ ہزار آبادی میں جمعہ کا کیا حکم ہے:

سوال: جس کسی بستی میں تقریباً مسلمان و ہندو کل ڈیڑھ ہزار ہوں اور تین مسجدیں اور پختہ عمارتیں بھی ہوں اور ہفتہ میں بازار بھی لگتا ہو اور دس پانچ معمولی دوکانیں ہوں اور اکثر اشیا مثل غلہ اور کپڑا اور دوا وغیرہ مل سکتی ہوں تو ایسے قریہ میں نماز جمعہ ادا ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

مدار جمعہ کے وجوب وعدم وجوب کا قریہ کا بڑا چھوٹا ہونا فقہا نے لکھا ہے اور قریۂ کبیرہ وہ ہے، جو مثل قصبہ کے ہو کہ آبادی اس کی تین چار ہزار ہو اور بازار ہو۔پس قریہ مذکورہ باعتبار آبادی قریہ کبیرہ معلوم نہیں ہوتا، لہٰذا ضرور ہے کہ وہاں ظہر باجماعت پڑھیں۔(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۹/۵)

قریۂ کبیرہ کے لیے آبادی سے کیا مراد ہے:

سوال: قریۂ کبیرہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو لکھا ہے، مراد خانہ شماری ہے، یا مردم شماری ہے؟

الجواب

مراد مردم شماری ہے؛ یعنی سب آدمی رہنے والے اس گاؤں کے چھوٹے بڑے، مرد وعورت، ہندو مسلمان تین چار ہزار ہوں۔پس جو ایسا گاؤں ہوگا، وہ بڑا گاؤں ہے اور بڑے گاؤں میں فقہا نے جمعہ فرض لکھا ہے، کما فی الشامی: وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۹/۵)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، ظفیر

(۲) ومخالف کشافعي لکن فی وتر البحر: إن تیقن المراعاۃ لم یکرہ أوعدمہا لم یصح وإن شک کرہ.(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار، باب الامامۃ: ۵٦٣/۱، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۳-۴) وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرۃ التی فیہا أسواق (إلیٰ أن قال) وفیما ذکرنا إشارۃ الیٰ أنہا لا تجوز فی الصغیرۃ.(ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

جہاں ساٹھ گھر مسلمان ہوں، وہاں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک بستی جس میں تخمیناً مسلمانوں کے ساٹھ مکان ہیں، ایک بڑی مسجد ہے، چار دوکان ہے، اسپتال ہے، پرائمری پاٹھ شالہ ہے، یہاں جمعہ جائز ہے، جو پہلے سے ہوتا آیا ہے، کیا یہاں صرف جمعہ پڑھنا چاہیے، یا صرف ظہر، یا دونوں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

متاخرین حنفیہ نے بڑی بستی میں جمعہ کی اجازت دی ہے؛ اس لیے اس بستی میں جمعہ جائز ہے اور جمعہ کی نماز کے بعد ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲؍۸؍۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲؍۲۵۲)

آبادی تین ہزار سے زائد ہو اور ضروریات زندگی بھی دستیاب ہوں، اس جگہ میں جمعہ کا حکم:

سوال: میرے موضع چائل کی مردم شماری ۲۶۹۷؍آدمیوں کی ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے، پندرہ سولہ دوکانیں مستقل طور سے بازار میں روز مرہ رہتی ہیں اور یہ سب ایک ہی لائن میں ہیں، دس بارہ ایک طرف جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور پانچ چھ دوسری طرف جو ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں، بیچ میں دس بارہ قدم کا فرق اس وجہ سے ہو گیا ہے کہ ایک مکان کا پچھواڑا پڑتا ہے اور آگے سڑک ہے، ورنہ یہ سب مل جاتیں، یہ سب دوکانیں بازار کے نام سے موسوم ہیں، ضروریات کی ساری چیزیں مثل غلہ، کپڑا، جوتہ، لکڑی، تیل، تمباکو، چینی، گوشت وغیرہ بلا تکلف ملتی ہیں، حتی کہ دوا وغیرہ بھی مل جاتی ہیں، دو طبیب مستقل طور سے گاؤں میں رہتے ہیں، ڈاک خانہ، سرکاری بڑا اسکول ہے، جس میں انگریزی وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہے، ہمیشہ سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے، حتی کہ شاہی زمانہ میں قلعہ بھی تھا، جس کے نشانات اب تک موجود ہیں اور وہ زمین مع ایک تالاب کے شاہی نام سے مشہور ہے، جمعہ کے متعلق شاہی اسناد بھی ایک شخص کے پاس ہیں، انگریزوں کے شروع زمانہ میں تحصیل تھی، جب وہ الہ آباد چلی گئی تو اسی عمارت میں تھانہ ہو گیا، بعد میں تھانہ اٹھ کر دوسری جگہ چلا گیا تو اس میں اسکول ہو گیا، گاؤں کے اندر سات مسجدیں ایک دوسرے سے فاصلہ پر مختلف محلات میں واقع ہیں اور سبھوں میں نماز ہوتی ہے، گاؤں کے باہر بہت بڑی پختہ عیدگاہ ہے اس کے علاوہ چار پورہ جات، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے، اسی موضع کی زمین میں واقع ہیں، ان سب کا نقشہ خسرہ ایک ہی ہے، مجموعی مردم شماری موضع کی مع پورہ جات متعلقہ کے ۳۱۰۳؍آدمیوں کی ہے، لہذا اس میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

تفصیل پورہ جات:

نام پورہ: پورہ محمد نعیم، مردم شماری: ۲۱۹، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: تخمیناً ۳؍فرلانگ، نوٹ: ۸ فرلانگ کا۔

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی ایسی بستی میں جمعہ کے جواز کے قائل ہیں۔ (مجاہد) والأصح عنده أنه يكفي أقل مايقال فيه قرية ... (أقول) الخمسون يتقرى بهم قرية. (حجة الله البالغة، باب الجمعة: ۱۱۵/۲، مكتبة حجاز ديوبند، انيس)

دریاپور، مردم شماری ۳۴، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: تخمیناً ۳؍فرلانگ، نوٹ: یک میل ہوتا ہے۔
ڈیہا، مردم شماری: ۸۲، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: ۶؍فرلانگ۔
سرائے امام قلی، مردم شماری: ۱۷، اصلی موضع سے ان کا فاصلہ: ۱؍میل۔

الجواب

صورت مسئولہ میں حائل قریۂ صغیرہ نہیں؛ بلکہ قریۂ کبیرہ ہے، جس میں جمعہ بالاتفاق جائز؛ بلکہ واجب ہے۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ، ۲۰؍رمضان ۱۳۵۵ھ
میری رائے میں بھی یہ موضع اقامت جمعہ کا محل ہے۔ اشرف علی، ۲۱؍رمضان ۱۳۵۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲؍۴۱۷)

قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ:

سوال: بستی پام ریج (جنوبی افریقہ)

(۱) مقام و تعریف آبادی: پام ریج ایک نئی بستی جو صوبۂ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) میں واقع ہے، یہاں کے باشندے تقریباً دو ڈھائی سال سے آباد ہیں، کل آبادی تخمیناً ۳۱۷۵ کی ہے۔

جنس:	مسلم	غیر مسلم
آبادی:	۸۴۰	۲۳۳۵
مکانات:	۱۶۵	۴۶۷
کل تعداد:	۳۱۷۵	۶۳۵

(۲) سرکاری نظام و دفتر: کل انتظامات بستی کے متعلق دو دفتروں سے ہوتا ہے، مثلاً: زمین، یا مکان کی خرید وفروخت، بجلی و پانی ٹیکس کی ادائیگی، فریاد (متعلق بستی) وغیرہ۔

(۳) حفاظت و امن: ایک پولیس اسٹیشن ہے؛ نیز بستی والوں کی حفاظت و امن کے لیے فوجی گاڑی مع پولیس ۲۴؍گھنٹہ بستی میں گشت کرتے ہیں۔

(۴) ڈاکخانہ: فی الحال کوئی خاص مکان نہیں ہے ڈاک خانہ کے لیے؛ لیکن حکومت کی طرف سے ایک گاڑی (Mobile Vehicle) روزانہ آتی ہے اور باقاعدہ سب کچھ دستیاب ہوتا ہے، جو اور ڈاک خانوں سے ملتا ہے، ڈاکیہ (postman) ہر مکان تک ڈاک پہونچاتا ہے، تقریباً ہر گھر میں ٹیلیفون (Telephone) موجود ہے۔

(۵) صحت و علاج: ایک سرکاری دواخانہ موجود ہے، جہاں سے دوا انجکشن وغیرہ مفت میں حاصل ہوسکتا ہے، خود سرکاری متعینہ ڈاکٹر حاضر ہے اور نرس (Nurse) بھی دو انفرادی (Privete) ڈاکٹر اپنے اپنے دواخانوں میں مریضوں کا علاج کرتے ہیں بعوض فیس (Fee)۔

(۶) صلوٰۃ: ایک جماعت خانہ میں پنج وقت کی نماز ہوتی ہے با لجماعت، عنقریب مسجد کی تعمیر ہوجائے گی۔

(۷)　سرکاری اسکول، دینی مدرسہ، سرکاری کتب خانہ عام لوگوں کے واسطے۔

(۸)　متفرقات: باقاعدہ دوکان جہاں پر سب ضروری اشیا بکتی ہیں، مثلاً: دودھ، تیل، آٹا، مرچ واناج، بسکٹ، روئی، مٹھائیاں وچاکلیٹ وغیرہ وغیرہ، پانچ مکان بصورت دوکان جہاں ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، مرغیاں وگوشت مل سکتا ہے، پھل وسبزیاں ملتی ہیں، دودھ، دہی، ہرگھر تک سواری کے ذریعہ سے (Delivered) پہنچتا ہے، دو درزی جو مردوں کے کرتے، پائجامہ، ٹوپی اور زنانہ لباس وکپڑے بناتے ہیں، گویا اسلامی لباس حاصل ہوسکتا ہے، کاریگر وہنرداں وفن دار، وکیل وغیرہ موجود ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر، یا قصبہ، یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے، جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، (۱) جو بستی ایسی نہ ہو؛ بلکہ چھوٹی ہو، وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں۔ (۲) آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہے؛ اس لیے اس میں جمعہ پڑھا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس کا معائنہ کرادیا جائے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر جو کچھ وہ تجویز کریں، اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰؍ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ (محمود الفتاویٰ: ۵۰۸/۱-۵۱۰)

تیس آدمی مصلی ہوں تو قائم نماز جمعہ کا حکم:

سوال: ایک موضع میں قریبا ۳۰؍آدمی مصلی ہیں اور ایک مسجد ہے، ہفتہ میں دوبار بڑی بازار لگتی ہے، سامان ضروری مثلاً کفن وغیرہ ملتا ہے، لہٰذا مصلیان نماز جمعہ بھی اسی موضع میں ادا کرتے ہیں اور بچوں کی تعلیم کے لیے ایک قاری صاحب بھی مقرر ہیں۔ اب اس موضع میں شرعاً نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟　(المستفتی: ۲۰۱۲، مرزا عبدالستار (بارہ بنکی))

الجواب ــــــــــــــــ

اگر نماز جمعہ وہاں عرصہ سے قائم ہے تو اب اس کو بند کرنے میں مذہبی ودینی فتنہ ہے؛ اس لیے اس کو موقوف کرنا درست نہیں؛ بلکہ اس مسئلے میں امام شافعی کے قول، یا امام مالک کے قول کے موافق عمل کرلینا جائز ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۸/۳)

---

(۱)　(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول المصر عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر، انيس)

(۲)　وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳)　واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام اذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لايمنعون؛ أنهم اذا منعوا تركوها أصلاً واداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً. (رد المحتار، مطلب يطلق المستحب على السنة: ۱۷۱/۲، ط: سعيد)

جس بستی کے کارخانوں میں پانچ سومسلمان کام کرتے ہوں، وہاں جمعہ کا حکم:

سوال: توائی سے پچاس میل اور چالیس میل اور پچیس میل فاصلہ پر بستیوں میں شیشہ کے کارخانے ہیں اور تقریباً پانچ سومسلمانوں کی آبادی ہے، اگر کارخانے بند ہو جائیں تو کوئی بھی نہیں رہے گا، ایسی بستیوں میں جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــــ وبالله التوفيق

جن بستیوں کے کارخانوں میں پانچ پانچ سوبالغ مسلمان مقیم رہتے ہو، کام کرتے ہوں ایسی آبادی میں جمعہ وعیدین بے تکلف پڑھی جائیں اور جمعہ وعیدین ترک نہ کی جائیں اور جب کارخانے بند ہو جائیں اور پھر آبادی ہی نہ رہے تو پھر وہاں ویرانے میں جمعہ وعیدین کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۶۵/۳)

سات ہزار والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: بصیر پور کی موجودہ حالت ایک شہر سے کم نہیں، لوازمات ملاحظہ فرمائیں، ریلوے اسٹیشن قیام ملازمین، ضلع دار، قانون گویان، اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تحصیل ہذا۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے دو ہسپتال انسان اور حیوانات کا اور آبادی تقریباً چھ یا سات ہزار تک ہے اور تینوں بازاروں میں دکانات کا شمار ایک سوبیس ہے، بازار میں آمد ورفت بوجہ بیع وشرا بآسانی نہیں ہوسکتی۔ منڈی کی دکانات اور آبادی اس کے علاوہ ہے، چودہ پندرہ مساجد ہیں، جملہ آثار دلالت کرتے ہیں کہ بصیر پور ایک شہر ہے اور اس میں نماز جمعہ ادا کرنا فقہ حنفیہ کے لحاظ سے فرض ہے۔ عرصہ پانچ سال سے مولانا مولوی نور نبی صاحب جو کہ مدرسہ امینیہ اور جناب کے فیض تدریس سے ۱۹۴۹ء میں تعلیم ''دورہ'' حاصل کر کے آئے ہیں، فریضہ جمعہ ادا کرتے رہے ہیں؛ مگر اس جگہ کے علماء اور عوام الناس کا یہ خیال ہے کہ جمعہ ملک ہندوستان میں نصاریٰ کے تسلط کی وجہ سے فرض نہیں رہا، لہٰذا بالکل نہ پڑھنا چاہیے۔ ہمارا جمعہ پڑھنا اوران کا اس پر تنازعہ کرنا ایک نمایاں جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ کافی تنازعات کے بعد حضرت مولانا مولوی خیر محمد صاحب جالندھری سے بطور فیصلہ فتویٰ حاصل کیا گیا۔ مولانا موصوف کے فتوے پر ان کے تنازعات بند ہوئے اور پرامن نماز جمعہ ہوتی رہی؛ مگر شومیٔ قسمت سے ہمارے مقامی زمیندار رئیس عالم کی ایک مولوی صاحب کے ساتھ جمعہ کے متعلق گفتگو ہوئی، جس کی وجہ سے انہوں نے نے یہ فرمادیا کہ قصبہ ہذا میں جمعہ کے متعلق میں مولانا موصوف کے فتوے سے رجوع کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بصیر پور میں تعریف مصر صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ اکبر مساجد والی تعریف ضعیف اور مرجوح ہے اور تنفیذ احکام واقامت حدود والی تعریف قوی اور مفتی بہ ہے اور لاہور وغیرہ کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں مجسٹریٹ وجج وغیرہ ظالم ومظلوم کے تنازعات کا تصفیہ کرتے رہتے ہیں اور بصیر پور میں تحصیل دار بھی نہیں رہتا، لہٰذا لاہو میں نماز جمعہ فرض ادا ہوسکتی ہے اور بصیر پور میں نہیں، وائے ناکامی واحسرتا کہ ان ارشادات عالیہ سے سوئے ہوئے فتنے پھر جاگ اٹھے اور عنقریب حالات مایوس

کن پیدا ہونے والے ہیں، عوام کی باہمی چہ می گوئیاں ان فسادات کا پیش خیمہ ہیں؛ مگر ہمارے رئیس عالم موصوف کا آپ پر اور مولانا خیر محمد صاحب جالندھری پر اعتماد واعتقاد ہے کہ قصبہ ہذا کی حالت کو دونوں حضرات بچشم خود ملاحظہ فرما کر جو فتویٰ صادر فرمائیں، بالیقین تسلیم کروں گا؟ لہذا التجا آنکہ جناب اپنے قیمتی لحات میں چند لمحے امیدواروں کے لیے موقوف فرما کر شکر گزاری کا موقع بخشیں اور تشریف آوری کی تاریخ معین فرما کر منتظران کو مطمئن فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف، نیز مفصل حالات مسمی محمد شریف متعلم جماعت دورہ مسجد فتحپوری جو کہ قصبۂ ہذا کا باشندہ ہے، جناب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزاری کا ان کو بذریعہ مراسلہ مطلع کیا گیا ہے۔

(المستفتی: ۱۲۹۳، اللہ دیا صاحب، مدرس مڈل اسکول قصبہ بصیر پور ضلع منٹگمری، ۲۶/شوال ۱۳۵۵ھ، ۱۰/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب

قصبہ بصیر پور جس کی حیثیت آپ نے اس کاغذ کی پشت پر تحریر فرمائی ہے، اس لائق ہے کہ اس میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، **مالا یسع أکبر مساجده**، الخ پر بہت سے مشائخ حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے، تنفیذ احکام واقامت حدود والی تعریف آج کل کسی شہر پر صادق نہیں ہے اور قدرت علی التنفیذ کی تاویل بھی اقامت حدود میں صحیح نہیں؛ کیوں کہ حدود شرعیہ قانون مروجہ کے ماتحت ممتنع الاقامت ہیں، کوئی حاکم حتی کہ وائسرائے بھی رجم پر قدرت نہیں رکھتا، قطع ید پر قدرت نہیں رکھتا؛ اس لیے اس کو جواز جمعہ کے لیے مدار حکم ٹھہرانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ بہر حال بصیر پور میں جس کی حیثیت ایک قصبہ اور شہرس کی ہوگئی ہے، اس میں بغیر تردد جمعہ جائز ہے، پہلے اس کی حیثیت کمتر ہوگی کہ گزشتہ زمانے میں علما نے وہاں جمعہ نہیں پڑھا؛ مگر اب جمعہ ترک کرنا درست نہیں۔ (۱)

مولانا خیر محمد صاحب ایک اچھے معتبر عالم ہیں ان کو بلا کر اطمینان کرلیں، خاکسار آنے سے معذور ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۴۴-۲۴۵)

تین گھروں والے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں:

سوال: موضع اموکونہ جس کی آبادی میں چونتیس گھر اور اکاون مرد مکلّف بستے ہیں، ایضا موضع بتاپور کہ موضع اموکونہ سے تخمیناً پانچ سو ہاتھ فاصلے پر ہے، اس میں تیس گھر ہیں اور ستاون مرد مکلّف بستے ہیں۔ ان سب آدمیوں کا پیشہ کاشتکاری ہے اور موسم برسات میں ہر موضع کے چاروں طرف پانی سے سیلاب ہوجاتا ہے، جو بدون کشتی کے آمد ورفت دشوار ہے۔ ہر موضع کے چاروں طرف زراعت اور تین طرف ندی بھی ہے اور دونوں موضعوں کے درمیان جو فاصلہ ہے، چراگاہ ہے۔ موسم برسات میں وہ بھی دوڈھائی ہاتھ پانی کے نیچے پڑتا ہے، اس آبادی میں کوئی بازار وغیرہ نہیں ہے۔ اب علی الانفراد دونوں

(۱) (المصر وهو مالا یسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه الفتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهره المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ اقامة الحدود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷-۱۳۸، ط: سعيد)
تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، ط: سعيد)

موضعوں میں جمعہ قائم کرنا اور درمیان کی چراگاہ میں علی الاجتماع عیدگاہ بنا کے نماز عید پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی :۶۰۹، چودھری محمد صفدر (ضلع سلہٹ) ۱۳؍جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق ۱۲؍ستمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہیے؛ لیکن اگر قدیم الایام سے ان میں جمعہ قائم ہو تو اسے بند بھی نہ کرنا چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق جمعہ ہو جاتا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۲۳۸/۳)

سوال و جواب بالا کی وضاحت:

سوال: اس جواب حضرت والا کی جس عبارت کا مطلب پوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا، اس کے متعلق عرض ہے:

(۱) ''ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہیے'' عبارت مذکورہ افہام ناقصہ کے نزدیک دو معنی کے محتمل ہے۔ اول یہ کہ ان مواضع میں اگر پہلے سے جمعہ قائم نہ ہوا ہو تو حنفی مذہب کے موافق اب جدید طور پر قائم نہ کرنا چاہیے، (پھر لفظ نہ کرنا چاہیے کا مطلب مکروہ تنزیہی ہے، یا تحریمی ہے، یا حرام و نادرست؟) دوسرے یہ کہ ان دو موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق پڑھنا ہی نہ چاہیے؛ لیکن اگر پہلے سے وہاں قائم کیا ہوا ہو تو بھی اب بوجہ عدم صحت جمعہ فی القریٰ کے ترک کرنا چاہیے، اس کا مطلب ترک افضل ہے، یا واجب، یا فرض؟

اگر پہلے احتمال کو مواضع مذکورہ میں نیا طور پر قائم نہ کرنا اور قدیم الایام سے چلے آنے والی نماز کو قائم رہنے دینا یہ حکم حنفی مذہب کے موافق ہے، یا حنفی مذہب میں قدیم وجدید کا فرق نہیں رکھا گیا۔ دوسرا احتمال مراد ہو تو اس حالت میں عبارت کے الفاظ سے وہ معنی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) ''لیکن اگر قدیم الایام سے'' ''تو اسے بند نہ کرنا چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق ہو جاتا ہے'' اس حالت میں اگر جمعہ کو قائم رکھا جائے تو ایک حنفی کے لیے اپنے مذہب کے موافق فرض ظہر ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۶۱۰، محمد زاہد الرحمٰن (ضلع سلہٹ) ۱۵؍جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

الجواب

حنفی مذہب کے موافق قریٰ؛ یعنی دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا؛ اس لیے اگر کسی گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے تو وہاں جمعہ قائم نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ حنفی مذہب کے موافق اس میں جمعہ صحیح نہ ہوگا، (۱) اور فرض ظہر جمعہ پڑھنے سے ساقط نہ ہوگا؛ لیکن اگر وہاں قدیم الایام سے جمعہ قائم ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا یہ کہ اسلامی حکومت میں بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہوا تھا تو حنفی مذہب کی رو سے بھی وہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے؛ اس لیے بند کرنا درست نہیں۔ یا یہ کہ

(۱) فی ما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضٍ وخطیب، کما فی المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعید)

بادشاہِ اسلام کے حکم سے قائم ہونا ثابت نہیں، یا یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں نے خود قائم کیا تھا؛ مگر ایک زمانۂ دراز سے پڑھا جاتا ہے۔ اس صورت میں حنفی مذہب کے اصول کے موافق تو اسے بند کرنا چاہیے؛ یعنی بند کرنا ضروری ہے؛ لیکن چوں کہ عرصۂ دراز کے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ان کے لحاظ سے اس مسئلے میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کر لینا جائز ہے اور جب کہ وہ شوافع کے مذہب پر عمل کر کے جمعہ پڑھیں گے تو پھر ظہر ساقط نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لیے وجہ جواز ہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۳/۲۳۸-۲۳۹)

جہاں دو مسجدیں ہوں نمازی دونوں میں بیس پچیس ہوں، وہاں جمعہ کی نماز پڑھیں، یا ظہر بہتر ہو:

سوال: اس جگہ ہمارے قریب تحصیل گوہد جو کہ ایک معقول قصبہ ہے، دو مسجدیں ہیں اور دونوں میں نماز جمعہ ہوتی ہے، ہر دو امام صاحب یہاں ایک مصنوعی مزار کے پجاری ہیں اور اس کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں طوائفوں کا کھانا بھی بڑی خوشی و دلچسپی سے نوش فرماتے ہیں اور ناچ رنگ آتش بازی سے بھی قطعی پرہیز نہیں اور خود اپنی تقریبوں میں بھی طوائفوں کو بلاتے ہیں اور آتش بازی بھی استعمال کرتے ہیں۔ تعداد نمازیاں ایک مسجد میں تقریباً آٹھ دس نمازی دوسری میں پندرہ بیس نمازی نماز جمعہ میں شرکت کرتے ہیں۔ نمازی سب کے سب بے علم ہیں اور امام صاحب بھی تقریباً ایسے ہی ہیں، کیا ان صورتوں کے ہوتے ہوئے نماز جمعہ ادا کریں، یا ظہر؟ نیز بندہ اپنے پورہ فاضل پور میں رہتا ہے، جہاں ہم صرف پانچ مسلم آباد ہیں، صرف دو گھروں کے؛ مگر جمعہ کے دن اور عید کے دن اردگرد کے مسلم صاحبان بوجہ ہونے مسجد کے جمع ہو جاتے ہیں، کیا ہم نماز جمعہ اور عید ادا کریں، یا نہیں؟ اور ہماری مسجد میں پانچوں وقت نماز کے لیے اذان ہوتی ہے؟

(المستفتی: ۲۱۰، محمد عبد الحمید زمیندار فاضل پورہ ریلوے اسٹیشن گوہد روڈ، ریاست گوالیار، ۳۰/شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۵/فروری ۱۹۳۴ء)

الجواب

ایسی صورت میں اگر ان اماموں کی جگہ کوئی اور بہتر اور متدین اور مسائل سے واقف شخص کو امام مقرر نہیں کیا جا سکتا تو آپ کے لیے بہتر ہے کہ اپنے گاؤں میں نماز ظہر با جماعت ادا کر لیا کریں؛ کیوں کہ آپ کا گاؤں بہت چھوٹا ہے اور جمعہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۳۳)

---

(۱) فی ما ذکرنا إشارة الی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضٍ وخطیب، کما فی المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۳۸، ط: سعید)

وعن أبی حنیفة رحمه الله: أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولها رساتیق وفیها والٍ، الخ. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، دار الفکر بیروت، انیس)

(والثانی السلطان) ... (أو مأموره باقامتها)، الخ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۹)

(والسابع الاذن العام) من الامام. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۱، ط: سعید)

ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ جہاں کئی مسجدیں اور مدرسہ ہو اور آبادی ہزار سے اوپر ہو:

سوال: ایک بڑا گاؤں جس کو اہل علاقہ؛ یعنی اس کے گردونواح والے بڑا گاؤں جانتے ہیں اور آبادی اس کی اس وقت (۱۲۵۴) آدمی شمار میں آئی ہے۔ ایک مدرسہ اور کئی مسجدیں بھی اس گاؤں میں ہیں، آیا ایسے گاؤں میں عندالفقہاء جمعہ وعیدین جائز ہے، یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ پڑھنا فقہاء حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں؛ کیوں کہ من جملہ شرائط صحت جمعہ کے مصر جامع، یا فناء مصر ہے اور مصر جامع وہ جگہ ہے، جس میں بازار سڑکیں اور ایسا حاکم ہو، جو اپنی قوت اور غلبہ کے اعتبار سے ظالم سے مظلوم کا انصاف لے سکے۔

أما المصر الجامع ... فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أداء ها عند أصحابنا حتٰی لاتجب الجمعة الاعلی أهل المصر ومن كان ساكنا في توابعه وكذا لايصح أداء الجمعة الا في المصر وتوابعه فلا تجب علٰی أهل القرىٰ التي ليست من توابع المصر ولايصح أداء الجمعة فيها.(۲)

وروى عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدرعلٰی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه أوعلم غيره والناس يرجعون اليه في الحوادث وهوالأصح.(۳)

وقال في الهندية:(ولأدائها(أي الجمعة)شرائط في غير المصلي) منها المصر هٰكذا في الكافي والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام وبلغت ابنيته ابنية منى هٰكذا في الظهيرية وفتاوىٰ قاضي خان وفي الخلاصة وعليه الاعتماد كذا في التتارخانيه و معنٰی اقامة الحدود القدرة عليها هٰكذا في الغياثية وكما يجوزأداء الجمعة في المصر يجوز أداؤها في فناء المصر وهوالموضع المعد لمصالح المصرمتصلاً بالمصر،انتهٰی.(۴)

پس جو مقام کہ خود مصر ہو، یا تو ابع مصر سے ہو، اس میں جمعہ جائز ہے اور جو مقام ایسا نہیں ہے، اس میں جمعہ جائز اور صحیح نہیں ہے، توابع مصر وہی جگہ ہوسکتی ہے جس سے مصر کے تعلقات وابستہ ہوں اور ضروریات مصر وہاں سے بہم پہنچائی جاتی ہوں، ان دوجگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ کے باشندوں پر جمعہ فرض بھی نہیں اور نہ ان کے ادا کرنے سے ادا ہوگا، ہندوستان میں جمعہ صرف ان جگہوں میں جائز ہے، جہاں کوئی حاکم مجاز رہتا ہو، کسی ایسی بستی میں جہاں کوئی حاکم مجاز نہ ہو، جمع صحیح نہیں اور نہ وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے؛ لیکن اگر کسی جگہ پہلے سے ہوتا چلا آتا ہے اور اب موقوف کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا

(۱) في ما ذكرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضٍ وخطيب،كما في المضمرات.(رد المحتار، باب الجمعة:۱۳۸/۲،ط:سعيد)

(۲) بدائع الصنائع،باب الجمعة،فصل في بيان شرائط الجمعة: ۲۵۹/۱،ط:سعيد

(۳) بدائع الصنائع،باب الجمعة،فصل في بيان شرائط الجمعة: ۲۶۰/۱،ط:سعيد

(۴) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱،ط:ماجدية

ہے،جیسا کہ میوات و پنجاب کے بعض دیہات کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہاں جمعہ موقوف کیا گیا تو لوگوں نے پنج گانہ نماز بھی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں اس کا بند کرنا بھی مناسب نہیں؛ کیوں کہ نماز چھوڑ دینے سے تو یہی بہتر ہے کہ جمعہ پڑھ لیں؛اس لیے کہ جمعہ حسب اختلاف روایات، یا اختلاف مجتہدین ایسی جگہ پڑھنا جائز تو ہے اور ترک صلوٰۃ سخت کبیرہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۲۵/۳-۲۲۶)

تین ہزار کی آبادی اور فوجی چھاؤنی والی جگہ جمعہ:

سوال: کسولی ایک پہاڑی مقام ہے،فوجی چھاؤنی ہے۔مجموعی آبادی قریبا تین ہزار ہے،مسلمانوں کی آبادی قریبا ایک ہزار ہے، یہاں ایک ہی مسجد ہے، کیا اس مسجد میں نماز جمعہ کامل اجر وثواب کے ساتھ ہوسکتی ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بستی میں ایک سے زائد مساجد ہوں تب نماز جمعہ جامع مسجد میں ہوسکتی ہے، ورنہ نہیں،اگر یہ خیال صحیح ہے تو کیا جمعہ کے دن نماز ظہر کی ادائیگی پر اکتفا کرلینا چاہیے؟

الجواب

جمعہ کے جواز کے لیے یہ ضروری نہیں کہ متعدد مساجد ہوں، جب نماز جمعہ جامع مسجد میں ہوسکے،بستی پر مصر کی تعریف صادق آنی چاہیے،کسولی اپنی تعداد آبادی اور فوجی چھاؤنی ہونے کے لحاظ سے اس کی قابلیت رکھتی ہے کہ اس میں نماز جمعہ پورے ثواب کے استحقاق کے ساتھ ادا ہو،لہذا اس میں جمعہ کی نماز جائز ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۲۹/۳)

جس گاؤں میں ضروریات زندگی میسر نہ ہوں وہاں تیس سال سے پڑھے گئے جمعہ کا حکم:

سوال: جس گاؤں میں ضروریات زندگی کی چیزیں میسر نہیں، وہاں جمعہ ہوتا ہو تو ان کا جمعہ ہوجائے گا؟ اگر نہیں تو پچھلے تیس سال سے ایسا چلا آرہا ہے تو ان پچھلی نمازوں کا کیا ہوگا؟

الجواب

ایسے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، جتنے سالوں کے جمعے پڑھے گئے،ان کی ظہر کی نمازیں قضا کرنا لازم ہے۔

وفی الجواهر لو صلوا فی القریٰ لزهم أداء الظهر. (۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۱۷/۴)

---

(۱) واستشهد له بما فی التجنیس عن الحلوانی أن کسالی العوام اذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لایمنعون لأنهم اذا منعوها ترکوها أصلاً وأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولٰی من ترکها أصلاً.(ردالمحتار،باب العیدین، مطلب یطلق المستحب علی السنة:۱۷۱/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

(۲) وعبارة القهستانی:تقع فرضًا فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق.(رد المحتار:۱۳۸/۲،ط:سعید) بلاد کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق،الخ.(رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،ط:سعید)

(۳) رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الجمعة:۱۳۸/۲، دار الفکر بیروت،انیس

ایسے مقام پر جمعہ جہاں کوئی عالم، یا بڑا امیر نہ ہو اور ضروریات زندگی میسر بھی نہ ہوں:

سوال: ہمارے شہر میں مسجد بڑی عالیشان تیار ہوگئی ہے، ایسی مسجد اس علاقہ کے اندر کوئی نہیں ہے، جس کے تین گنبد ہیں اور ابھی ہم لوگ اس جگہ جمعہ پڑھ رہے ہیں اور شہر بڑا نہیں ہے۔ قریب ۳۵۰؍گھر آباد ہوں گے، یا کچھ کم یا کچھ زیادہ اور سوائے اس مسجد کے اور کوئی مسجد نہیں ہے، شہر سے باہر دو سو گز کے قریب تھوڑے گھر ہیں، اس جگہ ایک مسجد ہے اور کوئی مسجد نہیں ہے اور آگے اس جگہ جمعہ جاری نہیں تھا، ابھی تھوڑے عرصہ سے جمعہ پڑھاتے ہیں اور عالم بھی کوئی نہیں ہے، علم فقہ و علم حدیث کوئی نہیں جانتا صرف حافظ قرآن و ناظرۂ قرآن ہیں، مسائل سے ناواقف ہیں اور اس جگہ ڈھائی میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے۔ اس جگہ جمعہ جاری ہے اور اس جگہ بڑا امیر آدمی بھی کوئی نہیں ہے، جس کی بات کا لوگوں پر اثر ہو، یا اس کے تابع ہوں اور قاضی خود نہیں ہے، بازار بھی نہیں ہے کہ ہر چیز مل جائے۔ اب مہربانی فرما کر فتویٰ دیویں کہ جمعہ جاری کر دیویں تو ہوگا، یا نہ ہوگا؟

(المستفتی: ۱۲۲۰، پنشنر مہدی خاں صاحب (ضلع کامل پور) ۲۰؍رجب ۱۳۵۵ھ، ۷؍اکتوبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

تشریح سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا گاؤں ہے؛ اس لیے سب لوگ اتفاق کر کے اس جگہ ظہر کی نماز با جماعت ادا کر لیا کریں۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۳؍۲۴۳-۲۴۴)

جہاں پر کسی کو آنے کی اجازت نہ ہو وہاں نماز جمعہ ادا کرنا:

سوال: میرا یہ سوال ہے کہ میں منشیات کے اسپتال میں نماز جمعہ پڑھاتا ہوں، یہ عمل تقریباً چار سال سے کر رہا ہوں؛ لیکن یہاں پر باقاعدہ طور پر مسجد نہیں بنائی گئی ہے؛ لیکن نماز پڑھنے کے لیے ایک بہت بڑا ہال ہے، جس میں جمعہ کی بھی نماز ادا کی جاتی ہے؛ کیوں کہ وہاں پر منشیات کے عادی افراد کا علاج و معالجہ ہوتا ہے؛ تاکہ نشے کی عادت ختم ہو سکے؛ اس لیے ان کو اسپتال سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے اور اگر ان کو باہر نماز کے لیے جانے دیا جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ وہ باہر جا کر نشہ حاصل کر کے دوبارہ استعمال نہ شروع کریں؛ اس لیے احتیاطی طور پر ان کو باہر نہیں جانے دیا جاتا۔ نمازِ جمعہ میں تقریباً ۳۰ سے ۴۰؍لوگ شریک ہوتے ہیں۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلے سے آگاہ کریں کہ میں جو عمل کر رہا ہوں یہ صحیح ہے کہ نہیں؟

الجواب

جہاں جمعہ پڑھایا جاتا ہے، اگر وہاں ہر ایک کو آنے کی اجازت نہیں تو جمعہ نہیں ہوگا۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴؍۱۱۵-۱۱۶)

(۱) فی ما ذکرنا إشارة إلٰى أنه لا تجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاض وخطيب. (رد المحتار: ۲/۱۳۸، ط: سعيد)

(۲) والشرط السادس الإذن العام ... لا تجوز جمعته ... والإذن العام والاداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونه. (الحلبی الكبير: ۵۵۸، فصل فی صلاة الجمعة) (الشرط السادس، ص: ۴۸۰، دار الكتاب ديوبند، انيس)